ستم کے سہارے

عفت موہانی
(ایم۔اے)

بصد احترام و عقیدت

اپنی اس پہلی کوشش کو

محترم نسیم انہونوی صاحب

کے نام

معنون کرتی ہوں!۔ جن کے

خلوص و محبّت نے میرے احساسات

کو الفاظ کا جامہ پہنایا!!۔

عفّت

مصنف کے دوسرے ناول

- دردِ درماں
- محبت نام ہے غم کا
- قافلے بہار کے

تعارف

"مشک آنست خود ببوید نہ کہ عطار بگوید" ایک بہت پرانی فارسی ضرب المثل ہے، اور اتنی سچی ہے کہ کسی کو بھی اس کی صداقت سے انکار نہیں ہو سکتا۔ مشک ہی کی طرح کتاب بھی اگر بذات خود اچھی ہے تو اس کی شہرت، مقبولیت اور پذیرائی کے لئے کسی سعی، سفارش یا پروپیگنڈے کی ضرورت نہ ہونا چاہیئے۔ لیکن اس کے باوجود چونکہ آجکل "ہر بوالہوس نے حسن پرستی شعار کی" کے مصداق ہر کہہ و مہ شاعر و ادیب مصنف اور نقاد، افسانہ نگار اور ناول نویس بنتا جا رہا ہے، اس لئے قاری بھی ہوشیار ہو گئے اور وہ انھیں مصنفین کی کتب خریدتے ہیں جو ان کے جانے پہچانے اور شہرت یافتہ ہیں، اس لئے نئے مصنفین کی کتب پر لوگ اسی وقت متوجہ ہوتے ہیں جبکہ ان پر کوئی جانا پہچانا یا مستند شخص کچھ لکھ دے۔ اور یہی وجہ ہے کہ میں یہ چند سطریں تعارف کے عنوان سے اس ناول یعنی "ستم کے سہارے" میں شامل کر رہا ہوں جو عفت کا پہلا ناول ہوتے ہوئے بھی ہر اعتبار سے ایک ایسا ناول ہے، جسے پڑھنے والے اتنا پسند کریں گے کہ انھیں مصنف کے دوسرے ناولوں کی فرمائش کرنا پڑے گی۔

عفت کوئی گمنام شخصیت نہیں۔ ہند و پاک کے پچاسوں رسائل میں ان کے افسانے برسہا برس سے شائع ہو رہے ہیں۔ شائع ہی نہیں ہو رہے ہیں بلکہ بیحد پسند بھی کیے جا رہے ہیں۔ لیکن اس سے قبل انھوں نے ناول لکھنے کی کوشش نہ کی تھی۔ میرے اس تعارف لکھنے کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ اس کا محرک میں ہی ہوں۔ میں نے ہی عفت کو ناول لکھنے کا مشورہ دیا۔ مشورہ ہی نہیں دیا بلکہ زبردستی انھیں اس پر آمادہ کیا کہ وہ ناول لکھیں۔ شاید عفت سمجھتی تھیں کہ وہ ناول نہ لکھ سکیں گی، لیکن مجھے یقین تھا کہ وہ ایک کامیاب ناول نگار بن سکتی ہیں۔ اور میرا یہ یقین کس حد تک درست تھا، آپ

خود ہی ستم کے سہارے پڑھ کر اندازہ لگا سکیں گے۔

عفت کا یہ ناول میرے ماہنامہ حریم میں مسلسل شائع ہوتا رہا اور حریمی بہنوں نے اسے اتنا پسند کیا کہ میں نے عفت سے دوسرا ناول لکھوایا، جو "محبت نام ہے غم کا" کے نام سے حریم ۱۹۶۷ء کے پرچوں میں چھپا اور اب جلد ہی وہ بھی کتابی شکل میں آجائے گا۔

عفت کا تیسرا ناول "دردِ درماں" سالنامہ حریم ۱۹۶۶ء کی شکل میں چھپنے کے بعد کتابی شکل میں پیش کیا جا چکا ہے اور اسے اتنی مقبولیت حاصل ہوئی کہ کم تر ہی مصنفین کی ابتدائی تصانیف کو حاصل ہوئی ہوگی۔ اگر آپ نے "دردِ درماں" پڑھا ہے تو آپ خود عفت کے ناولوں کی خصوصیات کا اندازہ کر سکتے ہیں۔ اگر نہیں پڑھا ہے تو اس ناول کو پڑھیں اور اس کے بعد خود ہی فیصلہ کریں کہ کیا عفت کا یہ پہلا ناول کسی بھی کہنہ مشق ناول نگار کے کسی ناول سے کسی بھی حیثیت میں کم ہے؟

مجھے اپنی عزیز بہن عفت کا اسلوبِ بیان بے حد پسند ہے اور یقین ہے کہ آپ سب بھی اسے ضرور پسند کریں گے۔

نسیم انہونوی

○
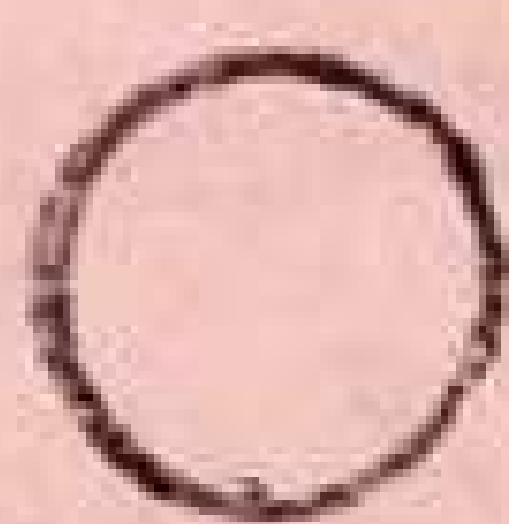
تیسری اور آخری گھنٹی بج چکی تھی۔ ہال میں سناٹا چھا گیا تھا۔ زر نگار مخملیں پردہ درمیان سے شق ہو کر آہستہ آہستہ دائیں بائیں سمٹ رہا تھا۔

نہرو میموریل کلب کا وسیع و عریض ہال کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ کہیں تل دھرنے کی جگہ نہ تھی۔ مرد اور عورتیں۔ جن میں سبھی اونچے طبقے سے تعلق رکھتے تھے۔ اور تقریباً ایسے تھے۔ جنھوں نے اپنے محبوب اور پسندیدہ فنکار کی تصویریں اخباروں میں دیکھی تھیں۔ تعریفی پرستارانہ تبصرے پڑھے تھے۔ اور اب اپنی آنکھوں سے اسے دیکھنے کے لئے یوں امڈے چلے آ رہے تھے۔ جیسے ٹڈی دل ہو۔

وہ ایک فنکار تھا۔ ایک ماہر موسیقار۔ جو باہر ممالک کی تعلیم و تفریح کے دس سال بعد اپنے وطن واپس لوٹا تھا۔ جس کے یہاں پہونچنے سے پہلے ہی اس کی شہرت پہونچ چکی تھی۔ دس سال قبل جب وہ فارن گیا تھا۔ ایک طالب علم تھا۔ لیکن جب وہ واپس ہوا تو ایک مکمل درسگاہ بن کر۔ علم و فن کو اپنے اندر سموئے ہوئے۔ ایک سمندر۔ بے تہہ و بے کنار۔ اس کے وطن نے اس کی توقع سے بڑھکر تقدیم کی۔ کئی بڑی بڑی فنی اور تعلیمی درسگاہیں تھیں۔ جہاں اسے ہاتھوں ہاتھ لیا گیا۔

اور یہ پہلی بار تھی جو وہ اپنے محبوب اور آئیڈیل انسان اور رجلِ عظیم نہرو کی جینتی کے موقعہ پر کلب میں اپنا پہلا اور کامیاب مظاہرہ کر رہا تھا۔ اس کا نام سنتے ہی فن کے شیدائی یوں دوڑ پڑے تھے۔ جیسے کوہِ ندا کی پکار پر اس کے مخاطب۔ سب کی بے چین اور مشتاق نگاہیں اسٹیج پر لگی تھیں جہاں ان کا محبوب فنکار تھا اور اس کے آس پاس چھوٹی چھوٹی آبنوسی میزوں پر انواع واقسام کے ساز رکھے ہوئے تھے۔ اور وہ باری باری ان سب پر اپنے کمال کا مظاہرہ کرنے والا تھا!

لاکھوں آنکھیں اس پر جمی ہوئی تھیں! ہال میں سناٹا طاری تھا۔

اور پھر باری باری اس نے دنیا بھر کے فنکاروں کو چیلنج کرتے ہوئے اپنے فن کی معراج دکھائی "تالیوں چیرز، نعرہ ہائے تحسین سے بے نیاز۔۔۔ تعریف وستائش سے بے پرواہ۔ لوگ جوش وشوق میں اپنی نشستوں سے کھڑے ہو گئے تھے۔ اس پر کرنسی، انگوٹھیوں اور نوٹوں کی بارش کر دی تھی!

اپنی بے پناہ محویت میں اس کی آنکھیں صرف ایک چہرے پر جمی رہ گئی تھیں جو سب کے سامنے نشست پر بہار کے پہلے پھول کی طرح کھلا ہوا تھا۔ ہلکے نیلے لباس میں ملبوس۔ نور کے سانچے میں ڈھلا ہوا مرمریں جسم۔ سرخ وسفید حسین چہرے پر گھنی اور سیاہ پلکوں سے سجی سنوری آنکھیں سحر انگیز اور نشیلی جو اسے ٹکٹکی باندھے دیکھ رہی تھیں۔

اس کے ہاتھوں میں ہلکی سی کپکپی پیدا ہو گئی۔ اور ساتھ ہی منیجر نے گلا صاف کر کے اسے تنبیہہ کی۔ اس نے چونک کر پیانو کے ٹیس پر ہاتھ دے مارے۔ آفاقی گونج۔ اور لاہوتی نغمہ۔ جو یکبارگی سناٹے میں گونج کر ختم ہو گیا۔

گسائی نے آج تک۔ اسے یوں متاثر نہیں کیا تھا۔ وہ پتھر کا آدمی مشہور تھا۔

لیکن اچانک ہی وہ پتھر اپنی آنچ میں پگھل گیا!۔

پھر وقت ختم ہوا۔ اور تالیوں کی گونج میں پردہ گرا دیا گیا۔

بہتیرے لوگ اس سے ملنے کے مشتاق تھے بعض آٹوگراف کے خواہشمند کلاک روم کے آس پاس بھر رہے تھے!۔ منیجر اسے پرجوش طریق پر مبارکباد دے رہا تھا۔"

پھر اس نے اس کی طرف ایک بھرا ہوا پرس بڑھا دیا!

"آپ کی امانت... مسٹر خالد!"

"امانت؟"

جی.... "منیجر مسکرایا" وہ تمام چیزیں جو ہال سے آپ پر نچھاور کی گئیں اور آپ کا معاوضہ!۔

اس نے ہنستے ہوئے پرس سمیت منیجر کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں دبالئے۔

"یہ نچھاور نہیں میرے پرستاروں کے دل ہیں!۔ اب یہ میری امانت نہیں رہے میں چاہتا ہوں یہ سب کچھ میرے معاوضہ سمیت میرے فوجی بھائیوں کو محاذ پر بھیج دیا جائے!"

"اوہ۔!" اندرونی جوش سے منیجر کا چہرہ سرخ ہو گیا۔

"لیکن میرے نام سے نہیں" خالد نے اس کا شانہ تھپکتے ہوئے کہا "اس عظیم شخصیت کی طرف سے۔ جسے آپ ہم ہیرو کہتے ہیں!

بہت بہتر۔ لیکن آپ کے شائقین؟!

"میں ان سے ضرور ملوں گا، منیجر!۔ تاکہ وہ یہ نہ سمجھیں۔ فنکار کوئی آفاقی چیز ہوتا ہے۔ میں انھیں بتانا چاہتا ہوں۔ میں ان ہی میں سے ہوں اور انھی میں رہوں گا!"

ستم کے سہارے

کتنی دیر تک وہ ہجوم میں گھرا رہا۔ اس وقت وہ لوگوں کو واقعی کوئی آسمانی مخلوق لگ رہا تھا ۔۔۔ غلماں کا سا حسین، منکسر المزاج۔ اور ہنس مکھ!"
بڑی دیر بعد اس کی کار ہجوم سے نکلی۔ اور بہت سے پرستاروں کو پیچھے چھوڑ کر آگے بڑھ گئی!۔ کوٹھی میں سناٹا تھا۔ سہ پہر کی دھوپ ڈھلنے لگی تھی۔ باغ میں لمبے لمبے درختوں کی چوٹیاں سنہری دھوپ میں چمک رہی تھیں فواروں کی مدھر آواز خاموشی کے دل توڑ رہی تھی!۔

بڑے ہال میں کرنل سلمان پیٹھ کے پیچھے دونوں ہاتھ باندھے ٹہل رہے تھے۔ ان کی پیشانی پر شکنیں پڑی ہوئی تھیں۔ بیگم صاحبہ نرم دیوان پر بیٹھی بغور انہیں تک رہی تھیں!!۔

کرنل سلمان رضوی کا شمار شہر کے روساء اعظم میں ہوتا تھا!۔ اپنی خدمات کے صلے میں انھیں حکومت کی طرف سے کرنل کا معزز خطاب ملا تھا۔ اب تک فوجی دبدبہ اور سخت گیری ان میں جوں کی توں باقی تھی۔ یوں بھی حد سے زیادہ غصہ ور اور ضدی مشہور تھے۔ اچھے اچھوں کو نظر ملا کر بات کرنے کی ہمت نہ پڑتی۔ اور بچوں بڑوں پر رعب بھی یونہی چھایا ہوا تھا۔ اپنے سامنے سوائے تقدیر کے وہ کسی کی چلنے نہ دیتے تھے!۔ وہ ان لوگوں میں سے تھے۔ جو گردش ایام کے ساتھ نہیں چلتے۔ گردش ایام جن کی مرضی پر چلتی تھی! وہ ان خوش نصیبوں میں تھے۔ جنھیں قدرت، دولت اور دولت اولاد دونوں سے نواز دیتی ہے!۔ دو لڑکیاں تھیں، اور ایک لڑکا۔ بڑی لڑکی نافیہ کی کئی سال قبل ہی شادی ہو چکی تھی۔ سب سے چھوٹی الماس تھی۔ اور نافیہ سے چھوٹا خالد!!

ویسے بھی کنبہ بہت مختصر تھا۔ اور وہ نہ خاندان کو وسیع کرنے کی فکر میں

تھے۔ نہ ہی کسی کا میل جول زیادہ گوارہ کرتے تھے۔ چنانچہ اپنے بچوں کی شادیوں کے سلسلے میں بھی اپنی افتادِ طبع کا پورا پورا ثبوت دے رہے تھے۔ نازیہ کی شادی اپنے ایک دوست کے بیٹے فیروز سے کی تھی۔ خالد کے سلسلے میں بھی اپنے ایک دوست کی بیٹی سے بات چیت طے کر دی تھی۔ اور ویسے خالد کو بالکل پتہ نہ تھا۔ اس کی عدم موجودگی میں وہ کیا کرتے رہے ہیں۔ خود کرنل صاحب کا خیال تھا۔ ان کا سعادت مند بیٹا ان کے ہر حکم و پسند پر سرِ تسلیم خم کر دے گا ۔۔۔!"

گھر بھر میں اس کی آمد کے سلسلے میں جشن اور میلاد کی تیاریاں ہو رہی تھیں!۔ عورتیں اور لڑکیاں اپنے اپنے کاموں میں مشغول تھیں!۔ لیکن کرنل صاحب اور بیگم صاحبہ سب سے الگ تھلگ کسی سنجیدہ موضوع پر گفتگو کر رہے تھے!۔

کمپاؤنڈ میں کار رکی۔ اسے شوفر کے حوالے کر کے خالد دو دو زینے پھلانگتا اوپر آیا۔ وہ اپنے کلب کے شاندار پروگرام سے بے حد خوش تھا!۔ مسرت اور اپنی کامیابی کا جوش اس کے چہرے سے عیاں تھا!!۔

ہار سنگھار کے درخت کے پاس عشرت کھڑی تھی۔ زرد و سفید پھولوں سے اپنا آنچل بھرے ہوئے!۔ وہ خالد کی پھوپھی زاد بہن تھی۔ اس پر جان چھڑکنے والی۔ بے حد شریر سی۔ چلبلی! سب سے زیادہ خالد کو چھیڑتی۔ ہمیشہ اس فکر میں رہتی۔ کب کوئی نئی خبر سنے اور لے بھاگے۔ اور خالد کو للچا للچا کر پہلے اس سے نقد وصول کرے پھر چاہے خوشخبری سنائے یا یونہی بھاگ جائے!!

وہ اسے دیکھ کر رک گیا!۔

آپ اتنی جلدی ہی چلے آئے ؟!" عشرت نے کہا، "ہم تو سمجھے تھے۔ رات بھر کا

پروگرام ہے !۔

کوئی خاص بات ہے ؟"

بہت خاص بات۔۔۔ "عشرت نے مسکرا کر دیدے نچائے "ابھی آپ کو ماموں جان اور مامی سنائیں گی !!۔

تو پھر۔ میں سنوں جا کر۔ ؟" خالد بھی مسکرایا۔

جی ہاں۔ مگر پہلے امام ضامن بندھوا لیجئے۔ صدقہ وغیرہ اتروا لیجئے۔" "عشرت بولی: "کسے خبر۔ وہاں سے آپ بچ کے واپس بھی آئیے گا یا ——————

اس نے کھلکھلا کر اپنا پھولوں بھرا آنچل خالد پر نچھاور کر دیا۔ اور ہنستی ہوئی بھاگ گئی !۔

خالد کے قدم ہال کے سرے پر ہی رک گئے !

اسے میرا حکم ماننا ہی پڑے گا !" کرنل صاحب کی گرجدار آواز نے اسے دم بخود کر دیا۔

میں اسے سب سمجھا دوں گی۔" بیگم صاحبہ کی آواز آئی: "اتنی جلدی کس بات کی ہے ؟۔ ابھی اسے وطن واپس آئے ہوئے کتنے دن ہوئے۔ کچھ تو اطمینان لینے دیجئے !"

میں نواب صاحب کو ایک آخری جواب دینا چاہتا ہوں !۔

دے دیجئے گا۔ سوچ کر۔" وہ اٹھ کھڑی ہوئیں۔ دیوار سے ٹیک لگائے۔ خالد کھڑا تھا۔ بیگم صاحبہ باہر نکلیں اور اسے دیکھ کر متحیّر رہ گئیں !۔

تم کب آئے ؟۔

جی ابھی ابھی آ رہا ہوں !۔

وہ اسے ساتھ لئے اپنے کمرے میں آ گئیں۔ خالد تھکن کی ہلکی سی سانس

لے کر بیگم صاحبہ کے پاس ہی تخت پر بیٹھ گیا!۔ اور استفہامیہ نگاہوں سے انھیں دیکھنے لگا۔

کیا بہت تھک گئے ؟ خالد۔

جی ہاں۔ کسی سے کہہ کر میرے لئے تیز گرم چائے منگوا دیجئے!۔

پھر عشرت آئی اور چائے وغیرہ رکھ کر خالد کو کنکھیوں سے دیکھتی ہوئی چلدی:

وہ آہستہ آہستہ چائے کے گھونٹ لینے لگا۔

"کوئی خاص بات ہے۔ ممی!؟" اس نے دفعتہً پوچھا۔

وہ تو میں پھر کہوں گی!" بیگم صاحبہ بولیں۔" مگر میں دیکھ رہی ہوں کہ پروگرام اور موسیقی کی تیاریوں نے تمھیں بہت تھکا ڈالا ہے۔ تمھارے چہرے پر یہ اداسی اور اضمحلال کیوں ہے۔ جب سے یہاں بیٹھے ہو۔ لمبی لمبی سانسیں لے رہے ہو؟ کیا ہندوستان میں تمھارا جی نہیں لگتا!؟۔

خالد خاموش رہا!۔

"تمھارے ڈیڈی کو تمھاری شادی کی بہت فکر ہے!۔ ابھی وہ مجھ سے یہی کہہ رہے تھے!" بیگم صاحبہ نے کہا:" ان کا خیال ٹھیک بھی ہے۔ میرا بھی دل چاہتا ہے۔ اب ہم بوڑھے ہوئے۔ جتنی جلدی ہو سکے اپنے بیٹے کا سہرا دیکھ لیں!!

اسے ہنسی آگئی:" ابھی تو مجھے یہاں آئے ہوئے دو ہی تین ہفتے ہوئے ہیں ممی۔ نہ میں یہاں کسی کو پہچانتا ہوں۔ نہ کوئی مجھے جانتا ہے!۔ آخر اتنی جلدی کس بات کی ہے!!۔

تم کسی کو نہ پہچانو۔ یہ اور بات ہے!۔ مگر سب تمھیں جانتے ہیں!۔ اور وہ خاندان، جس میں تمھارا رشتہ کیا گیا ہے۔ وہ ہمارا بہت کچھ جانا پہچانا

ہے!۔ نواب آسمان جاہ بہادر۔ شاید تمھیں یاد آیا ہو۔

جی نہیں!۔ یہاں کے زمین و آسمان میرے لئے بالکل نئے ہیں۔" وہ پھر ہنس پڑا:" کچھ دن اور ٹھہرئیے۔ پھر دیکھا جائے گا۔

نہیں بیٹا۔ اب ماشاء اللہ تمھاری عمر بھی ہو گئی ہے۔ اور ہم نواب صاحب کو زبان دیتے دیتے تھک گئے ہیں۔" بیگم صاحبہ نے کہا:" اسی لئے تمھارے ڈیڈی نے کہا تھا کہ تم سے پوچھ لیا جائے۔! نواب صاحب کی لڑکی بہت خوبصورت ہے —— نواب صاحب دولت مند ہیں۔۔۔۔ میں بھی اس لڑکی کو بے حد پسند کرتی ہوں۔ مجھے بھی یہی امید ہے کہ تم اپنے ماں باپ کی مرضی ہر حال میں مقدم رکھوگے:" پھر میں انھیں کیا جواب دوں؟!

ممی۔ جب آپ میری مرضی معلوم کرنا چاہتی ہیں تو خدا کے لئے چند دن اور ٹھہر جائیے!" اور ڈیڈی سے بھی یہی کہہ دیجئے!!۔" خالد کسی سوچ میں گم تھا۔ بیگم صاحبہ کچھ اور بھی کہتی رہیں۔ لیکن وہ سن ہی نہ سکا!۔ انھوں نے کیا کہا تھا؟۔ پھر اسے یہ بھی خبر نہ ہوئی وہ کب کمرے سے چلی گئیں۔ وہ دریچے میں آکھڑا ہوا۔! حد نظر تک سرسبز باغ پھیلا ہوا تھا۔ ایک طرف رنگ برنگے پھولوں کے تختے تھے۔ کہیں سے جنگلی پھولوں کی مہک آرہی تھی۔ اس نے ہلکی سی سانس لی اور دریچے کے پٹ سے سر ٹیک کر آنکھیں بند کر لیں۔

ایک طرف ماں باپ کا حکم اور ان کی پسند۔ دوسری طرف۔ اس کا اپنا دل۔ دیر تک وہ کوئی فیصلہ نہ کر سکا!!۔ یوں بھی اس کے ذہن میں کشمکش ہو رہی تھی!۔ کسے پسند کرے کسے ناپسند۔ اس جیسے ترقی پسند۔ آزاد خیال اور نیم مغربی خیالات رکھنے والے انسان کے لئے یہ بڑا جبریہ حکم تھا!!۔ ویسے بھی اس کی شرافت۔ سنجیدگی اور خاموشی پسند طبیعت سے بیگم صاحبہ نے یہی

اندازہ لگایا تھا۔ وہ انکار نہیں کرے گا!۔

اسی وقت الماس نے آکر کرنل صاحب کا حکم سنایا۔

"آپ کو بلا رہے ہیں!۔" وہ بھائی کا چہرہ غور سے دیکھتی ہوئی بولی۔

وہ چپ چاپ جاکر کھڑا ہو گیا۔۔۔ وہ کسی کام سے اسے اپنے گاؤں بھجوانا چاہتے تھے۔ شاید یہ مقصد تھا کہ ان کی جاگیر کے لوگ بھی اپنے نئے مالک سے واقف ہو جائیں!!۔

"کیا ابھی چلا جاؤں!!" اس نے سر اٹھا کر دریچے سے جھانکتے آسمان کو دیکھا جس پر گھنی گھنی بدلیاں چھا رہی تھیں۔

"میں تو چاہتا تھا۔ صبح ہی کو بھیجدوں! لیکن تمہارے پروگرام۔۔۔!" وہ بولے۔

"بہت بہتر:" اس نے بات کاٹ دی: "ابھی جاتا ہوں!"

کرنل صاحب اٹھ کر چلے گئے!۔ اس نے بھی باہر کی راہ لی!!

○

شام کے اندھیرے میں گاڑی اچھلتی دھچکے کھاتی گاؤں کے کچے راستے پر ہولی!۔ جنگل اور ہرے بھرے کھیت و باغات شام کا سرمئی لبادہ پہنے خاموش سو چکے تھے!۔ دور افق پر تاریک بادل اکٹھا ہو رہے تھے۔ رہ رہ کر ان میں آتشیں بجلی چمکتی اور بادل کی ہلکی سی گرج فضا میں گھل مل کر معدوم ہو جاتی!۔

اس نے ریڈیم ڈائل والی گھڑی میں وقت دیکھا۔ آٹھ بجنے والے تھے

اور اب گھنی تاریکی زمین پر اتر آئی تھی۔ آگے راستے بھی اندھیرے میں کھوئے ہوئے تھے۔ کار اندھا دھند ایک ٹمٹماتی روشنی کی طرف بھاگ رہی تھی۔ یکایک کیچڑ پانی سے بھرے ہوئے گڑھے میں اگلا پہیہ دھنس گیا۔ کار اچھلی۔ اور انجن ہلکی سی غراہٹ کے بعد خاموش ہو گیا۔

یک بیک بوندیاں پڑنے لگیں۔ آثار تھے کہ جلد ہی بارش آئے گی۔ اس نے کار کو کارکنانِ قضا و قدر کے رحم و کرم پر چھوڑا نیچے اتر کر پچھلی سیٹ سے اپنا اسٹر اٹھایا۔ اور دل ہی دل میں اپنے مقدر کو برا بھلا کہتا ہوا اس ٹمٹماتی روشنی کی طرف قدم بڑھا دیئے۔ جس نے نا امیدی کے گھنے اندھیرے میں امید کا ہلکا سا اجالا پھیلا رکھا تھا!۔

پھر ہوا کے تیز جھونکوں کے ساتھ بارش شروع ہو گئی۔ اور وہ دوڑ کر ایک دیہاتی وضع کے گیٹ میں داخل ہو گیا۔ بوچھار یہاں تک آ رہی تھی۔ اس نے برآمدے کی دیوار سے پیٹھ لگا دی اور اندھیرے میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے لگا۔

کون ہے؟!"۔ ایک بھاری بھرکم لیکن مہذب چہرہ بالکونی کی منڈیر سے جھانک رہا تھا۔

معاف فرمایئے گا۔ میں بارش کے رکتے ہی۔"

اوپر آ جایئے!"۔ کسی نے کہا اور ساتھ ہی زینے کا بلب بھی روشن کر دیا گیا۔

پیشانی سے پانی کے قطرے پونچھتا وہ اوپر پہونچا۔ صاف ستھرے کمرے میں اِدھر اُدھر نظریں ڈال کر کچھ کہنا چاہا۔ لیکن اس کے نامعلوم بوڑھے میزبان نے کہا۔

"آپ بلا تکلف تشریف رکھئے۔ اِدھر کی بارشیں ساری ساری رات نہیں رکتیں!۔

تو پھر میں ابھی چلا جاؤں؟!۔

"میرا مطلب یہ نہیں ہے۔" ان کے چہرے پر مسکراہٹ بکھر گئی۔ "میں تو یہ کہہ رہا تھا۔ اس رات واپسی کا خیال دل سے نکال دیجئے۔ ویسے بر سبیل تذکرہ آپ کہاں سے آرہے ہیں۔ کہاں جائیے گا۔"

"جی۔ میں؟" اس نے اسٹر اتار کر صوفہ کی پشت پر ڈالا۔ اور میزبان کے دباؤ سے صوفہ پر بیٹھتا ہوا بولا: "والد صاحب نے گاؤں کی دیکھ بھال کے لئے بھیجا تھا۔ لیکن ایک کام میں دیر ہو گئی۔ اور چونکہ پہلی بار جانا ہوا تھا۔ واپسی میں راستہ بھول گیا۔ کار بھی بیچ جنگل میں کہیں رہ گئی۔"

"آپ کے والد صاحب کا گاؤں ہے؟" انھوں نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ "کیا آپ کرنل سلمان کے صاحبزادے۔ خالد سلمان ہیں؟۔

"جی۔!"

"صاحب زادے۔ آپ تو میرے عزیز دوست کے بیٹے ہیں۔" انھوں نے بڑی گرمجوشی سے اس سے ہاتھ ملایا۔ چونکہ بہت دنوں بعد دیکھا ہے۔ پہچانا نہیں۔!

"جی۔ میں مہینہ بھر پہلے ہی جرمنی سے لوٹا ہوں!۔"

"مجھے معلوم ہے!۔" یہ کہتے ہوئے وہ اٹھے اور اندر چلے گئے۔ پندرہ منٹ بعد واپس آئے۔ ان کے پیچھے ایک نوکر کھانے کی سینی اٹھائے ہوئے آرہا تھا۔ پھر اس نے میز پر کھانا لگا دیا۔

خالد محجوب بھی تھا اور شرمندہ بھی۔ یہاں رات گزارنے میں ہی

اسے تکلف محسوس ہو رہا تھا۔ نہ کہ۔ کھانا۔ اسے پس وپیش کرتے دیکھ کر بوڑھے میزبان کو ہنسی آگئی۔

"خالد صاحب۔ میں آپ کے باپ کے برابر ہوں۔ مجھ سے شرم کیسی۔ حجاب کیسا۔! آیئے۔ کھانا پہلے ہی کافی ٹھنڈا ہو چکا ہے!" انھوں نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اٹھا دیا۔

بادلِ نخواستہ وہ ہاتھ دھو کر میز پر آبیٹھا۔ اور انھوں نے گفتگو کا لامتناہی سلسلہ چھیڑ دیا۔

"غالباً تم نے مجھے پہچانا نہیں۔ بہت چھوٹے سے تھے۔ جب دیکھا ہوگا۔ مجھے سیّد معاذ انصاری کہتے ہیں" پھر انھوں نے اپنے اور اس کے خاندان کے قصے چھیڑ دیئے۔ رہ رہ کر وہ اسے بے تکلف ہو کر کھانے کی ہدایت بھی دیتے جاتے تھے!۔

پھر کھانا ختم ہونے سے پہلے ہی کافی آگئی۔

"میری وجہ سے آپ کو بڑی زحمت ہوئی۔ جناب!" خالد نے شرمندہ لہجے میں کہا۔

"جناب نہیں۔ ابّا جان!۔" انھوں نے ہلکا سا قہقہہ لگایا۔ "میں سب کا ابّا جان ہوں!"

دفعتہً خالد کی مسکراہٹ اس کے لبوں پر ہی سمٹی رہ گئی۔ وہ ہنسنا بھول گیا۔ سامنے دروازے سے شبنمی صبح طلوع ہو رہی تھی!۔ سفید لباس میں ملبوس گھنے سیاہ ریشمی بال سُرخ فیتے میں جکڑے ہوئے۔ وہی خواب ناک آنکھیں جو ابھی تک خالد کے حواسوں پر چھائی ہوئی تھیں۔ ننھا سا سرخ دہانہ۔ اور مجسّم قیامت!!۔

آپ ؟!" بے اختیار خالد کے لبوں سے نکلا۔ اور وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔"

وہ بھی یکایک دم بخود رہ گئی۔ اس کے ہونٹوں سے بھی یہی نکلا۔"
آپ ؟" اور دونوں ہی حجاب اندر حجاب کی کیفیتوں میں گم کھڑے رہ گئے!۔"

تم پہچانتی ہو انھیں ؟!" سید صاحب حیرت سے دونوں کو دیکھتے ہوئے بولے۔"

خالد اپنی وارفتگی پر قابو پا چکا تھا۔ وہ بھی سنبھل گئی تھی!۔
یہ میری بچی ہے۔ ردینہ!۔" سید صاحب نے کہا۔ پھر مسکرا کر بولے۔" اور آپ ہیں۔ خالد سلمان۔ راستہ بھول کر ادھر آنکلے!۔

اس نے اپنا ننھا سا سفید ہاتھ اپنی پیشانی پر رکھ لیا۔
خالد نے مصافحہ کے لئے اپنا ہاتھ بڑھایا۔ لیکن مصافحہ قبول نہیں کیا گیا وہ سمٹ کر اپنے باپ کے پہلو میں بیٹھ گئی۔ اور یوں دھیرے سے مسکرائی کہ اس کے سفید رخساروں میں دو خوب صورت گہرے گہرے گڑھے پڑ گئے۔
وہی دلکش و سحر انگیز آنکھیں۔ وہی بالکل وہی۔ دل ہی دل میں وہ بخت و اتفاق کا شکر ادا کر رہا تھا۔ جنھوں نے ایک راہ مسدود کر کے دوسری حسین راہ دکھا دی تھی!۔

ابا جان۔" وہ سید صاحب سے کہہ رہی تھی۔" جن فنکار کی مہارت اور قابلیت کا میں نے آپ سے تذکرہ کیا تھا۔ وہ یہی ہیں!

ہاں ۔۔ بیٹی ۔۔" سید صاحب ہنسے۔" بہت پہلے سے انھیں جانتا ہوں ۔۔۔ لیکن یہ معلوم نہیں تھا کہ وہ ماہر فنکار اپنے خالد ہی

ہیں ۔۔۔"

پھر وہ خالد سے مخاطب ہوئے "ہماری روبینہ جب سے آپ کا پروگرام دیکھ کر آئی ہے۔ برابر آپ کی مہارت کے گن گا رہی ہے۔ بھئی! واقعی بے حد خوشی ہوئی!۔

شکریہ!" خالد نے مسکرا کر کہا۔ اور دفعتہً بجلی غائب ہو گئی!۔ سید صاحب کا قہقہہ اندھیرے میں گونجا۔ بارش میں اکثر یہی ہوتا ہے!۔

خالد نے فوراً اپنا لائیٹر جلا دیا اور موہوم سی روشنی کمرے میں پھیل گئی"

روبینہ نے دو ایک موم بتیاں جلا دیں۔

چلئے!۔ مین بورڈ بھی دیکھ لیں!۔" خالد اٹھتا ہوا بولا۔ روبینہ نے موم بتی سنبھال لی!۔ بورڈ باہر ہی تھا! خالد کے ہاتھ رک گئے۔ دھیمی دھیمی پاکیزہ روشنی کے ہالے میں روبینہ کا چہرہ انتہا سے زیادہ حسین اور معصوم لگ رہا تھا!۔

مریم۔۔۔! وہ زیر لب گنگنایا۔ اسے تشبیہہ بھی مغربی ہی سوجھی۔

جی؟ ۔۔۔" پھر وہ گھنی گھنی پلکوں سے سجی ہوئی سحر انگیز آنکھیں اس کی طرف اٹھیں اور اسے اپنی طرف دیکھتا پا کر دھیرے دھیرے رخساروں پر عکس فگن ہو گئیں!۔

لائٹ فیوز ہو گئی!۔" وہ صرف یہی کہہ سکا!۔

پھر روبینہ نے بورڈ پر سے تار کا چھوٹا سا ٹکڑا اٹھا کر اسے دے دیا۔ اس نے بھی ساتھ ہی ہاتھ بڑھا دیا موم بتی میں دھکا لگا اور وہ بجھ گئی۔ روبینہ کی ہلکی سی چیخ نکل گئی!۔

معلوم ہوتا ہے۔ آپ اندھیرے سے بہت ڈرتی ہیں!" خالد نے ہنستے ہوئے کہا اور پھر اپنے لائیٹر سے بتی جلادی۔ روبینہ کے رخساروں کا رنگ اڑ گیا تھا۔ یکبارگی وہ گھبرا گئی تھی۔ دو ہی منٹ بعد روشنی واپس آگئی۔ سید صاحب بے حد ممنون تھے۔

"تم نہ ہوتے تو کل شہر سے کسی مکینک کو بلوانا پڑتا۔!" انھوں نے کہا "ساری رات اندھیرا ہی رہتا۔"

"آپ مستقل یہاں نہیں رہتے؟" خالد نے پوچھا۔

"نہیں!۔ ہم محض تفریحاً یہاں آگئے تھے۔ جلد ہی واپس چلے جائیںگے!" انھوں نے کہا۔ پھر سب لوٹ کر بڑے کمرے میں آگئے!۔

"اچھا۔ بیٹے۔ اب تم آرام کرو۔" انھوں نے خالد سے کہا "کسی چیز کی ضرورت ہو تو مجھ سے کہدو۔"

"جی نہیں۔ بہت بہت شکریہ" وہ احتراماً جھکا "اب تو کسی چیز کی ضرورت نہیں ہے۔ دونوں چلے گئے۔ دن بھر کی دوڑ دھوپ کے بعد اسے بہت تھکن محسوس ہو رہی تھی۔ جوتے اتارے۔ کوٹ اتار کر کرسی پر ڈالا۔ اور بستر پر لیٹ کر گردن تک کمبل کھینچ لیا۔ گرم کمرہ۔ کسی کے ملکوتی حسن کا تصور۔ اور ایک نامعلوم سی طمانیت کا احساس۔ . . . وہ جلد ہی سو گیا۔!!۔

ناشتہ کی میز پر روبینہ بھی تھی۔ گلاب کے اس پھول کی مانند نکھری ستھری جو رات بھر شبنم میں غسل کرتا رہا ہو۔ گلابی ساڑی اور سرمئی بلاوز میں وہ بے حد حسین لگ رہی تھی!۔

"صبح بخیر!" خالد نے بڑی آہستگی سے کہا۔

اور جواب میں سید صاحب کی گونجیلی آواز سن کر خاموش ہو گیا۔

پھر انھوں نے باتوں کا لامتناہی سلسلہ شروع کر دیا۔ روبینہ چپ چاپ چائے پیتی رہی۔ اور خالد بڑی دلچسپی سے سیّد صاحب کی باتیں سُن رہا تھا!۔

پھر وہ یہ کہتے ہوئے اٹھ گئے "آپ جب تک یہاں کے باغات کی سیر کیجئے۔ میں آپ کی کار کی خبر لیتا ہوں!۔ رات بھر بھیگ کر چوہا بن گئی ہو گی!" انھوں نے پھر قہقہہ لگایا۔ ہنسے بغیر کوئی بات ہی نہیں کر سکتے تھے!

محترمہ روبینہ!۔" خالد نے بڑی شائستگی سے اسے مخاطب کیا" معاف کیجئے گا۔ کل رات سے اب تک میں نے سگریٹ نہیں پی!.... بدتمیزی ضرور ہے! لیکن پھر کس سے کہوں؟!۔

سگریٹ؟... روبینہ سوچ میں پڑ گئی۔

خیر نہ سہی۔ جانے دیجئے!۔ خالد اپنی بات کہہ کر شرمایا بھی پچھتانے بھی لگا!۔"

چلئے!۔ مترنّم آواز۔ جیسے بند کلیسا میں ہولے سے گھنٹیاں بج اٹھی ہوں!۔"

چلئے۔!" وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

آپ کی یہ کوٹھی بڑے پرفضا مقام پر واقع ہے!" اس نے کچھ کہنے کے لئے سلسلہ چھیڑا۔

جی ہاں!" روبینہ مسکرائی" یہاں سے دور ایک سرسبز جنگل ہے۔ اس میں جابجا نہریں بہتی ہیں۔ چشمے گنگناتے ہیں۔ پہاڑوں پر برف بلور کی طرح چمکتی ہے۔ سبزہ کمخواب کا قالینوں کی طرح پاؤں چومتا ہے!۔ اور ہرے ہرے پتوں کے بیچ سے بدلیوں سے ڈھکا سفید سفید آسمان جھانکتا ہے!۔

سبحان اللہ! ۔ آپ نے تو جنت کا نقشہ کھینچ دیا۔" خالد مسکرایا۔

"صرف حوروں کی کسر ہے!" روبینہ بولی ۔ پھر وہ مسکرائی ۔" لیکن آپ تو انگریز ہیں۔ آپ کو کیا معلوم ۔ حوریں کیا ہوتی ہیں ؟"

"میں انگریز ہوں !؟" خالد چلتے چلتے رک گیا۔ پھر وہ بے اختیار ہنس پڑا ۔"

"نہیں ۔ محترمہ ۔ میں خالص مسلمان ہوں ! . . . . مجھے اچھی طرح معلوم ہے ۔ حوریں کیا ہوتی ہیں ۔ کیسی ہوتی ہیں ؟! ۔" وہ اس کی طرف دیکھ کر مسکرایا۔

دونوں پھر آگے بڑھ گئے ۔

ان کے آس پاس سرسبز کھیت تھے ۔ پھر باغات کا سلسلہ شروع ہوا وہ اس مقام سے بھی گزر گئے ۔ پھر وہ ایک جگہ رک گئی ۔ جیسا اس نے کہا تھا یہ مقام ویسا ہی تھا۔ حد نظر تک سبزہ پھیلا ہوا تھا۔ دور پر سر بفلک پہاڑ تھے ۔ جن کی چوٹیاں صبح کی دھند میں لپٹی چھپے ہوئے نور سے دمک رہی تھیں ۔ پھر درختوں کی چوٹیاں اور پہاڑ کے بگلہ جیسے سر سنہرے ہو گئے۔ پانی چمکنے لگا۔ چڑیوں کا شور بلند ہوا ۔ اور پھر افق مشرق سے آفتاب نے اپنا چمکیلا چہرہ دکھایا۔ سب کچھ منور ہو گیا۔ جگمگا اٹھا۔

خالد کی نظریں خیرہ ہو گئیں ۔

"بہت حسین ۔ بے حد خوب صورت ۔" وہ مسکرا دیا۔" میری زندگی میں ایسی صبحیں بہت کم آئی ہیں ۔ آپ کا دل تو بے حد لگتا ہوگا یہاں ؟!"

"جی ۔ میں تنہائی پسند ہوں !" روبینہ نے کہا۔ اس کی نظریں پہاڑوں پہ پھیلتی ہوئی دھوپ میں الجھی ہوئی تھیں۔

میری رفاقت ناگوار تو نہیں ہوئی؟" خالد کے چہرے پر مسکراہٹ چھا گئی"۔

"بعض رفاقتیں مستقل کہاں ہوتی ہیں؟!"

ہو سکتی ہیں۔ اگر آپ چاہئے!" خالد کے لبوں پر اس کا دل دھڑک اٹھا زبان بند ہو گئی۔

اب سورج نکل آیا تھا۔ رات کی بارش نے ہر چیز نکھار دی تھی۔ طوفان کے بعد یہ سناٹا کتنا سحر انگیز اور روح پرور ہو گیا تھا۔ تیز کرنوں نے جنگلی پھولوں کو نہکا رکھا تھا۔ اور رہٹ پر گاؤں کی کنواریوں کے سریلے اور کھنکتے قہقہے گونج اٹھے تھے؟۔

آئیے چلیں!" روبینہ کی نظریں دفعتہً اس کی نظروں سے ٹکرا گئیں چلئے!" اس نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔

ننھی سی پگڈنڈی.... پھولوں کا سجا سنورا راستہ۔ دونوں شانہ بشانہ چل رہے تھے۔ آس پاس کے جنگلی درخت ان سے ٹکراتے اور رات کے پانی کے ننھے ننھے قطرے ان کے لباسوں پر موتیوں کی طرح بکھر جاتے۔

جلد ہی وہ گھر پہونچ گئے۔ سید صاحب اپنی نگرانی میں اس کی کار صاف کروا رہے تھے۔ دونوں کو دیکھ کر وہ ہنسنے لگے۔

"میرا خیال غلط نکلا۔ یہ چوہا نہیں۔ بلکہ بھیگی بلّی بن کر رہ گئی ہے!" خالد کو بھی ہنسی آ گئی۔ پھر اسے ان کا دل رکھنے کے لئے دیکھے ہوئے مناظر کی تعریف میں زمین آسمان کے قلابے ملانے پڑے۔

دوپہر کے کھانے تک تو تم ٹھہروگے؟!" سید صاحب نے کہا۔

ضرور ٹھہر جاتا" خالد نے کہا "لیکن آپ ڈیڈی اور ان کے مزاج

کو جانتے ہیں!۔

خیر" وہ بولے" پھر کبھی ضرور آنا۔ آنے والے اتوار کو روبینہ کی سالگرہ ہے۔! ہمیں تمھارا انتظار رہے گا!۔

خالد نے دوبارہ آنے کا وعدہ کیا اور انھیں رخصتی سلام کرکے کار میں بیٹھ گیا!۔

خدا حافظ بھی نہ کہیئے گا!!" اس نے روبینہ سے کہا۔ وہ شرما گئی۔ خدا حافظ!۔" اس نے کہا۔ سید صاحب ہنس پڑے!۔

○

رات میں منعقد ہونے والے جشن اور میلاد کا انتظام صبح ہی سے شروع ہو گیا تھا۔ ہاتھ بھی چل رہے تھے۔ اور زبانیں بھی۔ وسیع وعریض دالان میں جگہ جگہ لڑکیاں بیٹھی پکوان کا سامان کر رہی تھیں۔ ایک طرف ناصرہ بیٹھی نان خطائیاں بنا رہی تھی۔ الماس گلاب جامنوں کے لئے قوام تیار کر رہی تھی۔ دوسری لڑکیاں بھی مصروف تھیں۔!

بیگم صاحبہ ننھے نواسے شاہد کو گود میں لئے بیٹھی ایک ایک کو ہدایتیں دیتی جا رہی تھیں۔

پھوپھی اماں۔ اب خالد بھیا تو جون کے تون واپس آگئے" اسمار بولی" پھر ان کے لئے کیا سوچا آپ نے۔

سوچا کیا۔ ان کی نسبت تو مدتوں سے طے ہے" ناصرہ نے جواب دیا" آسمان چچا کی بیٹی سے ہوگی۔۔۔۔!

عشرت سب سے الگ تھلگ بیٹھی تھی!۔ اس نے اپنے دل میں کیا کیا خواب بنے تھے۔ وہ بن ماں باپ کی بے سہارا لڑکی تھی جسے کرنل صاحب نے اپنے بچوں کے برابر پالا تھا!!۔ جوان ہی کو باپ اور بیگم صاحبہ کو ماں سمجھتی تھی!۔ بہت پہلے جب وہ چھوٹی سی بچی ہی تھی۔ اس نے اپنے دل میں خالد کے لئے جذبہ محسوس کی تھی!۔ لیکن وہ بے خبر اور لاپرواہ سا ایک طویل مدت کے لئے باہر چلا گیا تھا۔ پھر جب وہ واپس آیا تو عشرت کے دل کے نہاں خانوں میں بہت سے فانوس جگ مگ لو دے اٹھے۔

لیکن خالد تو جیسا بے خبر پہلے تھا۔ ویسا ہی اب بھی دکھائی دیتا تھا اپنے آپ میں گم۔ خاموش اور بے حد سنجیدہ . . . . جسے ہنسنے مسکرانے کی کبھی عادت نہ تھی!۔ وہ اس کی متانت سے ڈرتی تھی!۔ اور پھر اس نے اس کی منگنی کے چرچے سن کر اپنی موہوم آرزوئیں دل ہی دل میں دفن کر دیں!۔ لیکن وہ اپنے سوچ کو کیسے دفن کر دیتی!!۔

کام ختم کر لو۔ بیٹی۔ دن ڈھل رہا ہے!۔" اچانک بیگم صاحبہ کی آواز سن کر وہ چونک پڑی۔ وہ مضطرب تھی۔! لیکن سامنے سے طشتری گھسیٹ کر بادام اور پستے کی ہوائیاں کاٹنے لگی۔

میں خالد سے بڑی عاجز ہوں!" بیگم صاحبہ نے اپنے آپ سے کہا: "ایک طرف باپ کا حکم چلتا ہے۔ دوسری طرف خالد کی نئی نئی دلچسپیاں ہیں۔ دونوں کے بیچ بات برابر کرتے کرتے میں تو اپنی جان سے جاتی ہوں!۔

بس خالہ اماں جلدی سے شادی کر دیجئے۔" رخسانہ نے ہنستے ہوئے کہا: "آپی آپ یہ سیر سپاٹے چھوٹ جائیں گے!۔

سہ پہر تک کوٹھی میں تھوڑے بہت مہمان آگئے۔! رات کے کھانے کے بعد میلاد ہوا۔ عشرت نے اوپر جاکر باہر روشندان سے جھانکا!۔ اپنے دو ایک دوستوں میں گھیرا خالد بھی بیٹھا تھا۔ اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ بکھر گئی!۔

گہری سرمئی شیروانی۔ سفید پاجامے میں ملبوس!!۔ متانت و سنجیدگی کا پیکر۔ اس کا سرخ و سفید حسین چہرہ تیز روشنی میں چمک رہا تھا!۔

عشرت اسے تکتی کی تکتی رہ گئی۔ پھر وہ نیچے اتر آئی اور ننھے دیوں میں تیل ڈال کر انھیں روشن کرنے لگی!۔ دم بھر میں اس نے ساری کوٹھی میں چراغاں کر دیا!۔ اور بڑے آسودہ انداز میں مسکرائی!۔

خالد کے لئے یہ محفل ایک نئی چیز تھی۔ اس کے فن سے بالکل مختلف اسے پتہ چلا وہ ابھی تک اس احساس سے بے گانہ تھا۔ اب اس کے رگ و پے میں اسلامی محبت کا نشہ دوڑ رہا تھا!۔ پھر اسے یہ بھی یاد آیا۔ کہ اپنی تعلیمی اور فنی مصروفیات میں اس نے خدا کو بہت کم یاد کیا ہے! نمازیں بھی بس یونہی خاص تہواروں پر ہو جاتی تھیں!۔

لیکن خدا اسے برابر نوازتا چلا گیا!۔

وہ واعظ کی خوش تقریری سے بہت متاثر تھا۔ سر جھکائے بیٹھا تھا۔ اور ایک ایک حرف شیر و شکر کے شیریں گھونٹوں کی طرح اس کے کانوں کی راہ دل میں اترا جا رہا تھا!۔

پھر میلاد ختم ہوا۔ اور سامعین دیر تک درود و سلام پڑھتے رہے!۔

اب کچھ آپ بھی سنا دیجئے۔ خالد صاحب!" اچانک اس کے ایک شناسا نے فرمائش کی: "یقیناً آپ کو اس سلسلہ میں بھی کمال حاصل

ہوگا۔"

فرمائش اتنی غیر متوقع اور اچانک طور پر ہوئی کہ وہ گھبرا گیا۔ سب لوگ اس کی طرف دیکھنے لگے تھے۔ لیکن یہاں نہ ساز کا سوال تھا نہ چیئرز کا نہ تالیوں کا۔ یہ تو خراجِ اشک وعقیدت تھا۔ دنیا کے نجات دہندہ کی شان میں!

کرنل صاحب کی نگاہوں کی گرمی سے متاثر ہو کر وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ سب ہی اٹھ کھڑے ہوئے۔ بڑے سوز والحان سے اس نے پہلے سورۂ رحمٰن کی قرأت کی اور پھر ایک سلام پڑھنے لگا۔ وہ سر جھکائے ہوئے تھا! سب کے سر جھکے ہوئے تھے۔ اور درو دیوار تک اس کی دلکش وسحر آفریں آواز میں آواز ملا رہے تھے۔

کرنل صاحب نے پہلی بار اس کی آواز سنی تھی۔ وہ مبہوت وششدر رہ گئے! اس کی موسیقی سے دلچسپی کو انھوں نے کبھی اچھی نظروں سے نہیں دیکھا تھا۔ لیکن اب فرطِ طرب ومحبت سے ان کا دل بھر آیا۔ یقیناً ان کے بیٹے نے اپنا وقت بیکار نہیں گنوایا۔ نشیلی۔ گونجیلی۔ بھاری اور دلکش آواز۔ جو اس کا سب سے بڑا سرمایہ سب سے بڑا فن تھا۔ وہ اس کی آواز میں ڈوب گئے!

رات گئے۔ کوٹھی میں سناٹا ہو گیا۔ وہ اندر آیا اور جگہ جگہ دیے جلتے دیکھ کر مسکرا کر جہاں کا تہاں کھڑا رہ گیا۔!!

چراغاں۔ ؟!۔ جدھر نظریں جاتیں۔ ننھے ننھے دیپ مسکرا رہے تھے!۔

پھر اس نے عشرت کی شرمیلی شکل دیکھی۔ اور آگے بڑھ آیا۔

شکریہ!۔

شکریہ!!" عشرت نے اپنے دھڑکتے دل کو تھام لیا۔ "کس بات کا؟! تمھیں میرے آنے سے اس قدر خوشی ہوئی۔"

اس کا پتہ آپ کو اب چلا؟!۔" عشرت نے کہا۔ اور وہ خاموش ہو گیا!۔

کمرے میں ناصیہ اور ننھا اس کے منتظر ملے!۔ عشرت بھی آگئی تھی! پھر آپا کے کچھ بولنے سے پہلے ہی وہ بول پڑی۔

خالد بھیا۔ ایک اچھی سی خوش خبری سناؤں آپ کو!"

اچھی سی خوش خبری!" خالد مسکرایا۔ "بیوقوف کہیں کی۔ کیا بری سی خوش خبریاں بھی ہوتی ہیں؟۔

اچھا۔ اب آپ زبان نہ پکڑیئے!" وہ جھینپ گئی۔

کچھ دیجیئے تو سنائیں ہم...؟" وہ پھر بولی۔

اور اگر میں کوئی خوش خبری سننا نہ چاہوں تو؟" اس کے اس طرح کہنے سے عشرت پر اوس پڑ گئی۔ یقیناً وہ اسے بہت بدلا ہوا دیکھ رہی تھی!.... اس کے تصورات سے کہیں زیادہ مختلف۔ جو پہلے کی طرح شوخ و شریر اور کھلنڈرانہ تھا۔ اب سنجیدہ اور بُردبار مرد بن چکا تھا!۔ پھر اسے اس کے قرُب پر شرم سی آنے لگی!!۔

خیر۔ آپ اپنی خوش خبری سنا ہی دیجیئے!۔" اس نے کہا اور آپا کو دیکھ کر مُسکرایا۔ "تم کل کہاں سیر سپاٹے کرتے پھر رہے تھے؟" ناصیہ نے ناگواری کے لہجے میں کہا: "تمھارا کوئی حساب بھی ہے؟۔

اللہ۔ اللہ۔ اتنی پابندیاں؟۔

آج اللہ میاں یاد آرہے ہیں مگر جب پاؤں میں بیڑیاں پڑیں گی تب خدا بھی بھول جائے گا ۔ آج اسی کی باتیں ہو رہی تھیں ۔ آسمان چچا آپ کو دیکھ گئے ہیں ۔ بے حد پسند کیا انھوں نے آپ کو ۔!

کیا بک رہی ہو ؟ ۔ میں نہ آسمان چچا کو جانتا ہوں نہ زمین چچا کو ۔ اور یہ بیڑیاں کیسی ؟ ‘‘ اس نے للکارا ۔

جی . آپ کے خسر ۔ اور بیڑیاں پھولوں کی ۔ سمجھے جناب ۔ بہت آپ صحرا نوردی کر چکے ۔ اب گھرداری بھی کیجئے ! ‘‘ عشرت ہنس دی ! ۔

کیا یہ سچ ہے ۔ آپا جی ؟ ‘‘ وہ ناھیہ کی طرف مڑا ۔ عشرت کھسک گئی ۔

سچ ہی سمجھو ! ‘‘ ناھیہ نے کہا ’’ تمھاری رائے لینا تھی ۔

میں تو یہ سمجھا تھا ۔ عشرت بکواس کر رہی ہے ! ۔

بکواس نہیں ۔ حقیقت ہے ! ‘‘ آپا میں کرنل صاحب کی سخت گیری خاصی آگئی تھی ۔ ’’ میں بھی یہی پوچھنے کے لئے آئی تھی ! ۔ ارادہ ہو رہا ہے کہ نواب صاحب کی بیٹی ناہید کو مانگ لیا جائے ! ۔

مانگ لیجئے ! ۔ ‘‘ اس نے سادگی سے کہا ۔

سچ ؟ ‘‘ آپا اچھل پڑیں ’’ تم راضی ہو ۔ اس پر ۔

میں ۔ بھلا کیوں ؟ ۔ لڑکی کیا میرے لئے مانگی جا رہی ہے ؟ ۔

نہیں ۔ میرے لئے ! ‘‘ آپا نے دانت پیستے ہوئے کہا ’’ مذاق مت کرو مجھے ایک جواب دو ۔ ڈیڈی نے تمھاری مرضی معلوم کرنے کے لئے کہا تھا ! ۔ کیا کہوں ان سے ؟

یہی کہ معاملہ میری مرضی پر چھوڑ دیں ! ۔

کیا ؟ ‘‘ آپا نے حیرت سے کہا ’’ ڈیڈی کے سامنے تمھاری مرضی چلے گی ؟ !

وہ سنجیدگی سے جواب چاہتے ہیں۔

بڑی سنجیدگی سے جواب دیا جائے گا!"

ڈیڈی یہ سب کچھ سن کر جھلا گئے۔!

میں نے آپ سے کہا تھا۔ پہلے اس کی مرضی معلوم کر لیجئے۔ آپ نے میرے مشورے پر عمل نہیں کیا۔! ممی بولیں۔

لیکن اب تو نواب صاحب کو زبان دے چکا" کرنل صاحب نے غصیلے لہجے میں کہا "اور وہ واپس نہیں لوں گا!۔ دس سال سے برابر اپنے وعدے کا اعادہ کرتا چلا آرہا ہوں!۔ کیا ایکدم سے انکار کردوں؟ اس نالائق نے تو صاف جواب دے دیا!!

کسی طرح راضی نہیں ہوئے؟" ناصیہ نے کہا۔ وہ ہفتہ دو ہفتہ بعد اپنے گھر جارہی تھی۔ چاہتی تھی کہ اس کے سامنے ہی شادی کی بات پکی ہو جائے! اسے مدتوں سے اپنے بھائی کی شادی کا ارمان تھا۔ ناہید کو وہ بھی پسند کرتی تھی!۔

ایک دفعہ اور پوچھ لوں گی۔" ناصیہ نے کہا "آخر ان کے انکار کی وجہ کیا ہے؟!۔

دوسرے تیسرے روز پھر یہی تذکرہ چھڑ گیا۔

وہ بیٹھا کچھ لکھ رہا تھا۔ آپا کو دیکھ کر قلم ہاتھ سے رکھ دیا اور مسکرا کر تقدیم کی!۔

بھئی۔ آپا جی۔ میں سوچ رہا ہوں کہ کچھ دنوں کے لئے پھر باہر چلا جاؤں!۔ یہاں جی نہیں لگتا۔

سنو خالد ___ آپا اس کے پاس بیٹھتی ہوئی بولیں ___"

اپنی مرضی تم بہت چلا چکے۔ اب تمھیں چاہیئے کہ ماں باپ کی مرضی پر سر جھکا دو۔"

وہ خاموش قلم کا کور کھولتا بند کرتا رہا۔
کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ تمھارے انکار کی وجہ کیا ہے؟۔
میں ابھی اس سلسلے میں کچھ کہہ نہ سکتا!۔
کیا تم نے ناہید کو کبھی دیکھا ہے؟۔
جی نہیں! بھلا میں کیسے دیکھتا!۔
تصویر دیکھو گے؟!۔

جی نہیں!" اس نے سنجیدگی سے سر ہلا دیا۔ اور کیس سے سگریٹ نکال کر لبوں میں داب لی!۔

آخر کیوں؟!" ان کے لہجے میں حیرت تھی۔"
شادی کرنی ہو تو دیکھوں بھی۔ خواہ مخواہ کسی پردہ نشین لڑکی کو بے حجاب کرنے سے کیا فائدہ؟!"

ہاں ہاں۔ تم بڑے پارسا ہو نا!" آپا جل گئیں۔" دس برس تک بے پردہ چھوکریوں کو دیکھتے رہے ہو۔۔؟ شاید اسی لئے ایک معصوم پردہ نشین اور مشرقی لڑکی تمھارے معیار پر پوری نہیں اتر رہی ہے۔۔!"

آپ کا یہ خیال صحیح نہیں ہے!" خالد نے سنجیدگی سے جواب دیا" میری نظروں میں پردے کی بہت اہمیت ہے!۔ مجھے مشرقی پردہ نشین اور شرمیلی لڑکی ہی اچھی لگتی ہے!۔ لیکن میں کیا کروں۔ ابھی میں نہیں چاہتا کہ میری شادی کی بات چیت ہو؟!۔

پھر میں ڈیڈی کو کیا جواب دوں ؟!۔

صاف انکار ۔ خالد نے اٹھتے ہوئے کہا ۔ اگر آپ نہ کہہ سکتی ہوں تو میں کہدوں!۔

تم ہی کہدو ۔ آپا نے بے حد طیش کے عالم میں کہا ۔ مجھے پہلے ہی پتہ تھا ۔ وہ شرافت اور سعادت مندی سب مغرب ہی میں دفن ہو چکی!۔

جب تک وہ پلٹ کر کچھ کہہ سکتا! وہ چلی گئیں!۔

اسی وقت دوسرے دروازے سے الماس اندر آئی!۔

بھائی جان ۔ رات کو مہابھارت ٹھنے گی!۔ ابھی سے کمر کس لیجئے!۔

مہابھارت ؟ وہ چونک پڑا ۔ مگر الماس اتنا ہی کہکر بھاگ گئی تھی!!۔ وہ کسی سوچ میں ڈوب گیا!۔

ایک موہوم سی امید پر اتنا بھرم ؟!۔ دیکھا جائے گا ... اپنی حسین اور نئی نویلی آرزو کی وہ کسی صورت قربانی نہیں دے گا ۔ ؟ جب اسنے اپنے وطن کی سرزمین پر قدم رکھا تھا ۔ بے حد سیدھا سادا ۔ اور ہر قسم کے جذبات واحساسات سے معرّی تھا! لیکن اب ۔ آرزوؤں کے ساتھ ساتھ بے انتہا فکریں بھی سر اٹھا رہی تھیں ۔ ؟ کہیں یہ سب کچھ سراب تو نہیں ثابت ہوگا ؟ اس کا دل دھڑک اٹھا ۔ وہ سوچتا رہا ۔ اور دھواں اگلتا رہا ۔

○
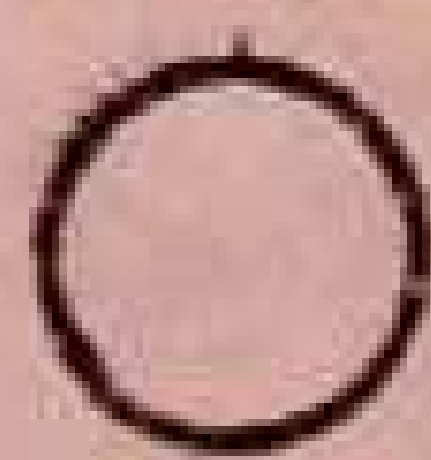
روبینہ کی سالگرہ کے دن جنگل میں منگل ہو گیا تھا ۔! اس کی ان گنت سہیلیاں شہر سے معہ تحفے تحائف کے اُمڈ پڑی تھیں ۔ چند ایک

دوست بھی تھے۔ سید صاحب نے آج کے دن انھیں کھلی آزادی دے دی تھی۔ وہ یوں بھی نہایت ہی مخلص اور شفیق بزرگ تھے۔ اور پھر ان کی محبت روبینہ تک ہی محدود ہو کر رہ گئی تھی۔ وہ بہت چھوٹی سی تھی جب اس کی ماں کا انتقال ہو گیا تھا۔ سیّد صاحب ہی نے تین برس کی ننھی سی بچی کو ماں بن کر پالا۔ اس کے سارے دکھ سکھ ان کے اپنے تھے۔ اس کی ہر خوشی میں وہ دل کھول کر حصہ لیتے۔ اور پھر یہ تو اس کی سالگرہ ہی تھی؛

وہ اپنے کمرے میں لیٹے کچھ پڑھ رہے تھے۔ ان کے ہونٹوں پر آسودہ سی مسکراہٹ تھی۔ اور کان باہر کی سریلی کھنکتی آوازوں پر لگے ہوئے تھے!۔۔۔ اور روبینہ کے لئے ان کے دل سے آتشبازی کے انار کی طرح رنگ برنگی دعائیں پھوٹ رہی تھیں!!۔

اللہ کرے۔ اسی طرح میری روبی دلہن بنے!۔

روبینہ بے حد خوش تھی!۔ سالگرہ کی وجہ سے نہیں۔ اس کی خوشی کا سبب کچھ اور ہی تھا۔ جو وہ خود کو بھی سمجھا نہ سکی!۔ اتنی بے پناہ مسرور کیوں تھی؟!۔

رہ رہ کر وہ بالکونی سے جھانکتی!۔ جہاں سے اور سب کاریں آتی دکھائی دے رہی تھیں۔ لیکن کرنل صاحب کی شاندار رولس رائیس کا کہیں پتہ نہ تھا!۔

یک بیک اس کے پھولوں جیسے چہرے کا رنگ اڑنے لگا۔ کیا خبر۔ وہ بھول گئے ہوں۔! کوئی خاص طور پر دعوت تو نہیں دی تھی! محض سرسری طور پر کہدیا تھا!

ابھی ابھی چہرے پر پھلجھڑیاں چھوٹ رہی تھیں!۔ ابھی ابھی کیا ہو گیا؛

یوں منہ سکھا کر بیٹھ رہیں ؟!۔" ناز نے کہا۔

ہاں!۔روبینہ۔یک بیک اتنی اداس کیوں ہوگئیں!!۔" نیلم بولی۔

کچھ نہیں۔سر میں درد ہے!۔"روبینہ نے بات ٹال دی۔

اور پھر شام کا اندھیرا کھیتوں میں اتر آیا۔کوٹھی برقی قمقموں سے جگمگا اٹھی۔روبینہ نے بڑے بجھے دل سے اپنا سالگرہ والا لباس پہنا اور سہیلیوں کے نرغے میں بڑی میز کے پاس آکر کھڑی ہوگئی!۔جس پر ایک بڑے سے کیک پر اکیس موم بتیاں جل رہی تھیں!!۔

شور و غل۔قہقہے۔ہاہاہا۔چہچہے۔تالیاں۔۔۔۔!روبینہ نے کانوں پر ہاتھ رکھ لئے!!۔پھر وہ جلدی سے موم بتی کو بجھانے جھکی ہی تھی کہ ٹھٹھک گئی اور اس کا دل بے اختیار اچھل کر حلق میں آگیا!

اس کا نیا مہمان سامنے ہی کھڑا تھا۔سلیٹی رنگ کے قیمتی سوٹ میں ملبوس! اس کے ہونٹوں پر بہت دلچسپ مسکراہٹ طاری تھی!۔اور ہاتھوں میں تحفوں کے کچھ پیکٹ تھے!!۔

وہ سب روبینہ کی متابعت میں ادھر ہی دیکھنے لگے!۔

خالد۔۔۔!"مسعود نے نعرہ مارا۔اور یکبارگی اس سے لپٹ گیا:" تم یہاں کیسے میرے دوست ؟!۔میں اپنوں کو کبھی نہیں بھولتا ؟۔ خالد نے کہا۔پھر وہ باری باری ان سبھوں سے ملا۔جن سے اس کی بہت دیرینہ ملاقاتیں تھیں۔مسعود، نوید، پرویز، نیلم، کلارا اور بہت سے دوسرے۔۔۔!

ان کا جوش و خروش اور بڑھ گیا!۔

روبینہ کھل گئی۔اس کا حسن دمک اٹھا۔آنکھوں میں کسی انجانے نشے کا خمار انگڑائیاں لینے لگا!۔

آپ نے بڑی دیر لگا دی!" اس نے شکوہ کر ہی دیا!۔

مغربی ہیں جناب . . . . وقت کے پابند . . . ! نوید نے کہا۔" ہماری طرح تھوڑی کہ وقت بے وقت منھ اٹھایا اور چل کھڑے ہوئے!

آج میں پھر راستہ بھول گیا تھا۔" خالد کے اس طرح کہنے پر سب نے قہقہہ لگایا۔

راستہ بھول کر ادھر آنکلے۔ ورنہ شاید نہ آتے۔" مسعود ہنس رہا تھا۔!"

کلا نے توجہ دلائی۔ اور روبینہ نے اپنی رسم پوری کی . . . مبارکباد کے شور میں نہائی شرمائی سی وہ جہاں کی تہاں کھڑی رہ گئی!۔

اس کے مہمان اپنے اپنے تحفے لمبی سی آبنوسی میز پر رکھ رہے تھے!۔ اس نے بھی رکھ دیئے!"

مسعود نے گنگنا کر شعر عرض کیا۔

تم سلامت رہو ہزار برس

ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار

"ہاں!" خالد مسکرایا۔" میں بھی یہی دعا دیتا ہوں!

Happy returns of the days to you.

All happiness be yours.

Health wealth love and fortune too.

Sorrow ne'er darken you doors.

آمین۔ آمین . . . . وہ تالیاں بجیں۔ وہ غل برپا ہوا کہ کان پڑی آواز سنائی نہ دی!۔ بڑی مشکل سے روبینہ سب کو کھانے کے کمرے تک

لے جا سکی!۔

بوفے ڈنر کا بڑا سلیقے سے انتظام کیا گیا تھا!۔ ان لوگوں نے کھایا پیا کم۔ باتیں زیادہ کیں۔ روبینہ بار بار سب کو متوجہ کر رہی تھی۔ لیکن کب تک کرتی۔ تھک ہار کر اس نے انھیں ان کے حال پر چھوڑا اور اپنی پلیٹ سنبھال کر الگ جا کھڑی ہوئی!۔

خالد صاحب کے سوز و ساز کے بغیر آج کی محفل ادھوری رہ جائے گی!۔"

گلار بولی "ہمیں تو بے حد خوشی اور فخر ہے کہ آج ہم نے اتنے ماہر اور اتنے بڑے فنکار کا نیاز حاصل کیا!۔

ہاں ہاں۔ خالد کچھ سناؤ یار۔۔!۔" نویر نے بھی فرمائش کی۔

خالد صاحب آپ کو مشرق اچھا لگا کہ مغرب؟" کسی اور نے پوچھ لیا۔

مشرق!"۔ خالد نے کہا "یہ میرا وطن ہے!۔

سارا مشرق؟" سیمیں نے حیرت سے آنکھیں پھاڑ دیں۔"

جی؟" سب کو اس کی حیرت پر ہنسی آگئی۔

آپ تو اتنے دن باہر رہے۔ مگر۔ میرا مطلب ہے۔ اکیلے اکیلے کیسے چلے "جبیں نے پوچھ لیا" کسی کو ساتھ نہیں لائے آپ۔۔۔"

کمال کرتی ہیں آپ بھی۔۔۔"خالد کو ہنسی آگئی "کیا میرے ساتھ کوئی گیا تھا جو واپس آتا۔ آپ نے وہاں کی خواتین کو کن نگاہوں سے دیکھا!" پھر کسی نے پوچھ لیا۔

کیا آپ حضرات میرا انٹرویو لے رہے ہیں!" اس نے ہنستے ہوئے پوچھا:

نہیں ۔ بتائیے نا ۔ ۔ ۔ آپ روبینہ کے دوست ہیں ۔ ہمارے بھی ہیں !" ناز چہکی ۔

اس سلسلے میں میری دو تین نگاہیں ہیں جناب !" وہ مسکرایا" ایک وہ نگاہ جو کسی خاتون کو ماں کی صورت میں دیکھتی ہے ۔ دوسری وہ جو بہن کے طویل پیار کی شکل میں کسی پر پڑتی ہے ۔ اور تیسری نگاہ ۔ جو بحیثیت کسی دوست کے کسی لڑکی پر پڑتی ہے ۔ وہ ابھی محفوظ ہے !! ۔

سب نے پھر قہقہہ لگایا ۔

آپ اپنی پہلی دو نگاہوں کا استعمال کیجئے تو بہتر ہے !" جبیں نے سوال کیا تھا وہ جھینپ گئی ۔

اس صورت میں میری بدقسمتی مسلّم ہو جائے گی !" سب کے ساتھ اس نے بھی قہقہہ لگایا ۔ اچھا ۔ اب کچھ سنا بھی دیجئے" سیمیں بولی : مجھے حیرت ہوتی ہے ۔ تمام ساز جو آپ بجا سکتے ہیں ۔ آپ نے کیسے سیکھ لئے ؟!

یہ سب پھر پوچھ لینافی الحال کوئی حسین سا نغمہ !" مسعود نے کہا ۔ خاموشی چھا گئی ۔ کون سا نغمہ ؟ یہاں کا یا وہاں کا ۔ !" خالد نے پوچھا ۔

دونوں ؟! ۔۔۔ اچانک روبینہ بول پڑی ۔

سب پھر بڑے کمرے میں واپس آ کر بیٹھ چکے تھے ۔ تنہا خالد درمیانی میز سے ٹیک لگائے کھڑا تھا ! ۔ اس کے چہرے پر عجیب سا حسن بے پناہ دلکشی تھی !! ۔ وہ کوئی مغربی نغمہ گا رہا تھا ! ۔ جسے بہتوں نے سمجھا ۔ بہتیرے سمجھ بھی نہ سکے ! ۔ لیکن سنگیت کی آواز ۔ اور آواز کا سحر ۔ ! وہ سب گم ہو گئے تھے ! ۔ پھر اس نے ایک مشرقی رسیلا نغمہ سنایا ۔ سبھی پر وجد کا سا

عالم طاری تھا! بے پناہ سوز اور بے پناہ تاثیر... دل کھنچنے گئے تھے!
روحیں تک مسرور ہو گئی تھیں!۔
بار بار روبینہ کی نگاہیں ان گہری گہری آنکھوں سے ٹکراتیں اور
بار بار وہ سر جھکا لیتی ——! آج تک کسی نے اسے یوں نہیں دیکھا تھا!
بادۂ محبت سے سرشار آنکھیں۔ جن میں کوئی سیدھا سادا پیغام تھا۔
جو روبینہ کے دل میں اتر گیا تھا!!۔
پھر سوز کا جادو ٹوٹا۔ اور اس کی بھاری آواز کی گونج مدھم ہوتی
ہوئی معدوم ہو گئی! ۔سب نے اسے مبارکباد اور چیرز کے شور میں
نہلا دیا!"
رات کے گہرے سناٹے میں وہ رخصت ہونے کے لئے اٹھا۔
روبینہ اسے پہنچانے گیٹ تک آئی!!۔
آج کا دن آپ نے سنوار دیا" روبینہ کا پر جوش شکریہ پھر بھی نامکمل
ہی رہ گیا۔ وہ بہت کچھ کہنا چاہ رہی تھی۔ الفاظ کے ہجوم میں اس کی
زبان بند ہو گئی۔!
محترمہ روبینہ" خالد نے بڑی آہستگی سے کہا۔
میں تیری باتیں ہی کر رہا ہوں دماغ میرا ہے بات تیری
میں تیری محفل سنوارتا ہوں چراغ میرا ہے رات تیری
اچھا؟" وہ شرما کر مسکرائی" پھر کب آئیے گا"
جلد ہی ملنے کی کوشش کروں گا!۔
پھر جب تک اندھیرے میں اس کی کار کی عقبی سرخ روشنی دکھائی
دیتی رہی وہ گیٹ پر کھڑی دیکھتی رہی۔

اس کا انگ انگ جھوم رہا تھا۔ کسی انجانے نشے میں بدمست اندیشۂ امروز و فکرِ فردا سے بے نیاز۔ کہاں اور کیسے دن گزرتے چلے جاتے۔ اسے پتہ بھی نہ چلتا۔! وہ تمام اداسیاں اور تنہائیاں جن کے ساتھ وہ رہتے رہتے وہ اکتا چکا تھا۔ اب کھو گئی تھیں!۔

گھر کی وہ بیکار باتیں۔ غیر دلچسپ تذکرے۔ جن سے اسے وحشت ہوتی تھی۔ ان کی پرواہ بھی نہ رہ گئی تھی۔ وہ تو اپنی مرضی کا مالک تھا!۔ جب اس سے رائے معلوم کی جاتی ہے تو وہ اپنی رائے ہی دے گا!۔ اپنی خوشی اور مسرت کو وہ ایک نامعلوم ہستی کی خوشی پر قربان نہیں کرے گا۔

یونیورسٹی سے واپسی پر وہ چار چار زینے پھلانگتا اوپر پہونچا۔ سامنے ہی کرنل صاحب سگار لبوں میں دابے ٹہل رہے تھے۔ غصے کے مارے وہ سگار پی نہیں رہے تھے۔ چبا رہے تھے!۔

وہ دبے قدموں سے اپنے کمرے میں پہونچ گیا۔ ساری امنگیں آن کی آن میں مٹی ہو گئی تھیں۔ اسے پھر یہ محسوس ہونے لگا۔ وہ کسی غار میں گرا جا رہا ہے جہاں زندگی کے اُجالے کی ایک کرن بھی نہیں ہے۔ کوئی آس نہیں۔ کوئی امید نہیں —!"

ابھی وہ رات کا لباس بھی بدلنے نہ پایا تھا کہ رات کے کھانے کا گھنٹہ بج گیا!۔

کھانے کی میز پر عموماً کرنل صاحب کی موجودگی میں خاموشی چھائی رہتی تھی!۔

اور اس وقت اپنی نشست علین ان کے سامنے دیکھ کر وہ خاموشی سے ممی کے پہلو میں سرک گیا!۔

پھر اچانک کرنل صاحب نے پوچھ لیا۔

خالد۔ صبح سے اب تک کہاں رہے ؟!۔

جی! دس بجے سے پانچ بجے تک یونیورسٹی میں رہا۔ پھر نوید اور مسعود وغیرہ پکڑ لے گئے۔ ان سے ملنے ملانے میں دیر ہو گئی۔!

کوئی خاص فائدہ ہوا ان سے مل کر۔؟

وہ خاموش ہو گیا!۔

تم نے اپنا یہی دستور بنا رکھا ہے!۔ اس کا تدارک ہونا چاہیئے!۔

پھر وہی حکومت۔ سختی۔ آخر وہ اسے کوئی ننھا سا بچہ سمجھتے ہیں۔ وہ کوئی لفنگا ہے۔ بدمعاش ہے۔ اس پر اعتبار نہیں ہے۔ یہ آخر مصیبت کیا ہے وہ دل ہی دل میں جھنجھلا گیا۔ کبھی اس نے کرنل صاحب سے کسی قسم کی کوئی گستاخی نہیں کی تھی۔ کبھی بے ادبی سے پیش نہیں آیا تھا۔ بلکہ وہ حتی الامکان ان سے نگاہیں ملا کر بات بھی نہیں کرتا تھا!۔

مگر اتنی بھی سخت گیری۔!

اور تم نے میری بات کا جواب بھی نہیں دیا!" وہ پھر بولے۔

اللہ رحم کرے!" وہ زیر لب بڑبڑایا۔

قطعی اور آخری جواب۔ خالد۔ تم سن رہے ہو؟۔

"جی"

مجھے تمھاری سعادت مندی پر پورا بھروسہ ہے۔ میں نے نواب صاحب کو جواب دے دیا ہے۔ میں تمھیں یہ بھی بتا دوں کہ یہ رشتہ غالباً دس سال

پرانا ہے۔ جسے میں کسی قیمت پر توڑنا نہیں چاہتا۔ مجھے توقع ہے کہ تم میری مرضی کا احترام کروگے!!"

یہ کہہ کر وہ نیپکین اور فورک میز پر ڈالتے ہوئے اٹھ گئے۔!

وہ بمشکل ایک روٹی کھا سکا تھا۔ یونہی اٹھ گیا۔ واش اسٹینڈ پر الماس نے اسے دیکھا۔ اور اس کا دل دکھ گیا۔

بھائی جان۔ آپ نے تو کچھ بھی نہیں کھایا!۔

یہی بہت ہے!" اس نے کہا اور جلدی جلدی ہاتھ دھو کر باہر جانے لگا۔"

آپ سب کو بڑے سرکار نے اپنے کمرے میں طلب کیا ہے!" ملازم نے آ کر کہا:

ابھی کچھ اور باقی ہے!" خالد نے کہا اور باہر نکل گیا۔

بڑے کمرے میں سبھی تھے!۔ ممی بڑی ناگواری سے کرنل صاحب کو تک رہی تھیں!۔ انھیں بھی ان کا یہ جبر پسند نہ تھا!۔ انھیں ڈر تھا۔ کہ کہیں باپ کی ضد بیٹے کو گستاخ نہ بنادے!۔ مگر وہ چپ چاپ بیٹھی رہیں!

چچا جان۔ خالد کو آپ کی رائے سے اختلاف تو نہیں ہوگا" فیروز نے ان کے تیور دیکھ کر سوچا۔ پہلے ہی بات برابر کردیں!۔

خالد کے منھ میں زبان نہیں ہے!" کرنل صاحب کا یہ لہجہ ان سب کو بہت ناگوار ہوا۔ خالد نے حیرت سے سر اٹھا کر اپنے جابر و سنگدل باپ کو دیکھا اور انھیں اپنی ہی طرف دیکھتا پا کر پھر سر جھکا لیا۔

ڈیڈی —" بالآخر اس نے کہا" اتنی جلدی کس بات کی ہے؟!—"

جلدی ؟" وہ تمسخرانہ لہجے میں بولے "کیا تم میری موت کے منتظر ہو
خدا نہ کرے!" وہ بڑبڑایا۔
"تم اسی لئے بھاگ کر فارن چلے گئے۔ تم نے کئی ایک رشتوں کو ٹھکرا
دیا۔ اب میں زیادہ دیر کا انتظار مناسب نہیں سمجھتا۔ دس سال تم نے ملکوں
ملکوں کی خاک چھاننے میں برباد کر دیئے۔ کیا ملا۔ کیا پایا ؟!"
"ڈیڈی ۔!" اس نے کچھ بولنا چاہا۔ لیکن کرنل صاحب نے اس کی
بات کاٹ دی "بس اب ایک جواب۔ انکار یا اقرار۔ لیکن اتنا کہدوں
انکار کی صورت میں تم میرے سارے ترکے سے محروم ہو گے۔ تمھیں ابھی اور
اسی وقت گھر چھوڑنا پڑے گا!۔
"ڈیڈی ۔!" خالد کے لب حیرت سے کھل گئے۔
"اور اقرار کی صورت میں سب کچھ تمھارا ہے!۔" انھوں نے کہا۔
"یہ اتنے پتھر ہیں ؟" ممی بے حد شرمندہ تھیں۔
"کلب اور موسیقی نے تمھیں برباد کر رکھا ہے۔ دوستوں کی ہوحق نے
پاگل بنا ڈالا ہے" وہ برابر گرجتے چلے گئے "یاد رکھو۔ تم بالکل تباہ ہو جاؤ
گے۔ میں اپنے گھر کی ایسی تباہی نہیں دیکھ سکتا۔ میں جبر کر لوں گا۔ تم
جانو تمھارا کام۔
خالد۔ کیا تم گا بجا کر کماؤ گے۔ بیٹا۔ فن کو روزی کا ذریعہ نہ
بناؤ۔ جب فن بک جائے تو وہ فن نہیں رہتا۔ پیشہ بن جاتا ہے!۔ کیا یہ
تمھیں پسند ہے۔ لوگ تمھیں فنکار کے بجائے پیشہ ور کہیں ؟۔ سوچو خالد
تم اتنی بڑی بڑی ڈگریاں رکھتے ہو۔ ڈپلومے ہولڈر ہو۔ پھر ان سب کا
صحیح مصرف کیا ہے ؟!۔

میں نے آج تک تم سے کوئی مطالبہ نہیں کیا۔ لیکن تمہارے محاسبہ کا حق تو مجھے حاصل ہے۔ میرے نام سے تمہارے لئے ہر ماہ ایک ایک ہزار کے ڈرافٹ کیش کئے جاتے ہیں۔ وہ کہاں جاتے ہیں؟! کیا تم نے ہم سب سے چھپا کر شادی کر لی ہے؟۔ اس کے لئے بے جاتے ہو؟ اگر واقعی ایسا ہے تو میں ناراض نہیں ہوں۔ اپنے بیوی بچوں کو یہاں لاؤ۔ میں ان کا خیر مقدم کروں گا؟!"

وہ کیسے کہہ دیتا کہ ابھی ابھی چند دن قبل ہی اپنی محبوب اور پیاری دوست روبینہ کی سالگرہ پر ہی اسے اپنی حیثیت کے موافق کم و بیش پانچ ہزار کے زیور تحفے میں پیش کرنے پڑے تھے!! مرصع گلوبند حسین کنگن۔ اور ہیرے کی انگشتری۔۔۔ وہ حسین یادوں میں کھو گیا!۔

اس کی کیا ضرورت تھی؟!۔۔۔ شرمیلی آواز۔ "آپ آ گئے میرے لئے یہی بہت ہے۔ میں مشرقی روایات سے ناآشنا ہوں۔ روبینہ۔ لیکن یورپ میں یہی رسم عام ہے!" وہ بولا تھا۔

آپ بھول گئے۔ یہ یورپ نہیں ہندوستان ہے!۔" وہ ہنسی۔ اور رخساروں میں گہرے گہرے گڑھے پڑ گئے تھے!۔

خالد۔؟" وہ گرج۔۔۔ جیسے وہ خواب کی دنیا سے سنگلاخ چٹانوں پر پھینک دیا گیا۔

"جی؟۔" اس نے پیشانی سے پسینہ پونچھتے ہوئے کہا: "آپ کیا پوچھ رہے تھے ڈیڈی؟!"

میں یہ کہہ رہا تھا کہ کل سے یونیورسٹی جانے کی ضرورت نہیں ہے!" کرنل صاحب کا حال غصے کے مارے ابتر تھا: "میں نے تمہاری ملازمت کا

انتظام کر دیا ہے!۔

بس اب اللہ ہی اللہ ہے!" اسے ان کی اس ڈکٹیٹر شپ پر ہنسی آگئی۔ پھر وہ فوراً ہی سنجیدہ ہو کر بولا" بہت اچھا۔ ڈیڈی!"

اور وہ۔ تمہاری رائے۔!" گھوم پھر کر پھر وہ اسی سوال پر آگئے۔

ڈیڈی۔ مجھ میں اتنی ہمت نہیں کہ میں آپ کا کوئی حکم ٹال سکوں لیکن اسے میری گستاخی اور نافرمانی نہ سمجھئے۔ میں ابھی دو تین سال تک شادی نہیں کروں گا؟!۔

کیا میں اس کی وجہ دریافت کر سکتا ہوں؟۔

آپ پوچھ سکتے ہیں۔ لیکن میں بیان نہیں کر سکتا!۔

خیر۔ ایک بار پھر سوچ لو!۔ میں اپنے فیصلے میں ترمیم نہیں کروں گا!۔

وہ بپھرے ہوئے کمرے سے نکل گئے!۔

تمہاری عقل پر پتھر پڑ گئے ہیں!" ناصرہ بولی۔

جب آپ لوگ اپنی من مانی کرنا چاہتے ہیں تو پھر بار بار میری رائے کیوں پوچھتے ہیں؟" اسے بھی غصہ آنے لگا۔

"تم نے مہلت کیوں مانگی؟۔ سچ کہو؟۔ کہیں اور تو تم نے اپنا مطلع نظر نہیں ڈھونڈ لیا۔ فیروز نے ہنستے ہوئے پوچھا۔

ہاں! شاید کسی امریکن لڑکی پر لٹو ہو گئے ہیں۔" ناصرہ بولی" اسی لئے ہندوستان کی لڑکی اچھی نہیں لگ رہی ہے!

امریکن لڑکیوں پر میں لعنت بھیجتا ہوں!" خالد نے غضیلی آواز میں کہا" میں ان لوگوں میں سے نہیں ہوں۔ جو مشرق کی امانت مغرب کو سونپ آتے ہیں۔ لیکن۔ ہے ایک مجبوری۔!"

مجبوری۔ ؟" ناصیہ نے متحیرانہ انداز میں دوہرایا۔

جی ہاں۔ مجبوری۔ معذوری" خالد نے کہا "میں نہ اس شادی پر راضی ہوں اور نہ کبھی ہو سکتا ہوں۔ ڈیڈی سے کہدیجئے۔ مجھے نہ ان کے ترکے کی پرواہ ہے نہ ان کے گھر کی۔ یہ سب کچھ انہی کو مبارک!"

بکواس مت کرو" ناصیہ بگڑ گئی "آخر تمھارے انکار کی وجہ کیا ہے؟"

ہوگی کچھ" خالد نے اٹھتے ہوئے کہا "ڈیڈی کی پابندیاں میرے لئے ناقابلِ برداشت ہیں۔

آہستہ بولو۔ چلّا کیوں رہے ہو؟" ناصیہ سہم گئی۔

بیٹا۔ مجھ پر رحم کرو۔ کیوں تم اتنے ضدّی ہو گئے ہو" ممی نے کہا۔

جب بھائی جان کو پسند نہیں ہے تو پھر ڈیڈی کیوں زور دے رہے ہیں!" الماس بولی۔

چپ رہ۔ بھائی جان کی لاڈلی" ناصیہ نے اسے ڈانٹ دیا۔

میں خود ایسے گھر پر لعنت بھیجتا ہوں!" خالد نے کہا اور پاؤں پٹختا ہوا کمرے سے نکل گیا۔ میرے نصیب میں ایسے ہی جلّاد لکھے تھے" ممی اٹھتی ہوئی فیروز سے بولیں "بیٹا۔ تم اپنے چچا کو ٹھنڈا کرو۔ میں اس ضدی کو سمجھاؤں!"

پھر وہ ہانپتی کانپتی کمرے سے نکل گئیں۔ سب ہی چلے گئے۔ تنہا الماس ہتھیلی پر ٹھوڑی ٹیکے بیٹھی کچھ سوچتی رہ گئی!۔

وہی وقت تھا۔ وہی منظر۔ جب سورج پہاڑیوں کے پیچھے غروب ہوتا تھا!۔ اور درختوں پر سنہرا غبار چھا جاتا تھا۔ سید صاحب کا سامان ٹرکوں پر رکھا جا رہا تھا!۔ وہ شہر واپس جا رہے تھے....

روبینہ بہت اداس تھی۔ بار بار وہ برآمدے اور کمپاؤنڈ کے چکر لگاتی لیکن اس کی متلاشی نظریں ناکام و مایوس لوٹ آتیں۔ اب وہ محبت کی اس منزل میں تھی۔ جہاں سے واپسی اس کے لئے ناممکن تھی!۔ اس نے جن نگاہوں میں اپنے لئے کوئی پیغام دیکھا تھا۔ وہ اسے بھول نہ سکی!۔ سید صاحب اس کا اضطراب دیکھ رہے تھے!۔ اور پھر اسے خاموش اور اس کے چہرے پر فکر کی پرچھائیاں دیکھ کر وہ گھبرا گئے!۔

تمھیں کسی کا انتظار ہے۔ بیٹی "۔ انھوں نے پوچھا۔

روبینہ کٹ گئی "۔ جی۔ نہیں ابا جان۔ وہ تو میں۔ میں۔

شام تک ہم بھی چلے جائیں گے "۔ سید صاحب نے مسکرا کر کہا "۔ تم یہاں گھبرا گئی ہو۔ اسباب تو سب جا چکا۔!

وہ وہاں سے ہٹ گئے۔ اور روبینہ بھی اپنے کمرے میں چلی آئی۔ ہلکی سی آس جواب نراس سے بدل گئی تھی۔ موہوم سا خیال بھی نہ تھا کہ اب کوئی آئے گا!۔ پاگل پن کیا کچھ سوچ رہی تھی۔ وہ یوں بھی خیال پرست تھی خاموش اور حیب حجاب سی۔ اپنے احساسات اور جذبات کی دنیا میں گم رہنے والی۔ وہ بات کبھی اس کے ہونٹوں سے نہ نکلتی جو اس کے دل میں ہلچل مچائے رکھتی

تھی۔ نہایت شرمیلی۔ اور ساتھ ہی بے حد خوددار اور صابر۔

ٹھیک اس وقت جب وہ بالکل مایوس ہو کر جا ہی رہی تھی اسے کال بل سنائی دی۔ ساتھ ہی ملازمہ نے کمرے میں جھانک کر کہا: "کوئی صاحب آئے ہیں۔!"

کہدو۔ ابّا جان نہیں ہیں گھر پر۔!

کہدیا تھا سرکار۔ مگر وہ تو۔" ملازمہ ہچکچا گئی: "وہ تو۔ آپ سے ملنا چاہتے ہیں!"

وہ ملازمہ کے پیچھے باہر نکلی۔ اور حیرت و مسرت کے احساس سے مغلوب ہو گئی۔

زینے کے سرے پر خالد ہی تھا! اسنے وہیں سے اسے سلام کیا تھا۔

آپ ڈرائنگ روم میں کیوں نہیں چلے آئے: روبینہ نے کہا: "آئیے!!

دونوں ڈرائنگ روم میں آگئے۔

میں تو سمجھی تھی۔ آپ اِدھر کا راستہ ہی بھول گئے۔" اس نے صوفہ پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

اب تو مجھے صرف یہی راستہ یاد رہ گیا ہے:" خالد نے ہنستے ہوئے کہا: ویسے بھی میں یہ دیکھنے آگیا تھا۔ رات کے مناظر دن میں کیسے لگتے ہیں۔

تو پھر یہاں سے دیکھئے:" روبینہ نے بھولپن سے دریچے کی طرف اشارہ کیا۔"

جی! دیکھ لیا۔ بہت اچھا لگتا ہے!

یہیں سے بیٹھے بیٹھے دیکھ لیا؟

جی ہاں۔ یہیں سے۔ اونچے اونچے سرد کے درخت۔ سرخ و سفید گلاب۔

نرگس کے پھول ۔ اور کچنار کی کلیاں ۔

جی ؟" روبینہ نے بڑی حیرت سے کہا " یہ سب کہاں ہیں ؟" پھر وہ اس کے قریب آ بیٹھی اور باہر نظریں دوڑاتی ہوئی بولی " مجھے تو کچھ بھی دکھائی نہیں دیتا ۔

آپ نے میری آنکھوں سے نہیں دیکھا !" خالد نے مسکراتے ہوئے کہا ۔
یک بیک روبینہ کی پلکیں جھک گئیں ۔ اور رخساروں میں گڑھے پڑ گئے اس کے قریب برائے حجاب سا محسوس ہونے لگا ... ! اور آہستہ آہستہ اس کے چہرے پر گلال برسنے لگا ! ۔

میں آپ کے لئے چائے لاتی ہوں !" وہ بہانہ بنا کر باہر نکل گئی ....
پھر ادھر ادھر کی باتوں میں اس کا حجاب ختم ہو گیا معصوم سی دلنشیں باتیں ۔ جو وہ پہلی بار کسی مشرقی لڑکی کے لبوں سے سن رہا تھا ! جن سے اب تک وہ نا آشنا تھا ! ۔

آپ کی کمپنی بہت اچھی ہے " خالد نے کہا " ان میں چند میرے بھی دوست ہیں ! .... مجھے ذرا سی فرصت نصیب ہو تو میں سب سے ملوں گا ۔ وہ لوگ مجھے بیگانگی کے طعنے دیں گے ! ۔

وہ میری کمپنی نہیں ہے " روبینہ نے پھر شرمیلے لہجے میں کہا " یہ تو کسی خاص تقریب پر سب اکٹھا ہوتے ہیں ۔ ویسے میں کسی سے ملتی جلتی نہیں ! ۔

کیوں ؟ ۔ اس میں کیا ہرج ہے ؟ ۔
یہاں لڑکیوں کے دوست لڑکے نہیں ہوتے ؟ ۔
اس میں بری بات کیا ہے ؟" خالد اب بھی حیران تھا " ہمارے یورپ میں ـــ !"

یہ یورپ کہاں ہے!" روبینہ ہنس پڑی۔" ہمارے ہندوستان کا اخلاقی معیار بہت اونچا ہے۔ وہاں لڑکیاں غیر مردوں کے ساتھ رات رات بھر رقص کر سکتی ہیں۔ لیکن یہاں۔ ایک لڑکی کسی غیر مرد سے بات بھی کرلے تو اس پر انگلیاں اٹھنے لگتی ہیں!

اس کا مطلب یہ ہے کہ میں آپ سے نہیں مل سکتا ہ؟!

کیوں نہیں" روبینہ کے چہرے پر پھر شفق پھولنے لگی" لیکن میری نیکنامی کا خیال رکھئے گا" خالد متاثر ہو گیا۔

میں آپ کے سوا اور کسی سے نہیں ملی۔ یہ پہلی بار ہے!" وہ بے ساختہ بول پڑی اور پھر سر جھکالیا۔ خالد اسے دیکھتا ہی رہ گیا۔ اتنا اعتماد۔ اتنا بھروسہ۔ ایسی نامعلوم سی سپردگی۔!! روبینہ نے فوراً ہی موضوع بدل دیا" پرسوں نرسوں الماس ملی تھی۔ کہہ رہی تھی۔ آپ پھر فارن جا رہے ہیں۔ کیا یہ سچ ہے؟"

جی ہاں!۔ ارادہ تو تھا مگر اب نہیں ہے!۔

ہاں۔ اب کہاں جائیے گا بار بار" روبینہ بولی" دس برس تو آپ نے گھومنے پھرنے میں گزار دیئے۔ کہاں کہاں رہے اتنے دن۔!

چار سال جرمنی میں۔ دو دو سال لندن اور امریکہ میں۔ اور دو سال آکسفورڈ میں۔

پھر تو آپ بہت بڑے آدمی ہیں!۔

جی نہیں!۔ صرف چھ فٹ ہی کا ہوں ہ!" خالد نے ایسی مسمسی شکل بنالی کر روبینہ بے ساختہ ہنس دی۔

بہت تفریحیں کیں آپ نے ہ؟"

نہیں صاحب۔ تفریحاً کون بھیجتا ہے" خالد نے کہا" پڑھنے پڑھانے کا سلسلہ

ہر جگہ جاری رہا تھا۔ البتہ آکسفورڈ میں میں اپنی مرضی سے رہا تھا!۔
کیوں؟۔
یہی۔ موسیقی کے ڈپلومے لینے تھے۔ سوچا تھا۔ دو ایک سال اور رہوں گا۔
مگر والد صاحب نے خط پر خط اور تار پر تار بھیجکر مجھے منگوالیا۔
منگوالیا آپ کو؟" روبینہ پھر کھلکھلا کر ہنس پڑی" اچھا۔ سچ بتائیے۔
آپ کو لندن و امریکہ اچھے لگے کہ ہمارا ہندوستان!۔
ہندوستان!" خالد نے ہنسکر کہا۔" یہاں بہت کچھ ہے۔ جو وہاں نہیں
ہے!۔ اخلاق۔ محبت۔ رہن سہن کے طریقے اور ایک خاص چیز۔ پردہ!۔
پردہ؟" روبینہ نے حیرت سے کہا" آپ پردے کو بھی پسند کرتے ہیں؟
بہت زیادہ۔ مجھے پردہ نشین حسن بہت پسند ہے!" خالد نے ہنستے ہوئے
کہا" کیا آپ پردہ نہیں کرتیں۔
کرتی تو ہوں۔ مگر اتنا زیادہ تو نہیں!۔
ہر اچھی چیز کو پردے میں رہنا چاہیئے" خالد نے بدستور ہنستے ہوئے کہا"
دیکھئے نا... خدا تک پردہ نشیں ہے!"
میں بھی آپ سے پردہ کرنے لگوں گی!۔
ضرور کیجئے۔ خالد نے کہا" آپ کا حسن بدر جہا نکھر جائے گا۔ جس پر
کسی کی نظر نہیں پڑے گی وہ ہمیشہ اچھوتا رہے گا!۔ لیکن" وہ مسکرایا" خدارا
مجھ سے نہیں!!۔
پھر وہ جانے کے لئے اٹھ کھڑا ہوا۔ کھیتوں کے اس پار کار کھڑی ہوئی
تھی۔ دونوں باتیں کرتے ہوئے ساتھ ساتھ چلنے لگے۔ گھنے درختوں نے سروں
پر چھتریاں سی بنا دی تھیں۔ اور یہ چھتریاں دور تک یونہی ایکدوسرے سے

جڑتی چلی گئی تھیں۔ ٹھنڈک اور مہک۔۔۔ کسی انجانے تاثر اور نامعلوم سے احساس نے دونوں کو مدہوش کر رکھا تھا۔

کاش! یہ لمحات اپنی دلکشی سمیت ابدی ہو جائیں۔ کاش میں یہیں مر جاؤں! آپ کے پاس۔ آپ کی بانہوں میں۔!" روبینہ نے سوچا۔

کاش!۔ یہ راستے طویل ہو جاتے۔ ان کے سرے ابدیت سے جا کر مل جاتے ہم تم یونہی چلتے رہتے۔ اور پھر کوئی نامعلوم ہاتھ چپکے سے ہمیں آسمانوں پر اٹھا لے" خالد نے سوچا۔

پھر جھینگروں کا سلسلہ ختم ہو گیا۔ شبنم گرنے لگی۔ اور جنگل میں جگنو اڑنے لگے۔

روبینہ!" خالد نے کہا۔ جذبات سے بوجھل آواز میں" زندگی جاودانی نہیں ہے۔ لمحے بھاگتے ہیں۔ پل پل دن ڈھلتا ہے بے کار و بے مصرف کتاب کے ورقوں کی طرح صبح و شام الٹتے چلے جاتے ہیں۔ لیکن جی نہیں لگتا!۔

جی نہیں لگتا!" روبینہ کا دل دھڑک اٹھا۔

زندگی کی وہ گھڑیاں ابدی کیوں نہیں ہو جاتیں۔ جو۔ جو۔

سناٹے میں دور سے کہیں کار کا ہارن بج اٹھا۔ شاید شہر جانے والی گاڑیاں آگئی تھیں۔ روبینہ جلدی سے واپس چلی گئی۔

پھر اسے یاد آیا اس نے یہ تو خالد سے کہا ہی نہیں تھا۔ کہ وہ شہر جا رہی تھی۔ وہ پلٹی۔ لیکن وہاں اس کی کار کا نام و نشان بھی نہ تھا!!

○

وہ واپس ہو گیا۔

کہیں آنے جانے کا جی نہیں چاہ رہا تھا۔ گھر پر کون سا سکھ نصیب تھا۔ اس نے کار لاکر کلب میں چھوڑ دی۔ اور منیجر سے یہ کہہ کر کہ کار گھر پر بھجوا دی جائے۔ پیدل ہی مسعود کے گھر روانہ ہو گیا۔

اس کے ڈرائنگ روم میں قہقہے اڑ رہے تھے۔ خالد کو دیکھ کر ان کا جوش وخروش اور بڑھ گیا!۔

وہ آگیا۔ مغنیٔ آتش نفس!" نوید بولا۔

ہاں شائد غالب نے تمھارے لئے ہی کہا تھا" مسعود نے اس کا ہاتھ تھام کر اپنے برابر بٹھاتے ہوئے کہا۔

ڈھونڈے ہے اس مغنیٔ آتش نفس کو جی
جسکی صدا ہو جلوۂ برقِ فنا مجھے ـــ!

تم سیفی صاحب سے نہیں ملے" اچانک پرویز نے کہا" آپ کی طرح جناب سیفی بھی جہانیانِ جہاں گشت ہیں۔

آپ سب آپس میں دوست معلوم ہوتے ہیں!" اس نے کہا۔ ذہنی طور پر ایسا اداس تھا کہ ڈھنگ سے بات کرنی بھی نہ آئی۔

ہاں۔ یار دشمن تو نہیں ہیں!" زبیر نے ہنسکر کہا۔

آپ ہیں جنابِ سیفی۔ آئی۔ سی۔ ایس" مسعود نے تعارف کرایا" اور آپ... خالد سلمان صاحب۔ ایم۔ اے۔ ایم۔ ایڈ۔ پی۔ ایچ ـــ

اب ختم بھی کرو۔ یار" خالد نے اس کی بات کاٹ دی۔ اور بڑی گرمجوشی سے سیفی سے ہاتھ ملایا۔ اور سوچنے لگا۔ اس نے سیفی کو کہاں دیکھا تھا۔ کب دیکھا تھا؟۔

آپ سے مل کر بہت خوشی ہوئی" خالد نے کہا" لیکن میں سوچ رہا ہوں!

میں نے آپ کو اس سے پہلے کہاں دیکھا تھا؟۔ کیا آپ نے مجھے پہلی بار دیکھا ہے۔۔؟"

جی۔ بالکل پہلی بار۔۔!" سیفی مسکرایا۔

تم دونوں ہمیشہ سفر میں رہتے ہو۔ شاید کسی مقام پر ٹکراگئے ہوگے۔!" زبیر بولا۔

شاید یہی بات ہے!" سیفی نے کہا۔" میں بہرحال مسعود کا شکر گزار ہوں ان کی وجہ سے مجھے ایسا اچھا دوست ملا۔ کبھی غریب خانے پر بھی تشریف لائیے گا۔ خالد صاحب۔ بسم منزل۔ لارڈ ویلزلی روڈ۔۔!

ضرور ضرور۔۔" خالد نے کہا۔

اپنے دوستوں کی گپ شپ میں اس کی افسردگی ختم ہوگئی مگر یہ خلش۔ گھر پر پھر وہی دلشکن تذکرہ ہوگا۔ کہاں بھاگے۔ کیا کرے؟۔ نہ محبت آشکار کرنے کی ہمت تھی۔ نہ ہی ڈیڈی کے سامنے انکار کی مجال۔!۔

تم کیا سوچ رہے ہو؟" نوید نے ٹوک دیا۔

کچھ نہیں!۔ وہ چونک پڑا۔

سیفی صاحب کو کچھ سناؤ گے نہیں!" پرویز نے کہا" تمھارے آنے سے قبل ہم تمھاری ہی تعریفوں کے پل باندھ رہے تھے!۔

شکریہ۔!" وہ افسردہ سا مسکرایا۔

واقعی میں بے حد مشتاق ہوں!" سیفی نے کہا" ان حضرات نے آپ کی تعریف و ستائش کر کے مجھے آپ کا نادیدہ پرستار بنا رکھا ہے۔

اس کی آواز بھی اسے سنی ہوئی محسوس ہوئی۔ لیکن وہ ٹھیک تجزیہ نہ کر سکا کہاں سنی تھی۔ ان سب کے جانے کے بعد مسعود نے اسے روک لیا!۔

اب کہو۔ کیا بات ہے۔ تم اسقدر اداس کیوں ہو؟۔

کچھ نہیں ۔ اس نے بات ٹال دی ۔ ابھی یہاں کی آب و ہوا مجھے موافق نہیں لگی ۔ زکام ہو گیا ہے ۔

بناؤ مت دوست ۔ شائد کرنل صاحب کے حکم نے تمھیں پشش و پنج میں ڈال رکھا ہے !۔

ہاں !۔ یہ بھی ہے ۔ لیکن اس سلسلہ میں مجھے کوئی اندیشہ نہیں ۔ میں نے تو انکار کر دیا ۔

انکار کر دیا ؟ نہیں خالد ۔ تم نے اچھا نہیں کیا ۔ میں نے بہت لوگوں سے نواب صاحب کی صاحبزادی کی تعریف سنی ہے !۔ وہ کافی دولت مند بھی ہے !

دولت ۔ خالد نے ہونٹ بھینچ لئے ۔ دولت دل نہیں جیت سکتی ۔ اور پھر دولت کی ضرورت بھی کیا ہے ؟۔

بہر حال سوچ سمجھکر ۔ مسعود نے کہا ۔ الماس کی شادی کے بعد کرنل صاحب پھر تمھیں مجبور کریں گے ۔

الماس کی شادی ۔ خالد نے متحیرانہ انداز میں کہا ۔ کب ہے ۔ کس کے ساتھ !
کیا تم ایسے ہی بے خبر رہتے ہو ۔ مسعود کو اس کی حیرت پر تعجب ہونے لگا !۔
سیفی کے ساتھ ۔ اسی لئے تو وہ تم سے بڑھ چڑھ کر ملے تھے !

نہیں !۔ وہ ابھی بھی متحیر تھا ۔

ہاں ۔ یار ۔ یقین کرو ۔! مسعود ہنسنے لگا !۔

○
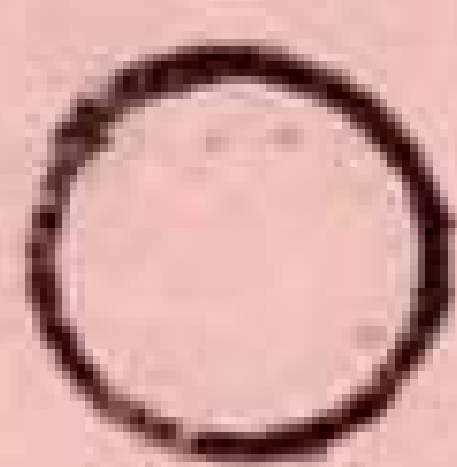
نوید ان لوگوں میں سے تھا۔ جو دوسروں کو اپنا دوست تو بنا لیتے ہیں
لیکن خود کسی کے دوست نہیں بنتے۔ پہلے پہل اس نے کسی تقریب میں سیفی
کی بہن روبینہ کو دیکھا تھا۔ اور اپنے آپ اس کی پرستش شروع کر دی تھی
اس نے سیفی کی دوستی اٹھا نہ رکھی۔ سیفی بھی اپنے وطن میں نووارد تھا۔ مسعود
اس کا دوست تھا۔ اور یوں وہ نوید سے متعارف ہوا۔ اور اس طرح چپکے
چپکے اس کی دوستی کا دم بھرا کہ سیفی یہ سمجھنے پر مجبور ہو گیا۔ اس سے بڑھکر اس
کا دوست اور کوئی نہیں تھا۔ اس کی آمد و رفت کوٹھی پر بھی ہو چکی تھی۔ اس کے
والد خان بہادر جنید سے سید صاحب سے یونہی شناسائی تھی۔ لیکن سیفی اور
نوید کے گہرے مراسم نے بزرگوں کی شناسائی کو بھی سنجیدگی سے بدل دیا۔ پھر
خان بہادر صاحب سید صاحب سے ملنے آئے۔ اکثر اس کی والدہ چھوٹی موٹی تقریبوں میں
شریک ہوئیں۔ اور نوید کی بہن نیلم بہت پہلے ہی سے روبینہ کی گہری سہیلی تھی۔

رفتہ رفتہ نوید کا جادو سر چڑھ کر بولنے لگا۔ سید صاحب کے گھر میں
سوائے ان کی بیٹی کے اور کسی عورت کا گزر نہ تھا۔ گھر کا سارا سیاہ و سفید
روبینہ ہی کے اختیار میں تھا۔ لیکن اب گھر کے رنگ ڈھنگ بدلنے لگے۔
نیلم کو پتہ نہ تھا۔ اس کے بھائی کے دل میں کیا تھا۔ اسے یہ سوچ سوچ کر
بے انتہا خوشی ہوتی۔ ایک دن روبینہ اس کی بھابی بن جائے گی۔ اُدھر
سید صاحب کو خان بہادر صاحب شیشے میں اتارنے لگے۔ اور جب اپنی
خاص غرض ان کے سامنے رکھی تو سید صاحب سوچنے پر مجبور ہو گئے!۔

اسی زمانے میں سیفی کی شادی الماس سے طے ہو گئی تھی۔ سید صاحب اور کرنل صاحب کے نہایت گہرے مراسم تھے!۔ کرنل صاحب کسی اچھے لڑکے کی تلاش میں تھے۔ انھوں نے سید صاحب کا پیغام بے چوں وچرا قبول کر لیا تھا۔ اور دونوں گھرانوں میں شادی کی تیاریاں شروع ہو گئیں!۔

نوید نخواہ مخواہ روبینہ پر اپنا حق سمجھتا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ دونوں گھرانے ایک ہو جائیں۔ روبینہ اس کی بن جائے اور سیفی کی شادی نیلم سے ہو جائے۔ لیکن اچانک حالات نے ایسا موڑ اختیار کر لیا کہ وہ بوکھلا گیا۔

سیفی کی شادی الماس سے ؟!۔

یوں تو خالد کی بھی یہاں کافی آمد و رفت ہو جائے گی۔ ممکن ہے کہ سید صاحب اپنا فیصلہ بدل دیں!۔ اس کی یہ ہمت تو نہیں پڑی کہ سیفی یا سید صاحب کو بہکا سکتا!۔ لیکن یہ تہیّہ اس نے ضرور کر لیا کہ سید صاحب کے ہاں خالد کی جڑیں مضبوط نہ ہونے دے گا!۔

ویسے اس کی پہونچ نواب آسمان جاہ بہادر تک بھی تھی!۔ وہ خود ایک خان بہادر کا بیٹا تھا۔ اور انکم ٹیکس افیسر۔ اس کی حالت اس سلسلے میں قوم کی دائی کی سی ہو کر رہ گئی تھی جس سے کسی کا پیٹ چھپا نہیں رہتا۔ جو اپنی مٹھی گرم کر کے حرام حلال سب کی پردہ پوشی کرتی ہے!۔ اور وہ تو ہر وقت موقعہ کی تلاش میں رہتا جہاں کرتی بات نظر آئی۔ فوراً دس معاف کر کے پچاس اپنے بنا لیے!۔

بظاہر وہ نواب صاحب کو بھی بالکل بے ضرر اور معصوم لگا۔ جو خالد کی تعریفوں کے پل باندھ رہا تھا! اور انھیں یہ باور کرا رہا تھا کہ جلد از جلد ناہید کی شادی کر دی جائے!۔ وہ امریکہ پلٹ اور مغربی بود و باش دیکھے ہوئے ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ۔ کرنل صاحب کو جل دے کر پھر بھاگ جائے۔ اس نے نواب صاحب کو

رگیدا۔ نواب صاحب نے کرنل صاحب کا ناک میں دم کر دیا اور نتیجہ یہ نکلا کہ کرنل صاحب نے خالد کی زندگی حرام کر دی!۔

نوید کی وجہ سے سید صاحب کا گھر نت نئی دلچسپیوں کا مرکز بن کر رہ گیا تھا۔ دنیا بھر کی دلچسپیاں۔ کبھی سیر سپاٹے ہو رہے ہیں۔ کبھی پکنکیں منائی جا رہی ہیں۔ کبھی لگاتار پکچرز دیکھے جا رہے ہیں۔!! اس سلسلے میں وہ سب سے پیش پیش رہتا۔ اور یہ جتانے کی کوشش کرتا کہ اسے روبینہ کی خاطر سب سے زیادہ منظور ہے۔!

اور پھر جب کبھی خالد سے ملتا!۔ روبینہ کی ترقی پسندی۔ اور آزادی کو بہت بڑھا چڑھا کر بیان کرتا!۔ یونہی۔ تذکرتاً۔ خالد ان تمام باتوں پر کان ہی نہ دھرتا۔ اور وہ اسے ملتا بھی بہت کم تھا!!۔

روبینہ ہمیشہ ہی اس سے الگ تھلگ رہتی! اپنی مرضی اور اپنی پسند کی پابند ایسے موقعوں پہ نوید دل ہی دل میں کلبلا اٹھتا۔ آخر۔ وہ خود کو کیا سمجھتی ہے۔ اس کی تنہا پسندی نے نوید کی تمام آرزوؤں پر پانی پھیر رکھا تھا؟

رفتہ رفتہ وہ اسے غلط سمجھنے لگا۔ مغرور۔ خود بیں و خود پسند۔

آپ کو میری رفاقت پسند نہیں ہے!۔ محترمہ روبینہ؟!" اس نے ایک دن پوچھا۔

یہی ایک دن کسی اور نے بھی بالکل یہی بات پوچھی تھی!۔ لیکن کتنی تہذیب اور شائستگی کے ساتھ۔

روبینہ کے دل میں پرانی یادوں کے بھنور بنتے بگڑنے لگے۔ کیا وہ ایسے ہی لاپرواہ ہیں؟ سامنے رہتے ہیں۔ پرمحبت انداز۔ اور وفا پرور لہجہ جیسے اپنے سب کچھ وہی ہیں!۔ اور جب آنکھ سے اوجھل ہوئے تو کچھ بھی نہیں!۔

آپ نے میری بات کا جواب نہیں دیا؟"

معاف کیجئے گا۔ مجھے یہ سب کچھ پسند نہیں ہے!۔" روبینہ نے خشک لہجے میں جواب دیا۔

لیکن میں سیر تفریح کی بات نہیں کر رہا تھا!" نوید کا لہجہ کسی قدر درشت ہو گیا۔"

جی ہاں۔ مجھے مردوں کی رفاقت بھی پسند نہیں!۔" یہ کہکر روبینہ اس طرح کھڑکی میں جا کھڑی ہوئی کہ نوید دل ہی دل میں جل بھن کر رہ گیا۔ لیکن آگے کچھ اور نہ پوچھ سکا!۔

روبی۔ تم اتنی خاموش اور پردہ نشین کب سے ہو گئیں۔!" نیلم الگ حیران تھی۔ وہ تو خود بھی اسے بے حد بدلی ہوئی دیکھ رہی تھی۔ جیسے اندر اندر وہ کسی تپ سے پھنکی جا رہی ہو۔

جانے نیلم۔ مجھے کیا ہو گیا ہے۔" روبینہ کے لہجے میں اکتاہٹ تھی: "نہ کچھ اچھا لگتا ہے نہ کہیں جی لگتا ہے۔

محبت ہو گئی ہے کسی سے؟۔" نیلم نے چلکر دیدے نچائے۔

محبت۔؟" روبینہ دھک سے رہ گئی۔

ہاں!۔ آخر کب تک بھیا کی جانثاریاں رنگ نہ لائیں گی": نیلم نے اسے گدگدا دیا اور خود ہنسنے لگی لیکن روبینہ کسی سوچ میں کھو گئی پتہ نہیں۔ اور دل نے بھی یہی سوچا ہو گا۔ جو نیلم سوچتی ہے۔ وہ اب سچ مچ بالکل ہی الگ تھلگ رہے گی۔ ورنہ جانے اس بھیانک غلط فہمی کا انجام کیا ہو؟!

نوید۔؟ وہ کانپ گئی۔

بینا۔ تو کچھ سوچتی رہتی ہے؟" سیفی نے بھی پوچھ ہی لیا۔

ہاں۔ بھائی جان۔ میں کچھ دنوں کے لئے باہر جانا چاہتی ہوں!۔

ضرور جاؤ "سید صاحب نے ہاں میں ہاں ملائی" اچھا ہے۔ آب و ہوا ہی بدل جائے گی۔

مجھے تو یوں لگتا ہے میں کسی مسافر خانے میں ٹھہری ہوئی ہوں"

روبینہ بولی "آپ کو اپنی تفریحیں مبارک بھائی جان۔ نئے دوست۔ نئے پروگرام۔ مجھے آپ پھوپھی اماں کے ہاں چھوڑ آیئے۔

اوہو بیٹا تم تو بھری بیٹھی تھیں" سیفی جھینپ کر ہنسنے لگا۔ اسے خود بھی اب نوید کی زیادہ ہم نشینی سے الجھن ہونے لگی تھی "کیا تم نہیں چاہتیں۔ نوید اور ان کے والدین یہاں آئیں!۔

میں کیسے منع کروں آپ کو۔ آپ کا گھر ہے۔ آپ کے دوست ہیں "روبینہ بدستور بے رخی سے بولی" لیکن اپنے دوستوں کو اپنی حد تک رکھئے۔ میری تنہائی میں مخل نہ ہونے دیجئے۔ آپ نے شروع ہی سے مجھے اس کی تربیت نہیں دی۔ یا اگر آپ یہ چاہتے ہیں کہ میں بھی ترقی پسند بن جاؤں تو یہی سہی۔ پھر آپ نہ کہیئے گا کہ بیٹا کیا تو ایک سید گھرانے کی پردہ دار لڑکی ہے؟!

بس کرو۔ بیٹا بس کرو۔!" سیفی نے شرم و خجالت سے کہا" غلطی میری ہی تھی۔ اب میں محتاط ہو جاؤں گا۔

ہاں۔ سیفی۔ اس کا تدارک ہونا چاہیئے!" سید صاحب جو بہت کم کسی بات پر گرم ہوتے تھے وہ بھی اس وقت سنجیدہ ہو گئے۔

وعدہ کرتا ہوں۔ ابّا جان۔ پھر کبھی مجھ سے غفلت نہیں ہو گی!"

سیفی بولا "در اصل غیر ممالک کی آزادانہ تہذیب و تمدن میں میں ہند کی فضا بھول بیٹھا تھا۔!

روبینہ تو مطمئن ہو گئی۔ لیکن سید صاحب اور روبینہ کسی سوچ میں گم ہو گئے۔"

سیفی" سید صاحب نے ایک بار کہا تھا" روبینہ نوید اور ان کے خاندان سے اتنی بیزار ہے۔ کیا وہ نوید کے سلسلے میں راضی ہو سکے گی؟!۔

یہ میرے لئے ایک پرابلم ہے ابّا جان" سیفی بولا" لیکن۔ خیر۔ دیکھا جائے گا۔ پھر کسی خیال سے اس کی آنکھیں چمکنے لگیں" میرا خیال ہے کہ اپنی منا کے لئے خالد سے بڑھکر اور کوئی موزوں نہیں ہو سکتا!۔

روبینہ کافی کی ٹرے لئے آ رہی تھی۔ اس نے بھی یہ سنا تھا۔ یک بیک اس کا چہرہ گلنار ہو گیا۔ اسے یہ بھی ہوش نہ رہا کہ کافی بنا کر دیتی۔ بس ٹرے رکھی اور بھاگ گئی۔ کیا سچ مچ ایسا ہو سکے گا!۔ اسے یہ خبر کہاں تھی کہ اس کی ذراسی بھول اور غفلت نے خالد کی جان پر بنا رکھی تھی!۔ دوسرے تیسرے دن وہ اس کے دیہی مکان پر گیا تھا۔ اور گیٹ پر بڑا سا قفل دیکھ کر اس کا دل ڈوب گیا!۔ باغبان نے بتایا۔ صاحب اور میم صاحب شہر چلے گئے۔

لیکن کہاں۔ کس جگہ۔ ان کا پتہ کیا ہے؟!

یہ تو میں نہیں جانتا۔ حضور میں آج تک شہر نہیں گیا۔

شہر۔ ہا۔ اتنا بڑا شہر۔ جس کے طول و عرض کا کوئی ٹھکانا نہیں ہے؟۔ وہ مایوس اور ناکام واپس ہو گیا۔ ویسے اس سے سب ہی ملتے تھے۔ لیکن اس نے کسی سے پتہ پوچھنا مناسب نہیں سمجھا!۔ کوئی شرمیلی سی پرحجاب آواز ہمیشہ اس کے کانوں میں گونجتی تھی۔

میری نیکنامی کا خیال رکھئے گا!۔

کوئی کیا سوچے گا؟۔ روبینہ سے اس کا کیا تعلق ہے؟۔ اس کے اصول

نہایت سخت تھے!۔ اور وہ اپنے اصولوں پر اپنی جان بھی دے سکتا تھا! شرافت۔ متانت۔ اور خاموشی نے خود ہی زندہ درگور کر رکھا تھا۔ اس کے اصول بڑھکر اسی کے لئے عذاب جان ہو گئے تھے!۔۔ بارہا اس کے ہونٹ کھل کھل کر رہ گئے۔ لیکن وہ کچھ کہہ نہ سکا!۔ اسے اپنی محبت سے کہیں زیادہ بڑھ کر روبینہ کی آن پیاری تھی!۔ اس نے کتنے بھروسے سے کہا تھا۔

"میری نیکنامی کا خیال رکھئے گا!" اس نے گھبرا کر سر تھام لیا!!۔

○
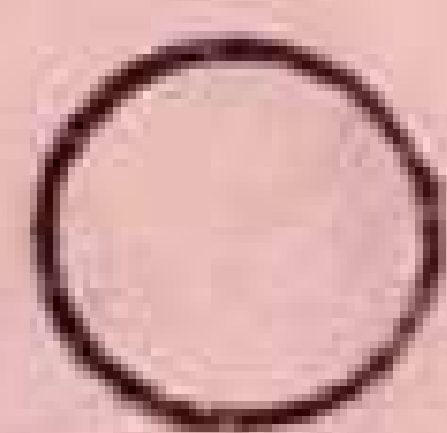
وہ سحر انگیز اور دلکش وجود۔ یکایک خواب و خیال ہو کر رہ گیا تھا۔ اس کے شب و روز عجیب سی اداسی میں مدغم ہو گئے تھے۔ صبح و شام کی ساری رنگینیاں۔ زندگی کی ساری رعنائیاں اس سے منہ موڑ چکی تھیں!۔

روبینہ! جانے کہاں چھپ گئی تھی!۔ اس نے اس سے کچھ کہا سنا بھی نہیں۔ جیسے چپ چاپ اور اچانک اس کی زندگی میں بہار کے ایک لطیف و معطر جھونکے کی طرح داخل ہوئی تھی۔ اسی طرح اس کی زندگی کو مسلسل کرب و اضطراب بنا کر غائب ہو چکی تھی!۔

گھر میں نئی نئی دلچسپیاں تھیں۔ آپا ناصیہ، ولادت کے سلسلے میں آئی ہوئی تھیں۔ الماس کی شادی کی زور و شور سے تیاریاں ہو رہی تھیں!۔ ساتھ ہی بیگم صاحبہ کو عشرت کا دھیان بھی آ گیا تھا!۔ وہ بھی تو انہی کے سہارے تھی!۔ پھر کچھ عزیزوں میں بات چلی اور عشرت کی شادی بھی اس کے ننھیال

میں کہیں طے ہوگئی ۔! پہلے وہ بہت بڑھ چڑھ کر گھر کے کاموں اور دلچسپیوں میں حصہ لیتی تھی !۔ لیکن اب خاموش ہوچکی تھی ۔ اس کے رنگین خواب بغیر کسی تعبیر کے اس سے روٹھ چکے تھے !۔ اسے اپنے آپ پر غصہ آتا تھا۔ اس نے ایسی انہونی باتیں سوچی ہی کیوں تھیں !۔

خالد۔ بڑے باپ کا بڑا بیٹا۔

اور وہ خود ــــ ان کے سہارے ان کے رحم و کرم پر پلی بڑھی پروردہ۔

لیکن اس نے اپنے فرائض سے منہ نہیں موڑا۔ اس نے تو خالد کا سامنا ہی کرنا چھوڑ دیا تھا۔ جب سے خود اس کی شادی کی بات چلی تھی !اور نہ خالد کو یہ احساس تھا کہ کوئی آپ ہی آپ سلگ سلگ کر بجھ رہا تھا !۔ اس کی اپنی ہی فکریں کیا کم تھیں !۔

ویسے جب بھی وہ باہر سے آتا !۔ اسے اپنا کمرہ شیشہ کی طرح جھلکتا ہوا ملتا ہر چیز اپنی جگہ پر ہوتی ! وہ یہی سمجھتا رہا۔ یہ سب ملازموں کی کارکردگی تھی !عشرت اس پر واضح کرنا بھی نہیں چاہتی تھی !!۔ اسے معلوم ہو بھی گیا تو وہ کون سا انعام دے گا !۔

بس اس نے ایک دن گھر کے دیئے جلائے تھے اور اپنے دل کی دنیا میں اندھیرا کر دیا تھا۔ وہ یہ بھی تو دیکھ رہی تھی !۔ وہ اپنی خوشیاں کہیں رکھ کر بھول گیا تھا۔ نہ نغمہ و ساز یاد تھا۔ نہ اپنے دلکش پروگرام۔ وہ گم صم ہو چکا تھا۔ جیسے جسما سب کے درمیان ہو۔ اور ذہنی طور پر سب سے جدا۔ سب سے الگ گھنٹوں ٹہلتا اور سوچتا رہتا !نہ کسی سے بات چیت کا خواہشمند ہوتا اور نہ اپنی سوہان روح خاموشی کی وجہ بتاتا !۔ کلب کے پروگرام۔ جن سے اسے بہت دلچسپی تھی۔ وہ بھی اسنے منسوخ کرادیئے تھے۔ نہ دوست احباب کے جمگھٹے تھے نہ یارانِ طریقت کی

بنڈل سنجیاں !۔

اس کی پرانی ملازمت کب کی ختم ہوچکی تھی !۔ کرنل صاحب نے اپنے اثر و رسوخ سے اسے ایک بڑے عہدے پر رکھا دیا تھا !۔ اب وہ ایشیا بنک کا منیجر تھا! یہ ملازمت ہی ایسی مصلحت آفریں تھی کہ وہ خود بخود سب سے دور ہوتا گیا! صبح دس بجے گھر سے نکلتا ؟ اور رات کے سات بجے گھر واپس آتا۔ نئے عہدے کی نئی ذمہ داریاں وہ روز بروز اجنبی بنتا گیا !!۔

اسے حد درجہ چپ چاپ دیکھ کر ایک دن ناصیہ کے شوہر فیروز نے ٹوک ہی دیا۔

خالد۔ ایسا معلوم ہوتا ہے۔ یہاں تمھارا جی نہیں لگتا !۔

جی۔ نہیں تو۔ !" اس نے ٹال دیا۔" اپنے گھر میں دل نہ لگنے کا کیا سوال بھائی جان !۔"

مجھے بھی بہت فکر ہے !۔ ناصیہ نے کہا۔" یہ کیا سوچا کرتے ہیں ؟۔

میری فکر۔ ؟" اس نے طنزیہ لہجے میں کہا۔" جس کسی کی فکر ہوتی ہے۔ وہ یوں عضو معطل نہیں سمجھا جاتا۔ میں خود سوچتا ہوں۔ اس گھر میں میری ہستی سرائے کے مسافر سے زیادہ نہیں ہے۔ دس سال کی مفارقت نے مجھے سب کے لئے اور سب کو میرے لئے بالکل بیگانہ بنا رکھا ہے۔ نہ کسی معاملہ میں میری رائے پوچھی جاتی ہے۔ نہ اس قابل سمجھا جاتا ہے کہ میں کسی معاملہ میں رائے دے سکوں گا !۔

تمھیں کس سے شکایت ہے۔ آخر ہوا کیا ؟" ممی بھی پوچھ بیٹھیں۔

کسی سے شکایت نہیں ہے۔ ممی !۔۔۔۔ گلہ تو اپنے آپ سے ہے۔ میں خود ہی اسقدر ناکارہ اور غیر اہم ہوں کہ کسی سے سنجیدگی اور متانت سے بات

ہی نہیں کرسکتا!۔ بقول ڈیڈی کے۔ میرے پاس ہو حق اور گانے بجانے کے سوا اور ہے ہی کیا؟!۔

ناصیہ سمجھ گئی وہ اس پر چوٹ کررہا تھا؟۔ کیونکہ ڈیڈی کی موافقت میں اس نے اسے گانے بجانے کے طعنے دیئے تھے۔ لیکن خالد اس کی بات بھول چکا تھا!۔ وہ خود کو شرمندہ سی ہو گئی۔

"الماس کی شادی طے ہو گئی۔ عشرت کے سلسلے میں پیغام سلام کئے گئے! لیکن کسی نے مجھ سے کہنا مناسب ہی نہیں سمجھا!" خالد نے کہا: "آپ سب نے مجھے اپنے کنبہ سے خارج کر دیا۔ پھر مجھ سے پوچھا جاتا ہے! تم کیا سوچتے رہتے ہو کیا تمہارا دل ہندوستان میں نہیں لگتا!۔

بیٹا۔ یہ میری بھول ہے۔ اب ہمیں کیا معلوم تھا۔ تم اتنے بے خبر رہتے ہو" ممی نے کہا: "بس اب تم بھی غصہ تھوک دو۔ اپنے ماں باپ سے خفا نہ ہو تمہاری خاموشی سے میرا دم گھٹا جاتا ہے!۔

میرا دم خود بھی لبوں پر ہے۔ ممی!" یکایک اس کا گلا رندھ گیا: "کاش میں مر سکتا!۔ میں مرجاتا!" اس کی آواز حلق میں پھنس گئی۔ وہ اٹھا اور لمبے لمبے ڈگ بھرتا اپنے کمرے میں آ گیا۔ یکایک اسے محسوس ہوا۔ کوئی اس کے کمرے میں تھا! اسے دیکھ کر جانے لگا ہے۔ اس نے آگے بڑھ کر دیکھا اور عشرت کو دیکھ کر جہاں کا تہاں رک گیا!۔

عشرت؟!

جی۔؟

تم یہاں کیا کررہی تھیں!۔

آپ کا انتظار۔

کیوں ؟!

کیا مجھے یہ بھی پوچھنے کا حق نہیں ہے کہ آپ اتنے خاموش کیوں رہنے لگے ہیں ؟۔ آپ کسی سے کچھ نہیں کہتے ۔ مجھ سے بھی نہیں کہیئے گا ۔ میں آپ کی کون ہوں میں تو ۔ پروردہ ہوں آپ کی !۔

پروردہ ۔ ؟" خالد حیران رہ گیا " تم یہ سب کچھ کیوں سوچ رہی ہو میری سمجھ میں نہیں آتا ۔ کیا تم اپنے آپ کو میری بہن نہیں سمجھتیں !۔

بہن ؟ ۔ بڑی تلخ مسکراہٹ اس کے لبوں پر بکھر گئی ۔

یہ مرد ۔ جس کسی لڑکی کو پسند نہیں کرتے ۔ اس کے احساسات کی پرواہ نہیں کرتے ۔ اسے بڑی فراخدلی سے بہن بنا لیتے ہیں !؟۔

اس نے کوئی جواب نہیں دیا ۔ پلٹ کر اس کے بستر کی شکنیں درست کیں تکئے قرینے سے رکھے ۔ لحاف لگایا اور ویسے ہی بیٹھ موڑے ہوئی نکلی چلی گئی ۔

اسے اب پتہ چلا ۔ یقیناً پہلے بھی یہ سب کچھ عشرت ہی کرتی رہی ہوگی !۔ پل بھر کے لیئے ایک ہلکا سا خیال اس کے ذہن میں آیا اور چلا گیا !!۔

آپ کے دوست آئے ہیں !" الماس اوپر آئی !" آپ کو لینے کے لئے !۔

اچھا " وہ مڑا " سنو الماس !۔ یہ عشرت کی شادی کہاں ہو رہی ہے !۔

زبیر بھائی سے !" الماس کو یک لخت اپنی شادی یاد آ گئی ۔ وہ بھاگ کھڑی ہوئی ۔ راستے بھر وہ خیالات کے تانے بانے بنتا رہا ۔ ۔ ۔ ! نوید کے گھر پر کار رکی ! ڈرائینگ روم میں کیرم کی کھٹ کھٹ کے ساتھ قہقہے گونج رہے تھے !۔

آئیے آئیے ۔ جناب !" نوید نے استقبال کیا " آپ سے میجر اقبال ملنا چاہتے ہیں ۔" پھر اس نے اس کا نام معہ اس کی ڈگریوں کے دوہرا دیا ۔

انھوں نے سید صاحب کی صاحبزادی کے لئے اپنا پیغام دیا ہے !"

مسعود نے آہستہ سے کہا: "ہے نا شاندار — ؟۔

بہت شاندار —" اس نے اپنی حیرت اور اذیت کو مسکراہٹ میں چھپا دیا۔ لیکن مجھ سے تعارف کی کیا ضرورت تھی ؟!

پتہ نہیں! کیوں۔ نوید نے کہا تھا کہ اگر ان کی ملاقات خالد سے کرا دی جائے تو بہت اچھا ہو!۔ نوید تو بہت خوش ہے!" مسعود نے کہا۔

نوید نے ایسا کیوں چاہا تھا ؟۔ خالد گم صم تو تھا ہی۔ ایک اور تکلیف میں مبتلا ہو گیا۔ پھر وہ وہاں بیٹھا صرف سگریٹ ہی پھونکتا رہا۔ آہوں کا دھواں۔! لیکن جس سے درد و اذیت میں کوئی کمی نہیں ہوتی۔!!۔

○

موسم خوشگوار تھا۔ کلب کی شاندار عمارت روشنی و لونر میں ڈوبی ہوئی تھی چاروں طرف رنگینیاں بکھری ہوئی تھیں!۔ اندر کہیں انڈس ویلی چاچا چا بج رہا تھا!۔ باغ میں اونچے اونچے یوکلپٹس کی چوٹیوں پر باریک سا چاند چمک رہا تھا!۔

سسیل کے بڑے بڑے پتے ساکن تھے!۔

باغ میں ایک بیڈ کی کرسی کی پشت گاہ ٹیکے خالد بیٹھا تھا!۔ بڑی دیر ہوئی جب وہ آیا تھا اور اب رات ہو چکی تھی!۔ اسے بس ایک ہی سوچ تھی۔ ایک مجنونانہ دھن ایک آگ سی۔ ایک جلن اور تپش۔ وہ چاہ رہا تھا۔ سارے شہر میں، ردبینہ کا نام لے لے کر چیختا پھرے!۔ اسے اپنی بے ضبطی پر خود بھی حیرت تھی! ہائیں۔ تم یہاں کیسے ؟!" اچانک اس کا بورا کینگ ادھر ہی چلا آیا

اس نے جواب میں ایک سگریٹ سلگایا اور گہرے گہرے کش لینے لگا۔

چلو اندر چلو نا۔ پرویز نے کہا۔

نیلم بھی تھی۔ وہ سب کچھ الماس سے سُن چکی تھی! کرنل صاحب کا حکم اور خالد کا انکار۔ جب وہ اِدھر اُدھر کی باتیں کرنے کے بعد کلب میں چلے گئے تو وہ اس کے پاس آبیٹھی۔

آپ کو کیا ہو رہا ہے۔ سچ سچ کہہ دیجئے!۔ نیلم نے کہا۔

نیلم "اس نے اپنے آپ پر ہنستے ہوئے کہا۔

چھاتی جلا کرے ہے سوزِ دروں بلا ہے
اک آگ سی لگی ہے کیا جانئے کہ کیا ہے

اچھا؟۔ تو یہ بات ہے؟" نیلم نے حیرت سے آنکھیں پھاڑ دیں!" شعر تو خطرناک علامت ہے!۔ تو پھر کہاں ہیں وہ محترمہ۔ یہیں کی ہیں یا باہر کی!۔ تلاش کریں گے انھیں!۔ آپ کی حالت سچ سچ خراب ہے!"

محترمہ؟" خالد نے سنجیدہ ہو کر پوچھا؟" کون محترمہ۔ نیلم؟!۔

وہ۔ جنھوں نے آپ کی یہ حالت بنا رکھی ہے؟" نیلم بھی سنجیدہ تھی۔

وہ ہنس دیا۔ اداس اور پژمردہ سی ہنسی: " یہ تو تقدیر کا گلہ کر رہا تھا۔ بہن!۔ کسی محترمہ کا نہیں۔ یہ تقدیر۔ نیلو۔ اگر مجھے پتہ ہوتا۔ کہ میری پیشانی کی ٹیڑھی میڑھی لکیروں میں میری قسمت کہاں پوشیدہ ہے تو میں اسے نوچ کر پھینک دیتا۔ ۔ ۔ ۔"

شعر و شاعری اور ساز و سنگیت نے آپ کو بالکل بیگانہ بنا رکھا ہے۔ جانے کیا کچھ سوچا کرتے ہیں۔ نیلم نے بُرا سا منہ بنالیا " پھر شادی کے نذ کرے آپ کو اور بور کر رہے ہیں۔ خالد بھائی۔ میں نا مید کو جانتی ہوں۔ وہ اتنی پیاری ہے

کہ آپ دیکھئے تو ہوش و حواس بھول جائیے۔

ہوش و حواس تو پہلے ہی جاتے رہے۔ نیلم!۔" اس نے قہقہہ لگایا۔ نیلم اسے حیرت سے تکنے لگی وہ بہت کم ہنستا تھا۔ قہقہہ لگاتے تو اسی نے سنا تھا!۔ کتنا تلخ اور جلا ہوا قہقہہ تھا جس میں جھلسے ہوئے ارمانوں کی بو آرہی تھی!۔

کیا آپ کو کرنل چچا نے کچھ کہا ہے؟۔

کرنل صاحب یہاں کہاں ہیں۔ وہ تو چوبیس پرگنہ چلے گئے!۔

آپ میری بات مانئے خالد بھائی۔ گھر جائیے۔ میں غلط نہیں کہہ رہی ہوں!۔ سوچیئے۔ جب آپ ہنستے تھے۔ سب آپ کا ساتھ دیتے تھے۔ آج آپ رو رہے ہیں۔ کہاں ہیں آپ کے غم کے ساتھی!!۔ ان خرافات سے خود کو نکالیے۔ فن اور فن کی پیاس اچھی چیز ہے۔ لیکن فن کے پیچھے زندگی برباد کرنا عقلمندی نہیں ہے!۔ یہ ساز و سنگیت یہ شعر و شاعری آپ کو سوائے بے چینیوں کے اور کچھ نہیں دیگی!۔

بھئی واہ:" خالد ہنسنے لگا:" یہ تو وہی بات ہوئی۔

یہ کہاں کی دوستی ہے کہ بنے ہیں دوست ناصح
کوئی چارہ ساز ہوتا کوئی غم گسار ہوتا

پھر وہ اٹھ گیا:" بہت اچھا۔ محترمہ دادی جان صاحبہ۔ میں گھر جا رہا ہوں! کوئی اور حکم ہے؟!۔

نیلم ہنسنے لگی:" جی نہیں! کچھ نہیں!۔

جب وہ گھر پہونچا۔ اسے کرنل صاحب کا حکم ملا۔ وہ اپنے ڈرائنگ روم میں بیٹھے کسی سے باتیں کر رہے تھے!۔ حکم کے ساتھ ساتھ یہ بھی ہدایت دی گئی تھی:" باادب آنا!:

وہ باہر ہی سے ادھر مڑ گیا!۔

تعظیم کرو آپ کی!" کرنل صاحب نے اسے دیکھ کر کہا۔ وہی درشتی وہی حکم
جانے وہ کون تھے۔ بھاری بھرکم۔ اور بہت پر رعب۔ دوسرے کرنل صاحب!۔
خالد کی سمجھ میں نہیں آیا وہ کون تھے۔ اس نے سچ مچ بڑے ادب سے انھیں
سلام کیا!۔ اور جواب میں "دعاؤں کے ڈونگرے برس گئے"!۔
سلمان۔ تم خوش نصیب ہو۔! اللہ نے تمھیں ایسا ہمہ دان بیٹا عطا کیا
ہے۔!"
جی۔ ایجیداں۔!" خالد نے بے ساختہ کہہ دیا!۔
اور پھر وہ صاحب تعریفوں کے پل باندھنے لگے!۔ کرنل صاحب کے اشارے
پر وہ واپس مڑ گیا۔ راہداری میں عشرت کھڑی تھی۔ وہ اسے دیکھ کر مسکرائی۔
آپ کو اپنے خسر صاحب پسند آئے؟!۔
خسر صاحب!" خالد کے قدم زمین میں گڑ گئے!۔
جی" عشرت ہنس دی" شادی کی تاریخ طے کرنے آئے تھے!۔
یہ سب بکواس ہے" اسے غصہ آگیا" نہ میں شادی کرنا چاہتا ہوں اور
نہ کروں گا!۔
اس کے کمرے میں الماس اس کا کھانا لیے بیٹھی تھی۔
بھائی جان" اس نے ڈرتے ڈرتے پوچھا" اب تک کہاں تھے آپ؟۔
اپنے لیے کوئی کنواں تالاب ڈھونڈ رہا تھا!۔" وہ جلا بھنا میز پر آگیا۔
آپ کو ذرا بھی خیال نہیں آتا۔ کوئی آپ کا انتظار کر رہا ہوگا؟!
کون کرتا ہے۔ میرا انتظار۔!" ابھی تک بھی غصہ تھا۔
جسے آپ کے بغیر نیند نہیں آتی۔ آپ کے بغیر چین نہیں پڑتا۔ آپ کے بغیر جی
نہیں لگتا۔" الماس کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے!۔

اس کے ہاتھ رک گئے ۔ کیا وہ اس کا اس قدر چہیتا بھائی ہے !۔ الماس
اب بھی رو رہی تھی ۔ لیکن وہ کھانے سے ہاتھ روک کر کسی گہری فکر میں ڈوب گیا تھا!
اس کا ذہن میجر اقبال میں الجھا ہوا تھا ۔ نوید کا اس طرح خاص طور پر
تعارف کرانے میں کیا مقصد تھا ؟!۔ وہ سوچتا ہی رہ گیا !۔ اور یہ بھول ہی گیا
کہ اپنی بہن کے آنسو خشک کرنے ہیں !

○
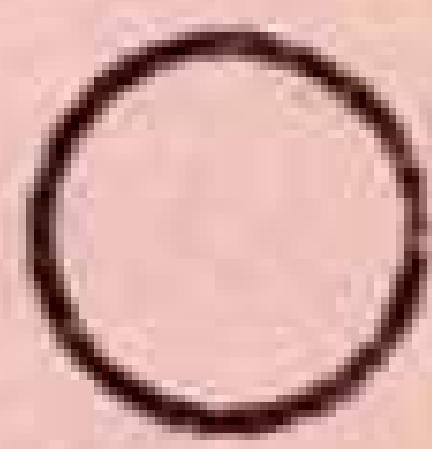
سید صاحب کی طبیعت کئی دن سے خراب تھی !! ایک تو عمر کا تقاضہ دوسرے
اپنی نئی نئی فکریں ۔ وہ ایک کچّی دیوار بن کر رہ گئے تھے جس کا لونا آہستہ آہستہ
جھڑتا رہتا ہے !!۔ یوں بھی وہ گھر میں بند ہو کر کبھی نہیں بیٹھے !!۔ بیماری نے
بٹھا دیا تو دوست احباب ان کی عیادت کو آئے ۔ کرنل صاحب سب سے پہلے
آئے !!۔ بہت کچھ دلاسا کی ۔ دلداری کی !!۔
ہلّو ۔ معاذ ۔ اولڈ بوائے " وہ خوشدلی سے ہنسے !" تمھاری یہ عادت
ابھی تک نہیں گئی ۔ جہاں ذرا سر میں درد ہوا ۔ اور آپ نے چارپائی پکڑلی !۔
روبینہ بھی پاس ہی کھڑی تھی ۔ وہ یہ سن کر ہنسنے لگی !۔
کیوں ۔ بیٹی ۔ یہ حضرت تمھیں دن بھر دہلایا کرتے ہیں نا ؟!" کرنل
صاحب نے پھر قہقہہ لگایا !" کہو مجھ سے یہ تم سے کیا کہہ رہے تھے !۔
روبینہ مسکرا کر رہ گئی ۔ کرنل صاحب نے اس کا ہاتھ پکڑ کر کھینچا اور
اسے اپنے سینے سے لگا لیا ۔"
معاذ ۔ تم بہت خوش قسمت ہو ۔ بہت پیاری بچی ہے تمھاری !۔

دعا کرو سلمان! جیسی اس کی شکل ہے۔ ویسی ہی اس کی تقدیر بھی ہو!۔
انشاء اللہ۔ ایسا ہی ہوگا!" کرنل صاحب نے کہا پھر روبینہ سے بولے "ہاں!
بیٹی میں نے بہت دنوں سے تمھارے ہاتھ کی میکرونی نہیں چکھی!۔
میں ابھی لاتی ہوں!" وہ ان کے ہاتھوں سے چھوٹ کر بھاگ گئی۔
وہ بڑی دیر تک ادھر ادھر کی باتیں کرتے رہے!۔ کرنل صاحب شادی
ہی کے سلسلے میں آئے تھے۔ اس طرح ان کی عیادت بھی ہوگئی! سید صاحب کا
دل بہل گیا۔ وہ اٹھ بیٹھے۔ اتنے میں روبینہ ان کی پسندیدہ ڈیش لے آئی!۔
دیکھا!" کرنل صاحب فخریہ انداز میں سید صاحب کی طرف مڑے" کتنا
چاہتی ہے۔ میری بچی اپنے ڈیڈی کو۔
پتہ نہیں۔ آپ کو پسند آئے یا نہ آئے۔ ڈیڈی!"
تم نے بنائی ہے تو اچھی ہی بنی ہوگی!" پھر وہ ایک ایک لقمہ اٹھاتے گئے
اور تعریفیں برساتے گئے۔

روبینہ پوچھنا چاہ رہی تھی۔ خالد صاحب کیوں نہیں آئے۔ مگر ہزار بار اس
کے لب کھل کھل کر رہ گئے۔ اور اچانک سید صاحب نے اس کے دل کی بات کہدی۔
بہت دنوں سے خالد نہیں آئے۔ کیا تم نے انھیں یہاں آنے سے روک دیا!
نہیں۔ بھائی۔ میں کیوں روکتا!" کرنل صاحب نے بڑی بیزاری سے کہا:"
میں نے تو ان سے کچھ کہنا سننا ہی چھوڑ دیا ہے" وہ کرسی کھسکا کر اٹھنے لگے!" معقول
مجھ میں اور ان میں باتیں نہیں ہوتیں۔ شاید یہاں کی آب و ہوا صاحبزادے
کو راس نہیں آئی۔ پھر کہیں جانے کے لئے پر تول رہے ہیں!۔
تم اس کے لئے بہت سنگدل ہوگئے ہو۔ بھائی۔ اسے اپنی محبت دو۔ اپنا
پیار دو۔!"

میں کیا کروں ۔ معاذ ۔" کرنل صاحب نے کہا " میں کسی کو اپنی سیدھی سادی روش سے ہٹ کر چلتا ہوا نہیں دیکھ سکتا ! ۔ تم ہی سوچو ۔ اب خالد کی عمر لگ بھگ تیس سال ہے !! لیکن وہ ابھی تک بچہ بنے ہوئے ہیں ۔ گانا بجانا ۔ ہوحق تفریح ۔ مذاق ۔ لاحول ولاقوۃ !"

اچھا ۔ تم اسے میرے پاس بھیجدو ۔" سید صاحب نے کہا " میں سب سمجھا دوں گا

بھیجدوں گا ! کرنل صاحب نے کہا " اب مجھے بھی اجازت دو ۔!!

ان کے جانے کے بعد چند دوست اور آگئے !! ۔ وہ ان سے باتوں میں لگ گئے ۔ کسی کام سے سیفی اپنی تحصیل پر جا رہا تھا ۔ وہ بھی چلا گیا ! بڑی دیر بعد وہ دوستوں کو رخصت کر کے اٹھے اور تھکے تھکے انداز میں دروازے بند کرنے لگے ! ۔ رات جا چکی تھی ۔ وہ تھک گئے تھے ! ۔

دفعتہً کمپاؤنڈ میں ایک کار رکی !۔

سید صاحب آنکھوں پر ہاتھ کی آڑ کر کے تاریکی میں دیکھنے لگے ! ۔

کار سے خالد اترا ۔ اس نے سید صاحب کو نہیں دیکھا ۔ آگے بڑھ کر چوکیدار سے کہا کہ اس کی آمد کی اطلاع سیفی صاحب کو دے دے ! ۔ چوکیدار نے جو اسے جواب دیا وہ سُن کر پھر پلٹنے لگا ۔ وہ اب بھی اتنا ہی خاموش اور افسردہ سا تھا !"

اچانک ہی سید صاحب نے اسے آواز دے لی ! ۔

بھولی بھٹکی سی آواز ۔ جیسے زندگی سے مایوس انسان کو کوئی آبِ حیات کے چشمے کے پاس کھینچ لائے ۔ اس نے بڑی حیرت سے سر اٹھا کر تاریکی اور اجالے میں آواز کی سمت دیکھا ۔ اور پھر برآمدہ پھلانگتا ہوا ڈرائنگ روم میں جا پہونچا ! ۔

دوسرے لمحے سید صاحب نے اسے لپٹا لیا ۔" بیٹا ۔ تم تو بالکل بھول گئے ۔

اگر میں تمھیں نہ بلاتا تو شائد تم آج بھی نہ آتے ؟!۔
خالد کی سمجھ میں اب بھی نہیں آرہا تھا۔ وہ تو سیفی سے ملنے "سہ منزل" آیا تھا۔ یہاں سید صاحب کیسے مل گئے۔
آؤ۔ اندر چلو۔!" سید صاحب ہنسے پڑتے تھے "تمھیں ہم سب یاد کرتے تھے سیفی۔ روبینہ اور میں۔ سیفی تو تمھارا بہت شاکی تھا!۔
سیفی ؟" خالد نے حیرت و تعجب سے کہا "وہ آپ کے عزیز ہوتے ہیں۔ ؟"
عزیز" سید صاحب نے ہلکا سا قہقہہ لگایا "سلمان ٹھیک کہتے ہیں۔ تم واقعی بہت بے خبر ہو۔
خالد بیٹے۔ سیفی اور روبینہ سگے بھائی بہن ہیں ؟!۔
بے پناہ خوشیوں نے اسے مغلوب کر دیا! اور اب محسوس ہوا کہ سیفی اسے جانا پہچانا کیوں لگا تھا۔ اس میں اور سید صاحب میں کافی شاہت تھی!۔
اس کی تمام پریشانیاں بھی ایکدم سے دور ہو گئی تھیں۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ اب تک گھرے اندھیروں میں بھٹکتا پھر رہا تھا کسی نے اس کا ہاتھ تھام کر اس وامید کی تیز روشنیوں میں لا کھڑا کیا ہو۔
یوں اچانک وہ روبینہ تک پہونچ سکے گا۔ اسے تو اس کا وہم و گمان بھی نہ تھا۔!"
سلمان نے تم سے کوئی ناواجب بات تو میری طرف سے نہیں کی۔؟" سید صاحب نے پوچھا "میں نے ان سے کہا تھا کہ تمھیں میرے پاس بھیجدیں!۔
جی۔ پتہ نہیں۔ ڈیڈی ابھی گھر پہونچے یا نہیں۔ میں تو سید ھا بینک سے آرہا ہوں۔ بہت دنوں سے سیفی سے ملاقات نہیں ہو سکی تھی۔ اور یہ تو مجھے خیالی

ہی نہ تھا۔ یہاں آپ مل جائیے گا!۔"
ابھی دونوں باہر ہی تھے کہ سیفی بھی آگیا۔ اور ایک پُرمسرت نعرہ مار کر خالد سے لپٹ گیا!۔ دونوں ہنسنے لگے!۔
"ابّا جان۔ یہ تو بالکل بنیا ہو کر رہ گیا ہے۔ دن رات بس ڈیبٹ کریڈٹ!"
سیفی نے قہقہہ لگا کر کہا۔ "ننانوے کے چکر میں دوستوں کو بھی بھول کے بیٹھ گئے۔
بس ڈیڈی کی مہربانی ہے.... " خالد نے اپنی افسردگی پر مسکراہٹ کا نقاب ڈال دیا۔ "ورنہ ایک فنکار کو دو اور دو چار سے کیا مطلب....!
لیکن ان کا حکم ہے۔ یہی سہی!!۔
اچھا آؤ۔ کھانا کھائیں۔ بے حد بھوک لگی ہے!۔" سیفی نے اسے بھی کھینچ لیا۔ روبینہ سامنے ہی کھڑی ملازمہ سے کچھ باتیں کر رہی تھی!۔ ایک مخصوص خوشبو پر مڑ کر دیکھا اور دفعتہً وہ پھول کی طرح کھل گئی۔!
آج آپ پھر راستہ بھول گئے!۔" وہ بے ساختہ بول پڑی!
سید صاحب نے ہنستے ہوئے کہا۔ "واقعی۔ آج تو مجھے لطف آگیا۔ خالد پوچھ رہے تھے۔ کیا سیفی آپ کے کوئی عزیز ہوتے ہیں!۔
سب کے ساتھ ساتھ خالد بھی ہنس پڑا۔
مگر آپ تو میرا پتہ مسعود بھائی۔ نیلم۔ نوید صاحب۔ سب سے پوچھ سکتے تھے!"
روبینہ نے کہا۔
پوچھ تو سکتا تھا۔" خالد نے کچھ جھجکا کر کہا۔ "مگر پوچھا نہیں۔ یہ لوگ۔ جو کچھ جانتے بوجھتے نہیں ہیں۔ کسی کے خلوص و محبت کا احترام نہیں کرتے۔ وہ نہیں کچھ سوچنے نہ لگتے اس لئے میں آپ کی تلاش میں مارا مارا پھرتا رہا۔ لیکن یہ گوارہ نہیں کیا کہ کسی سے آپ کا پتہ پوچھتا۔"

یہ نقش۔ نقشِ دوام بن گیا۔ خالد کے چہرے پر صداقت کا تاثر تھا۔ سب سوچنے لگے۔ جو کوئی دوسروں کے وقار اور پوزیشن کا اس قدر خیال رکھے وہ خود کبھی اپنی سطح سے نیچے نہیں گر سکتا۔ خواہ بے تکلفی اور خلوص کتنا ہی کیوں نہ بڑھ جائے!۔

سیفی بھی بہت متاثر ہوا تھا۔ وہ تو دیکھتا ہی تھا۔ اس کے دوستوں میں خالد ہی سب سے زیادہ الگ تھا۔ خاموش اور چپ چاپ۔ نہ کبھی وہ کسی فضول قسم کے پروگرام میں حصہ لیتا تھا۔ نہ عام جوانوں کی طرح اسے سطحی دلچسپیاں پسند تھیں۔ جو کبھی حلق پھاڑ کر قہقہے نہیں لگاتا تھا۔ بردبار اور کم آمیز لیکن بے انتہا پر محبت مخلص اور خوش مزاج۔! روبینہ کے دل میں بھی اس کی عقیدت اور محبت کئی گنا زیادہ بڑھ گئی تھی۔

پھر کھانے کی میز پر بھی بڑی دلچسپ باتیں ہوتی رہیں۔ کھانے کے بعد سید صاحب اپنے کمرے میں چلے گئے اور وہ تینوں برآمدے میں آ گئے!

آپ رات کے کھانے کے بعد کافی تو پیتے ہوں گے!" روبینہ نے پوچھا۔

جی نہیں۔ عادی تو نہیں ہوں۔ مگر آپ پلا دیں تو پی لوں گا!"

روبینہ کافی لے آئی۔ پھر لامتناہی باتیں چھڑ گئیں۔ نہ وقت کا احساس رہا۔ نہ ماحول کا۔ برآمدے کے باہر حدِ نظر تک پھیلی ہوئی چاندنی منجمد تھی! ہلکی ہلکی ہوائیں چل رہی تھیں!۔ رات کی رانی کی مہک نے انھیں بدمست بنا رکھا تھا! سیفی کے قہقہے تھے۔ روبینہ کی کھنکتی ہوئی ہنسی تھی اور خالد کے سنگیت تھے!۔ روبینہ کے قرب پر اس کے دل کے رگیں کھنچ رہی تھیں۔ کچھ ایسے احساسات تھے۔ ایسے جذبات تھے۔ جو ہزار چاہنے پر بھی وہ الفاظ کے روپ میں نہ ڈھال سکا۔!!

سیفی اس سے فرمائش کر رہا تھا کہ وہ روبینہ کو بھی کچھ سکھا دے!۔

ہاں۔میرا بے حد جی چاہتا ہے۔ میں بھی آپ کی طرح سب کچھ سیکھ لوں!۔" روبینہ نے بھائی کا سہارا پا کر کہا۔ وہ بھی بے حد خوش تھی۔ سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔کیا کہے کیا نہ کہے!۔ ویسے اس کا جی چاہ رہا تھا۔ یہ رات ابدی ہو جائے!۔

مجھے کیا آتا ہے!۔" اس نے ان گہری گہری نگاہوں کی تاب نہ لاکر جلدی سے بات بدل دی۔" لوگ مجھے کامیاب آرٹسٹ سمجھتے ہیں۔مگر میں سوچتا ہوں مجھے۔کچھ نہیں آتا۔ میں پیاسا ہوں۔میرا فن پیاسا ہے۔ ابھی مجھے خود بھی بہت کچھ سیکھنا ہے!!۔

بہر حال میری فرمائش نہ ٹالنا۔" سیفی نے ہنسکر کہا۔

مجھے وقت کہاں ملتا ہے۔سیفی! رات کو آٹھ بجے کے قریب گھر جاتا ہوں!۔ میں تم سے وعدہ کر لوں اور ایفا نہ کر سکوں تو تمھیں بھی رنج ہو گا اور مجھے بھی صدمہ پہونچے گا!!۔

دفتر سے سیدھے یہیں آجایا کرو۔" سیفی نے کہا۔" ہم روز تمھارا انتظار کریں گے۔

ہاں۔" روبینہ پھر اسے تکنے لگی۔" کھانا یہیں کھا لیا کیجئے۔آپ کو کونسی چیز پسند ہے۔میں آپ کے لئے پکا دیا کروں گی!۔

رشوت؟! سیفی نے پلکیں جھپکائیں۔

معاوضہ۔!۔" روبینہ ہنس پڑی۔سب ہی ہنسنے لگے!۔

پھر اس نے وعدہ کر لیا۔جو بھی روبینہ کا پسندیدہ ساز ہو۔وہ اسے سکھا دے گا!۔

اور پھر ان پر کوئی پابندی نہ رہ گئی۔ روز دفتر سے واپسی پر وہ سید صاحب کے ہاں چلا جاتا۔ اکثر سیفی ملتا۔ اکثر نہ ملتا۔ سید صاحب نے اپنی رواداری کی نگرانی بھی ہٹالی تھی۔ انھیں بعض وقت یہ بھی خبر نہ لگتی۔ وہ کب آیا کب گیا! وقت تیزی سے بھاگ رہا تھا۔!!

○
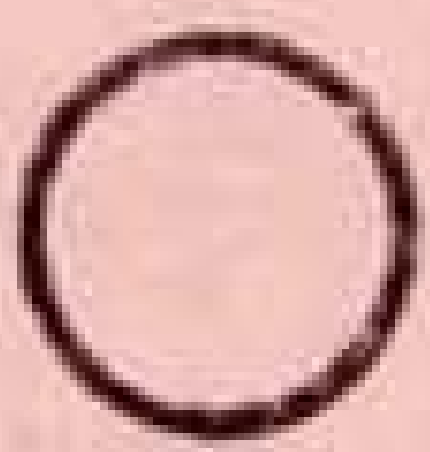
کرنل صاحب نے بالکل خاموشی اختیار کرلی تھی۔ بیگم صاحبہ تو دل سے چاہتی تھیں کہ گھر میں کسی قسم کی کوئی چپقلش نہ ہو۔ لیکن ناصیہ دل ہی دل میں کرنل صاحب کی خاموشی کو کسی بڑے طوفان کا پیش خیمہ سمجھ کر لرز رہی تھی!۔ نواب صاحب کی آمدورفت بہت بڑھ گئی تھی۔ اب وہ دن بھر کرنل صاحب کے ہاں جمے رہتے۔۔۔ تینوں وقت ان کے ساتھ ہی کھاتے۔ ساتھ ہی باہر بھی جاتے!۔۔۔ ان کی اس بڑھی ہوئی میل ملاقات سے سب نے سوچ لیا تھا کہ خالد پہ آئی ہوئی ٹل نہیں سکتی!۔

آثار تھے کہ گھر میں کوئی زبردست بات ہوگی۔! آخر کرنل صاحب کیوں خاموش تھے!؟۔ کچھ نہ کچھ پتہ تو خالد کو بھی چلتا ہی تھا۔ لیکن محبت نے اسے دلیر بنا دیا تھا۔ وہ ہر وقت مقابلہ پر آمادہ رہتا تھا۔ کون تھا جو اسکی مرضی کے خلاف کچھ کرسکتا!۔

اور ادھر اسے نوید نے بھی آہستہ آہستہ رگیدنا شروع کر دیا تھا۔ اپنے کام سے خالد کو سر اٹھانے کی مہلت نہ ملتی! لیکن وہ اس کی مصروفیت کا خیال کئے بغیر دفتر جا دھمکتا!۔ کبھی شعر و شاعری پر بحث کبھی اس کے فن کی ستائش۔ اور کبھی خاص طور پر سید صاحب کی ڈھکی چھپی برائیاں!۔ اسے جو

کچھ جواب ملتے تھے۔ وہ سو سے ضرب دے کر دوسروں کو سنا دیتا!۔ کرنل صاحب کے
مزاج میں بھی اس نے خاصہ دخل پیدا کر رکھا تھا!۔ ہر گھڑی یہ جھوٹی خبریں
دیتا رہتا۔ کہ خالد صاحب پھر فارن جانے کی تیاریاں کر رہے ہیں!۔ اور ادھر
نواب صاحب کو بہکاتا!۔ جو کچھ کرنا ہے جلدی کر دیجئے!۔

لیکن سید صاحب نے کبھی کان نہیں دھرا۔ وہ زمانہ ساز مطلب پرست
انسان نہیں تھے حد درجہ سیدھے سادے اور پرمحبت۔ مگر یہ تو دیکھتے ہی تھے۔
کون کتنے پانی میں ہے!۔ نوید ہی نے انھیں یہ خبر سنائی تھی کہ نواب صاحب اور
کرنل صاحب کے درمیان خالد کے رشتے کی بات پکی ہو چکی تھی۔ وہ اپنے دل
میں کچھ اور سوچ بیٹھے تھے!۔ یہ سن کر انھیں تھوڑی سی تکلیف تو ضرور ہوئی! لیکن
پھر انھوں نے خیال کیا۔ جیسی اپنی بچی ویسے دوسروں کی!۔ روبینہ کوئی عمر بھر بیٹھی
تو نہیں رہے گی۔ اس کے لئے بھی کوئی نہ کوئی صورت نکلے گی!۔

نوید کو پتہ نہ چلا کہ اور خالد ان کے ہاں روبینہ کو کوئی ساز سکھانے
جاتا ہے! لیکن یہ معلوم تھا کہ اس کی آمدورفت ان کے گھر میں ہے!۔ اس
نے اپنا ٹٹو آگے بڑھا دیا۔ اور خواہ مخواہ میجر اقبال کا تعارف سیفی سے کرا دیا!
بس وہ یہی چاہتا تھا۔ روبینہ خالد کو نہ ملے!۔ خواہ کسی اور کو مل جائے!!۔
اس نے یہ بھی چاہا کہ میجر صاحب کو روبینہ کی ایک آدھ جھلک دکھا دی جائے!
لیکن وہ اس میں کامیاب نہیں ہوا۔ ویسے وہ کم ہمت نہیں ہوا!۔ اپنا مشن برابر
جاری رکھا!۔ پھر ایک وقت جب سید صاحب بیٹھے اخبار پڑھ رہے تھے!۔ سیفی
شیو بنا رہا تھا۔ وہ کوئی پروگرام لے کر جا پہونچا۔

اسے دیکھ کر دونوں کو روبینہ کی باتیں یاد آگئیں!۔

بھئی۔ آج۔ نیلم نے پکنک کا پروگرام بنایا ہے۔" نوید نے کہا "میرے سپرد

اس نے یہ خدمت کر دی ہے کہ میں تمھیں اور روبینہ کو لے آؤں۔ کل صبح نکل چلیں گے۔ پرسوں صبح واپسی ہو گی!۔

سیفی صابن پر جلدی جلدی برش پھیرنے لگا۔ سید صاحب نے بات اَن سنی کر دی۔

میں ذرا روبینہ سے کہہ دوں۔" وہ اٹھنے لگا۔" ظاہر ہے تیاریوں میں انھیں دیر لگے گی!۔

نہیں نہیں۔ تم بیٹھو۔" سیفی نے جلدی سے کہا۔" میں کہہ دوں گا۔ کم از کم میں ان سے جواب تو لے لوں!۔

بات یہ ہے۔ نوید۔" سید صاحب نے اخبار ایک طرف رکھتے ہوئے کہا۔" ان دنوں میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ سیفی دن بھر آفس میں رہتے ہیں!۔ روبینہ کی موجودگی میرے لئے ضروری ہے!"

لیکن پرسوں تک ۔۔۔! نوید نے کچھ کہنا چاہا۔

اس کے بغیر تمھارے پروگرام میں کوئی حرج تو نہ ہو گا۔" سید صاحب نے بے رخی سے کہا۔" وہ پھر کبھی چلی جائے گی۔

نوید اتنا احمق بھی نہ تھا۔ اور برا بھلا سلوک تو جانور بھی پہچانتے ہیں سید صاحب اور سیفی کے سلوک میں پہلے کی سی گرمجوشی بھی نہ تھی!

اِدھر سے مایوس ہو کر بینک پہونچا۔ ابھی ابھی خالد آ کر اپنے اجلاس میں پہونچا تھا۔ اسے دیکھ کر نوید قدرے گھبرا گیا۔

کہیں لینے کے دینے نہ پڑ جائیں۔ وہ کوئی غیر ذمہ دار شخص نہیں ہے۔ ایک بہت بڑا عہدے دار ۔۔۔ فارن منسٹر نمنٹڈ ۔۔۔۔۔! پل بھر کے لئے وہ مرعوب سا ہو گیا!۔

فرمایئے!" خالد نے مسکرا کر اس کی تقدیم کی!۔

تمہیں تو فرصت ہی نہیں ہو گی۔ کہنا سننا بیکار ہے!" نوید نے دل ہی دل میں اسے برا بھلا کہتے ہوئے بظاہر ہنس کر کہا۔

پھر بھی!۔" خالد نے گھنٹی بجا کر چپراسی کو بلایا اور اسے چائے کی ہدایت دے کر پھر نوید کی طرف متوجہ ہو گیا!۔

کوئی پروگرام۔؟" وہ مسکرایا۔

ٹھیک سمجھے" نوید نے مسکرا کر کہا" اگر اپنا تھوڑا سا وقت دے سکو تو۔ دراصل یہ میری نہیں۔ اقبال صاحب کی فرمائش ہے!۔ وہ اور اپنا پورا گروپ کل صبح پکنک پر جا رہا ہے!۔ ان کی بڑی خواہش ہے کہ تمھاری آواز سنیں۔ بھئی! سیفی اپنا دوست ہے!۔ روبینہ ان کی بہن ہے اور کل کلاں کو میجر صاحب ان کے خاندان کے فرد ہو جائیں گے۔ کچھ تو ہمیں بھی اپنے دوستوں کا خیال رکھنا چاہیئے!

چپراسی چائے لے آیا۔ اور کپ بنا کر خالد اور نوید کے سامنے رکھ دی۔ میجر اقبال۔ خالد نے گہری سنجیدگی سے کہا" میں نہیں جانتا۔ یہ کون ہیں! اور نہ مجھے اس کی خواہش ہے کہ میں ان کا دل رکھوں؟! براہ مہربانی۔ میری طرف سے معذرت کر لیجیئے گا!۔ مجھے اس وقت بہت کام ہے!!"

وہ سمجھ چکا تھا۔ یہ سب کچھ کہنے سے اس کا مقصد یہی تھا کہ میجر کی فضیلت برقرار رکھے۔ نوید کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔!

مگر سیفی۔ ۔ ۔ ۔!" نوید نے گھبرا کر کہا۔

سیفی سے بھی یہی کہہ دو" خالد نے درست لہجے میں کہا" میرے پاس اپنی فرمائشیں نہ بھیجیں!۔"

پھر اس کے جاتے ہی اس نے روبینہ کو فون کیا!۔

اس کی جھکی ہوئی پُر مسرّت آواز سن کر خالد کے رگ و پے میں نشہ سا تیر گیا!۔

"روبینہ!۔ کیا آپ سیفی اور آپ کے دوست احباب کل کسی پکنک پر جا رہے ہیں؟۔ مجھ سے ابھی ابھی ایک صاحب نے کہا۔ اگر آپ کی خواہش ہے کہ میں بھی شریک ہوں تو میں بسر و چشم ۔۔! " اس کی بات ادھوری رہ گئی

دوست احباب کا نام نہ لیجئے۔" روبینہ نے بات کاٹ دی تھی۔ "آپ ہی نے تو کہا تھا۔ سب سے پردہ کیا کرو۔ میں کسی پکنک پر نہیں جا رہی ہوں۔ نہ مجھے معلوم ہے۔ پکنک کہاں ہے۔ آپ بس ہمارے گھر ہی پر آ جائیے۔

سیفی صاحب کہاں ہیں؟!۔

بھائی جان گھر پر نہیں ہیں؟!۔۔ تو پھر آپ رات کو آئیے گا نا۔

ضرور آؤں گا!۔

وہ سوچتا رہ گیا۔ آخر نوید کا مقصد کیا تھا؟۔ دن بھر کسی کام میں اس کا جی نہ لگا۔ اب جب سرِ شام وہ منزل پہونچا۔ تو سید صاحب کسی کام سے جا چکے تھے۔ سیفی ابھی تک دفتر سے واپس نہیں آیا تھا۔ تنہا روبینہ اس کی منتظر تھی!۔

میجر اقبال۔۔۔؟ روبینہ کا چہرہ دیکھتے ہی اسے یاد آ گیا۔ کیا یہ سب کچھ صرف تفریح ہے۔ اور کچھ بھی نہیں!۔ جس پاگل پن کے پیچھے وہ اپنے ماں باپ اور بہنوں کا برا بن رہا ہے۔ جس کے لئے اپنی زندگی وقف کر دی ہے۔ کیا وہ اس کی اپنی نہیں ہے!؟۔

آپ کچھ پریشان ہیں؟!" روبینہ پوچھ رہی تھی؟۔

ہزار چاہنے پر بھی اس کے لبوں سے میجر کا نام نہ نکلا۔ کیا سوچے گی؟

روبینہ ۔ کہیں اسے بھی عام سطحی انسان نہ سمجھے ۔ جو کسی سے رشک و رقابت بھی کر سکتا ہے ! ۔ کسی سے جل سکتا ہے ! ۔

اس کے نزدیک اظہار محبت خودداری کے منافی تھا ! تصوّرِ عشق اس کے پاس نہایت ہی بلند تھا ! ۔ اسے تو بس یہی کافی تھا کہ روبینہ بغیر کہے سنے کچھ آنکھوں آنکھوں میں کہہ دے ۔ اور کچھ وہ جواب بھی دے دے ! ! ۔

کچھ بولئے نا ! " روبینہ فکرمند تھی " آج آپ اتنے خاموش کیوں ہیں ؟ ! ۔ اس نے بڑے پیار سے اس پرسش پر سر اٹھا کر اسے دیکھا ہلکے سبز لباس میں ملبوس ۔ کاہی رنگ کا جوڑا سا فیتہ اب بھی بالوں میں لہرا رہا تھا ! ۔ پرفسوں سیاہ اور نشیلی آنکھیں ۔ سرخ لب اور رخساروں میں پڑنے والے گہرے گہرے گڑھے ! ! ۔

آپ کو کیسے پتہ چلا ۔ کسنے آپ سے کہا تھا ۔ میں کہیں جا رہی ہوں ! ۔

وہ بات تو ختم ہو گئی ۔ محترمہ روبینہ ! ۔ " اس نے طویل سانس لے کر کہا ۔ "

محترمہ روبینہ ! ۔ " روبینہ ہنس پڑی ۔ پھر بڑے التجائیہ انداز میں بولی " ایک التجا کر دوں آپ سے ! ۔

حکم دیجئے ! ۔ "

آپ مجھے اتنے ادب و احترام سے کیوں مخاطب کرتے ہیں ۔ جو بھائی جان کہتے ہیں ۔ وہی آپ بھی کہیے ۔ ! نہ آپ جناب ۔ نہ محترمہ روبینہ ! ۔

وہ آپ کے بھائی ہیں ! ۔

آپ کچھ بھی نہیں ہیں ؟ ! ۔

جی ؟ " خالد دھک سے رہ گیا ! ۔

آپ خود کو اتنا غیر سمجھتے ہیں!۔

میں غیر ہی تو ہوں!۔

اب کہاں ہیں۔" وہی معصوم اور مکروفریب سے بے نیاز لہجہ۔" الماس ہمارے گھر آجائے گی۔ ہم سب ایک ہو جائیں گے!۔

خدا کرے کہ ایسا ہی ہو جائے!۔" خالد کے ہنسنے پر وہ شرم سے گلابی ہو گئی اور جلدی سے بات پلٹ دی۔" الماس بھی بہت دنوں سے نہیں ملی۔ شاید شرماتی ہے مجھ سے!۔

الماس میرے گھر سے چلی جائے گی۔ اس کے خلا کو کون پر کرے گا؟" خالد نے کہا اور پھر سگریٹ سلگا کر اس کے ہلکے ہلکے کش لینے لگا۔ وہ روبینہ کے شرمانے سے بے حد محظوظ ہو اٹھا۔

آپ کی دلہن۔!" روبینہ مسکرائی۔" آپ کے لئے تو آپ کی سی حسین ساتھی بھی ہونی چاہیئے!۔

ضرور ہونی چاہیئے!۔ ہمیں آپ ہی دیکھئے!۔

اتنے دنوں تو آپ باہر رہ آئے۔ کہیں دیکھا نہیں۔ اپنی ٹکر کا حسن!۔

دیکھا تو ہے۔ لیکن۔ یہ نہیں بتا سکتا کہ کہاں دیکھا ہے!؟۔

اب بتا بھی دیجئے!۔

خفا تو نہ ہو جائیے گا ہے۔" خالد ہنستا ہوا اٹھا اور دھیرے سے روبینہ کے شانے تھام کر اسے قدِ آدم آئینے کے سامنے کھڑا کر دیا!۔

روبینہ جھینپی شرمائی جلدی سے اس کے ہاتھوں سے چھوٹ گئی۔

اگر اجازت دیجئے تو کچھ عرض کر دوں!۔" خالد نے اس کے پاس آ کر بڑی شریر آواز میں کہا۔

وہ پھر کرنازسے یوں ایک دن کہنے لگے
سچ! کہو دیکھا ہے تم نے میرا ایسا اور بھی؟
چھیڑ سے میں نے بھی آئینہ دکھا کر کہدیا
خوبرو بیدا کیا ہے دیکھ تجھ سا اور بھی!

شکریہ!" روبینہ نے بھی شرارت سے برا سا منھ بنا کر کہا" جس کسی کی شکل اچھی ہو اسے سنائیے۔ جس کی اچھی نہو۔ اسے کیوں بناتے ہیں آپ؟!

خالد پھر سوچ میں پڑ گیا۔ روبینہ کے لیئے یہ مذاق ہے۔؟ لیکن خود اسکے لیئے ایک سنجیدہ حقیقت۔ کیا ابھی تک روبینہ کو معلوم نہیں ہے!۔ وہ کسی کا منگیتر تھا؟۔ اگر یہ ہوتا تو شاید وہ اتنا بے تکلفی سے اس سے نہ مل سکتی!!۔

اس کی مسرتوں پر پھر اوس پڑ گئی۔۔ رات گئے گھر پہونچا۔ اور ایک نرس نے اسے دالان کے سرے پر ہی روک دیا۔

ممی کیسی ہیں؟!" وہ اپنے گھر پر نرس کو دیکھ کر گھبرا گیا۔

ٹھیک ہیں۔ لیکن مسز فیروز۔۔ ادھر ہی ہیں" نرس نے کہا۔

اچھا وہ۔!" خالد کے خوش ہونے سے پہلے ہی ادھر کرنل صاحب آگئے پھر اسے الماس اور اس کی سہیلیاں بھی دکھائی دیں۔ کرنل صاحب سے بچنے کے لیئے وہ ان میں جا ملا۔ جیسے خوب صورت چڑیلوں کے غول میں راج ہنس!!

خالد۔۔" ہفتوں مہینوں کے بعد کرنل صاحب نے اسے مخاطب کیا تھا۔ جاؤ۔ فوراً لیڈی ڈاکٹر کو لے کر آؤ!۔

زہے نصیب!" وہ زیر لب گنگنایا۔ اور الٹے قدموں پھر باہر نکل گیا۔

بھئی واہ۔ باپ کون بنے۔ لیڈی ڈاکٹر کو کون لینے بھاگے؟!۔

قریب قریب گھنٹہ بھر بعد وہ لیڈی ڈاکٹر کو لے کر پلٹا اور نرس اسے

لئے ہوئے چلی گئی۔

وہ دالان کے ستون سے پیٹھ ٹیک کر کھڑا ہو گیا۔

شادی۔ بچے۔ دردسری۔ ۔ ۔ ۔ مصیبت۔ لاحول ولاقوۃ۔

لاحول اس نے زور سے پڑھ دیا اور اپنے پیچھے کھنکتے قہقہے سن کر مڑا۔

آپ لوگ سوچ کو بھی سن لیتی ہیں؟" اس نے حیرت سے کہا۔

آپ سے کون بول رہا ہے" عشرت نے للکارا" آپ جائیے یہاں سے!۔

پتہ نہیں۔ آپا کیسی ہیں؟!" نیلم بولی۔

عورت انسانیت کو جنم دیتے ہوئے کبھی تکلیف محسوس نہیں کرتی" اس نے سگریٹ سلگا کر گہرا کش لیا اور بڑے مقرروں کی طرح بولا" وہ ایک انسان کو پیدا کرتی ہے۔ جو آگے چل کر شہنشاہ۔ آمر۔ مردِ مومن یا فوق البشر ہو جاتا ہے! اپنے جسم سے وہ زندگی پیدا کرتی ہے۔ اسے فخر ہوتا ہے۔ دکھ نہیں!۔

واہ۔ پروفیسر صاحب۔!" کلا نے جلے بھنے لہجے میں کہا" آپ عورت ہوتے تو بھول جاتے یہ لن ترانی۔!!

میں تو یہ کہہ رہا تھا کہ دعا مانگو۔ توبہ کرو۔ اللہ کسی کو عورت نہ بنائے!۔

آپ سچ مچ بے حد خراب ہیں!" عشرت بولی۔

اچھا ہوتا۔ آپ بھی عورت ہوتے!۔" کلا بولی۔

فرض کر لو۔ عورت ہی ہوں پھر" خالد چپکے چپکے ہنس رہا تھا۔

پھر کیا۔ لیڈی ڈاکٹر آپ کے لئے بھی آتی!۔" نیلم جل گئی۔

ضرور آتی۔ اس کے بعد۔!" وہ سب کو چھیڑنے پر تل گیا تھا۔

اس کے بعد آپ ننھے کی ادی بنتے۔ دودھ پلاتے!" بے اختیار کلا کے منہ سے نکل گیا۔

ہاں۔ امی کھلاتا۔ دودھ پلاتا۔ پھر۔؟!" اسے ہنسی آگئی۔

پھر میرا سر۔!" کلا جل بھن کر خاک ہو گئی۔ اسی وقت نرس کو ادھر آتے دیکھ کر وہ خود ہی لڑکیوں کے پاس سے ہٹ گیا۔ لڑکیاں نرس کے لپٹ پڑیں۔ وہ شور مچا کے اس نے کانوں پر ہاتھ رکھ لئے!۔ پھر وہ واپس جانے لگی۔

سنئے۔ بہن۔ مسز فیروز اب کیسی ہیں؟!" خالد نے نرس کو آواز دی۔

بہن۔؟!" نرس رک گئی اور حیرت سے اسے دیکھنے لگی۔ روشنی و تاریکی کے ہلکے سے امتزاج میں وہ انسان نہیں۔ آسمان سے اترا ہوا فرشتہ لگ رہا تھا!۔ دراز قد۔ بھاری بھرکم۔ حسین اور متبسّم!!۔

نرس کی آنکھیں جھپک گئیں۔

خالد مسکرا رہا تھا "آپ نے جواب نہیں دیا۔ میری آپا جی کیسی ہیں؟!"

وہ ایک پیارے سے بچے کی ماں بن گئی ہیں۔ جناب!" نرس نے ہولے سے کہا اور وہاں سے چلی گئی۔

وہ بے حد خوش تھا۔ کسی نامعلوم احساس سے مغلوب ہو کر اس نے دونوں ہاتھ دعا کے پیرایہ میں اٹھا دیئے!۔

○

سیفی بھی بے خبر نہیں تھا!۔ وہ لاکھ مخلص ہو۔ احمق تو نہ تھا۔! اسید صاحب نے نوید اور میجر اقبال کو رتی بھر منھ نہیں لگایا۔ سیفی بھی بددل تھا۔ پھر اس نے سوچا۔ کہ اپنی بہن سے پوچھ ہی لینا چاہیئے۔ روبینہ دراز میں پھول سجا رہی تھی۔ سیفی کو دیکھ کر وہ مسکرائی۔

کوئی خاص بات ہے بھائی جان ؟۔

نئی صبح کے اجالے میں وہ سیفی کو کوئی آسمانی مخلوق لگی ۔۔ یہ حسین اور معصوم لڑکی اور اقبال ؟۔

سیفی نے اسے اپنے سینے سے لگا لیا۔

بینا۔ میں تم سے ایک بات پوچھنا چاہتا ہوں !۔ تم تعلیم یافتہ روشن خیال اور سمجھ دار لڑکی ہو۔ تو پھر پوچھوں ؟۔

ضرور پوچھئے۔

" بینا۔ اگر تمھارے شریک زندگی کا مسئلہ درپیش ہوا تو تم ہمیں اپنا مختار بناؤ گی یا اپنی مرضی کی پابند رہو گی !"

روبینہ گلابی ہو گئی۔ اس کے ذہن میں باری باری وہ سب لوگ پھرنے لگے جنھوں نے کبھی نہ کبھی اس کے لئے درخواست کی تھی !۔

وہ اس کے پہلو سے الگ ہو کر میز کے پاس جا کھڑی ہوئی۔

بینا۔ بولو بہن۔ ہمیں تمھاری رائے کا انتظار رہے گا !۔

ہر حال میں آپ میرے مختار ہیں بھائی جان !۔" بڑی مشکل سے وہ بول سکی۔"

وہ تو یہی سمجھ رہی تھی۔ شاید سیفی خالد کے لئے کہہ رہا تھا۔ اسید صاحب نے بھی اس کا یہ جواب سنا تھا۔ لیکن وہ فکر مند ہو گئے۔ پھر یہ بھی خیال آیا۔ روبینہ کے لئے کیا کریں ؟۔ نوید نے تو بہت پہلے ہی ان کے سینے میں بھالا گھونپ دیا تھا! وہ سوچ رہے تھے !۔ روبینہ نوید یا میجر کے سلسلے میں راضی نہیں ہو گی۔ اس نے دونوں کے سلسلے میں اپنی نفرت کا اظہار کیا تھا۔ اور خالد۔ وہ تو قریب قریب روز ہی آتا تھا۔ ہر رات کو ان کے ہاں نہایت دلچسپ نشست ہوتی۔ لیکن

کبھی روبینہ نے خالہ کی آمد و رفت پر اعتراض نہیں کیا تھا۔ چاہے روبینہ زبان سے نہ کہے!۔ لیکن اس کے ہر انداز میں والہانہ پن ہوتا تھا۔ بےساختگی اور پوشیدہ پوشیدہ سی محبت ہے۔

اور اب تو سوائے وائلن کی مشق کے روبینہ کا کوئی اور کام ہی نہ رہ گیا تھا وہ ہنستے تھے۔ لیکن کبھی انھوں نے اس کی حوصلہ شکنی نہیں کی!۔ اپنے کمرے میں بیٹھی بے سری دھنیں نکالتی رہتی اس کی بے پناہ خواہش تھی۔ وہ بھی وہی سب کچھ سیکھ لے۔ جو اس کا معلّم جانتا تھا!۔

اتوار کا دن تھا۔ بے کیف اور اداس سا!۔ اس نے ساز اٹھایا اور ایک جھنکار سی فضا میں تحلیل ہو گئی!!۔

اس محبت کا انجام کیا ہوگا؟۔ اور بھائی جان نے کیوں میری رائے لینی ضروری کبھی!۔ وہ سوچ رہی تھی!۔ اسے نوید وغیرہ سے ڈر ہی لگتا رہتا تھا!۔ کیا پھر کوئی شوشہ اٹھ کھڑا ہوا ہے۔ اباجان بھولے بھالے بزرگ ہیں۔ کہیں کسی کی الٹی سیدھی درخواست منظور نہ کر لیں!۔ کیا ہوگا؟ اگر ایسا ہوا۔ وہ خواب جو اس نے سجائے تھے!۔ کہیں بے تعبیر نہ رہ جائیں!۔ خوابوں کا دیوتا جسنے آج تک کچھ بھی اپنی زبان سے نہیں کہا تھا۔!!۔ کیا وہ صرف تفریح کر رہا ہے! محبت کی اہمیت اس کے نزدیک کچھ ہے ہی نہیں!۔ کیا وہ اپنی ہی آگ میں پھنک رہی تھی؟!۔ پھر اس کی سہیلیاں آ گئیں... اور بے تکے مذاق اور غیر دلچسپ قہقہے لگنے لگے!!۔ روبینہ کا جی نہیں چاہ رہا تھا۔ وہ یہ سب کچھ برداشت کرے!۔ مگر اسے خواہ مخواہ شریک ہونا پڑا۔

ارے۔ یہ تو تان سین کی نانی اماں بن کر رہ گئی ہے۔۔۔" تبسم بولی۔" جب دیکھو۔ ایں ایں ٹیں ٹیں!

فنکار ہے!" ناز نے دیدے نچائے "ہمسری کرے گی کسی کی ؟!
مجھے کسی کی ہمسری کا شوق نہیں ہے!" روبینہ سمجھ گئی تھی۔ جل گئی۔
"سچ! ۔ کون خوش نصیب ہو گی۔ جسے اتنے بڑے آرٹسٹ کی بیوی بننا نصیب ہو گا۔!" ناز نے ٹھنڈی سانس لی!"

"وہ تو طے ہے۔ تم نے سنا نہیں۔ دس برس پرانی منگنی ہے۔ جناب۔ جملہ حقوق پہلے ہی محفوظ ہیں۔" نیلم نے یونہی کہدیا تھا۔ مگر روبینہ یوں چونک پڑی جیسے بیٹھے بیٹھے کسی نے چٹکی لے لی ہو۔!

"لیکن سنا تھا۔ باپ بیٹے میں چوٹیں چلا کرتی ہیں؟" سیمیں تعجب سے بولی۔"

"چوٹیں" نیلم ہنسی "ارے! خالد صاحب میں اتنی ہمت ہی کب ہے۔ وہ عدول حکمی کا خیال ہی کر سکیں!۔ لیکن بے چارے دل ہی دل میں کڑھتے ہیں!۔"

"کیا ایسے اپٹوڈیٹ انسان بھی یوں مجبور کر دیئے جاتے ہیں!"
ناز نے کہا۔

"اپٹوڈیٹ۔ اوروں کے لئے ہیں۔ باپ کے لئے نہیں!" نیلم نے کہا "کیا کریں بے چارے۔ آخر کار سر جھکا ہی دیں گے!۔ ارے ہاں۔ روبی۔ اب تو تمھارا اس گھرانے سے رشتہ ہو جائے گا۔ تمھیں تو سب کچھ معلوم ہو گا!۔"

روبینہ نے بڑی مشکل سے چھلکتے ہوئے آنسو پیئے!۔ اور اٹھ کر چلی گئی۔
یہی تو وجہ تھی ان کی بے اعتنائی کی؟۔ وہ تو کب کے دوسروں کے ہو چکے تھے!!
روبینہ کے دل میں خاک اڑنے لگی!۔ یہ کیسا اندھا دھند سودا کیا تھا۔ بن

جانے بوجھے۔!! کسی کی کوئی زبردستی تو نہیں تھی ؟۔ یہ تو اس کی اپنی حماقت تھی!!۔"

اپنی سہیلیوں کو رخصت کر کے وہ اندر آئی!۔ بستر پر اوندھی سیدھی گری اور پھر سسکیاں لینے لگی۔ جانے کیا وقت ہوا تھا!۔ گرد و پیش سے بے خبر۔ وہ اپنے کو منانے میں لگی تھی!!۔

یک بیک اس کے کمرے میں ایک مخصوص خوشبو پھیل گئی۔ پرہیجان اور جذبات انگیز۔ اس نے جلدی جلدی آنسو پونچھے اور سر اٹھایا!۔

آپ آگئے!۔" وہ زبردستی مسکرائی۔ لیکن سرخ اور سوجی آنکھوں نے اپنا راز کھول دیا!۔

خالد اسے لگاتار دیکھ رہا تھا!۔ "آپ رو رہی تھیں ؟!"

جی۔جی نہیں تو۔ آپ بیٹھئے۔" وہ پھر مسکرائی "کیا دیکھ رہے ہیں آپ اس طرح۔!

"خالق کامل کی صنعت کامل کو دیکھ رہا تھا!" خالد نے پاس آکر اس کا چہرہ اٹھایا!"

کیوں رو رہی تھیں۔! میرے کسی بات سے آپ کو صدمہ پہونچا ؟!"

آپ تو دوسروں کے ہیں...... آپ دوسروں کے ہیں۔ اس کا دل چلّا رہا تھا!۔ یہ دردمندی۔ یہ خلوص۔ اب کس کام کا۔

سر میں درد تھا!۔ زکام ہو گیا ہے!۔" وہ بولی۔

رو بینہ!" خالد نے طویل سانس بھر کر بیٹھتے ہوئے کہا۔

زمیں پہ بھیج دیا خیر مصلحت اس کی
تمھیں تو چاند بنانا تھا آسماں کے لئے

"بس..... اس نے طنزیہ دوہرایا: "صرف چاند۔ آپ کی تشبیہہ چاند سے آگے نہ بڑھی!۔ اس میں دہرا کیا ہے۔ صورت حسین۔ سیرت پتھر!!۔ اور پھر وا اغذار ہ۔!!"

"سنئے" اس نے بڑے خاص انداز سے کہا: انجیل مقدس میں ایک روائت نقل ہے!۔ ایک رات آسمان پر دو فرشتے ـــ

میری تعریفیں کر کے آپ کہیں مجھے مغرور نہ بنا دیجئے گا!" وہ بے حد اداس ہو رہی تھی نہ تو اس کی پذیرائی کر سکی نہ ہی ساز سیکھنے کی خواہش کی!۔

خالد نے خود ہی کہا: "اچھا۔ سنائیے۔ آپ نے کتنا ریاض کیا ہے؟!۔

جی تو چاہتا ہے۔ سب کچھ سیکھ لوں" اس نے رُندھی آواز سے کہا: "آپ کی طرح۔ کیسے سیکھا ہوگا۔ آپ نے یہ سب کچھ۔ اس رات آپ باری باری ایک ایک ساز بجا رہے تھے۔ اور مجھے یوں لگ رہا تھا کہ جیسے آپ کے ہر ساز میں میرا دل پہ سیخ رہا تھا!۔

اچھا۔؟" وہ ہنسنے لگا!۔

سچ سچ آپ ـــ!

"روبینہ۔ آخر یہ کیا ناانصافی ہے" خالد نے مسکرا کر پہلی بار اسے تم کہکر مخاطب کیا: "مجھ سے کہتی ہو کہ آپ کہکر نہ مخاطب کیجئے اور خود میرا نام نہیں لیتیں!۔

کیسے لوں آپ کا نام۔ پھر اس کے دل میں ہلچل ہونے لگی۔

نام نہیں لیتے!" ویسے وہ شرما گئی۔

"کیوں؟" حیرت سے خالد نے پوچھا: "ہمارے آکسفورڈ میں ـــ!"

ہائے اللہ۔ میں آپ سے کیسے کہوں۔ یہ آپ کا آکسفورڈ نہیں۔ روبینہ کا گھر ہے!"

صرف ردبینہ کا گھر ؟ ۔ میرا نہیں ؟! ۔" اس نے سر جھکا کر وائلن کے تاروں پر اسٹک پھیرتے ہوئے کہا ۔

آپ کو مبارکباد دینا تو بھول ہی گئی !۔" ردبینہ نے پھر بات کاٹ دی ۔

کاہے کی مبارکباد ۔!

آپ ماموں جان بن گئے !۔

اوہ ۔ وہ ۔ اس خوشی میں کیا کھلائیں گی آپ ؟۔

واہ ۔ آپ اچھے ہیں ۔ مٹھائی تو آپ کو کھلانی چاہیئے !۔

ابھی لے آؤں ؟!۔" وہ اٹھنے لگا ۔"

اچھا جانے دیجئے !۔ مٹھائی ہم معاف کر دیں گے !۔ لیکن ایک شرط پر ۔

فرمایئے !۔

مجھے بھی کچھ سنا دیجئے !۔

بسر و چشم !" وہ مسکرایا ۔" دراصل نغمہ و ساز کو زبان تو آج ہی ملی ہے !

اس نے پھر وائلن اٹھا لیا اور ایک خوبصورت سی دُھن چھیڑ دی ۔!

شریک غم دعا ہے اور میں ہوں ۔ خدا سے التجا ہے اور میں ہوں

حضورِ حُسن جھکتا جا رہا ہوں ۔ تقاضائے وفا ہے اور میں ہوں

اگر ہے ناخدا ناخوش تو کیا ہے ۔ ابھی میرا خدا ہے اور میں ہوں

یہ کیا معراج کم ہے بندگی کی ! ۔ جبیں ہے نقشِ پا ہے اور میں ہوں

چراغِ زندگی کی خیر یارب ! ۔ ہوا کا سامنا ہے اور میں ہوں !

ماحول اور وقت کی سحر آفرینی ۔ تنہائی اور ایکدوسرے کا قرب ۔ ردبینہ کے جذبات کچھ چاہنے لگے ۔ خالد کی جتسم اور محبت پاش نظریں ۔ ! وہ بے چین ہو گئی !۔"

میں ہوں۔ میں ہوں" اس نے مرتعش لہجے میں کہا: "کاش! میں بھی ہوتی!!
خالد کا دل دھڑک اٹھا۔ اس سے خود بھی ضبط دوبھر ہو رہا تھا۔ وہ کوئی جواب
نہ دے سکا۔ سر جھکا کر وائلن کی اسٹک سے فرش بجانے لگا!۔
روبینہ!۔ بالآخر اس نے لرزتے ہوئے لہجے میں کہا: "یہ سب کچھ۔ بیکار
ہے جب تک۔ تمھارا ساتھ نہ ہو۔!۔ میرا فن۔ اور میں خود۔ تاریک فانوس
ہیں۔ ان میں تمھارے وجود کی روشنی چاہیئے!۔ مجھے۔ جواب دو۔ میں کوئی خواب
تو نہیں دیکھ رہا ہوں!۔"
خواب ہی سمجھ کر بھول جائیے۔ ہر خواب کی تعبیر نہیں ہوتی۔ بعض خواب
پریشاں بھی ہوتے ہیں!۔" روبینہ نے کہہ ہی دیا "آپ کسی اور کے ہیں!!۔
میں کسی کا نہیں ہوں" خالد نے حتاثر کن لہجے میں کہا: "میری صرف
اتنی سی التجا ہے۔ مجھے تم اپنا سمجھو اور بس!!۔
مجھے پتہ چلا تھا کہ آپ....
وہ سب بیکار بکواس ہے۔ بیٹا۔ شادی دل کا سودا ہے جسم کا نہیں!
اور یہ تو میری اولین محبت ہے!!۔ بولو۔ بیٹا۔ کہیں تم کچھ اور تو نہیں سمجھ
رہی ہو؟!" اس نے اس کا آنچل تھام کر بڑے انکسار سے پوچھا۔
کہنے کو تو روبینہ نے کہہ دیا تھا مگر اس کے سارے جسم کا خون سمٹ کر چہرے
پر آگیا تھا۔
بنیا۔ تم مجھ سے بدظن تو نہیں ہو گی!!۔
جی نہیں!۔" اس نے دھیرے سے کہا اور اس کے ہاتھ سے آنچل
چھڑا کر بھاگ گئی!۔
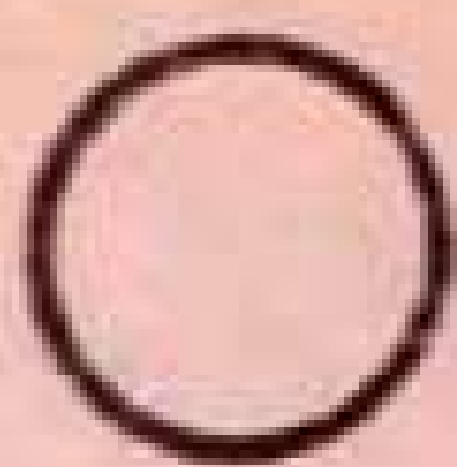
آپا کے چلّے کی تقریب تھی!۔ تھوڑی بہت دھوم دھام سے منائی گئی۔!
کرنل صاحب بے حد بدلے ہوئے لگ رہے تھے!۔ تبھی ڈرتے ڈرتے الماس نے اپنے کنگنوں کی فرمائش کردی۔
ہاں ہاں۔ ضرور۔" انھوں نے جیبیں ٹٹولتے ہوئے کہا۔" کتنے میں آئیں گے تمھارے کنگن۔" بڑی فراخدلی سے انھوں نے چند نوٹ نکال کر الماس کو تھما دیئے۔
الماس نے معنی خیز انداز میں خالد کو دیکھتے ہوئے نوٹ لئے اور کرنل صاحب کو سلام کرتی ہوئی ہٹ گئی۔
ڈیڈی۔ میں نے کیا خطا کی ہے؟!" خالد کے منھ سے نکل گیا۔ کدھر ہو تم سامنے آؤ!۔
اور دل ہی دل میں خود کو برا بھلا کہتے ہوئے وہ سامنے آکھڑا ہوا۔
کرنل صاحب کو مسکراتے دیکھ کر اس نے عجیب سا محسوس کیا۔ حیرت۔ مسرت ایک ایسے انہونے سے جذبے کا۔ جسے وہ کوئی نام نہ دے سکا۔ لیکن یہ خواہش بڑی شدت سے اس کے دل میں پیدا ہوئی۔ وہ ایک ننھا سا بچہ بن جائے اور اپنے باپ کے سینے سے لگ جائے!۔
اس نے انھیں دیکھا۔ پُر وقار پُر جلال چہرہ۔ اس عمر میں بھی آنکھوں میں بجلیاں کوندرہی تھیں!۔ یک بیک ان کی اور خالد کی نظریں ملیں۔
وہ سر سے پاؤں تک کانپ اٹھا۔

کیا لے گا۔ میرا بیٹا ؟!"

یہ لہجہ۔ یہ آواز۔ کیا یہ کرنل صاحب کی تھی ؟۔ طنز و تعریض سے خالی۔ محبت اور شفقت میں ڈوبی ہوئی۔ ممی تک حیرت سے انھیں دیکھنے لگیں۔

خالد نے چونک کر سر اٹھایا۔ وہ اب بھی مسکرا رہے تھے!۔

"ارے تو اتنے بڑے بینک کا منیجر ہے۔ ڈھائی تین ہزار ماہانہ تنخواہ پاتا ہے۔ اور پھر بھی میری جیب پر نظر ہے تیری!"

کچھ بھی ہلو۔ ڈیڈی" وہ ننھے بچوں کی طرح ٹھنکا "پھر آپ نے الماس کو کیوں دیئے!۔"

اچھا بھائی اچھا۔ لڑو نہیں مجھ سے!۔" انھوں نے نہ جانے کتنی رقم کا ایک چیک لکھا اور اس کے حوالے کر دیا۔

"بیگم!" وہ لرزتی آواز میں بولے "میرا بیٹا مجھے کبھی دھوکا نہیں دے گا!" وہ یہ کہتے ہوئے چلے گئے۔ ممی کے چہرے پر لازوال مسرت تھی!۔ ناھیہ مسکرا رہی تھی!۔ اُدھر اس کا چیک دیکھ کر عشرت اس سے جھگڑ پڑی "آپ کے سرخاب کے پر لگے ہیں۔ یا خدا۔ پانچ ہزار۔ کیا کیجیے گا آپ ان کا۔ مجھے تو چچا جان نے کچھ بھی نہیں دیا ؟!"

ارے تم تو کیا کچھ سمیٹ لے جاؤ گی گھر سے۔ تمھارا میرا کیا مقابلہ۔" خالد نے اسے اور چڑا دیا۔

مجھے بھی ڈیڈی نے صرف پانچ سو دیئے!" الماس تنتناتی آئی اور ممی پر نوٹوں کی بارش برسا دی "دے دیجئے۔ یہ بھی انہی کو۔ مجھے کچھ بھی نہیں چاہیئے!

وہ منھ چھپا کر رو پڑی!۔

خالد نے ہنستے ہنستے نوٹ اکٹھا کیے!۔

"ارے ممی... یہ آپ نے کہاں سے جمعہ کی فقیرنیاں گھر میں اکٹھا کر رکھی ہیں۔ بنئے کی ذات ۔ چھی چھی چھی !۔"

اس کے ایک ہاتھ میں چیک تھا دوسرے ہاتھ میں نوٹ ۔ الماس اور عشرت میں کچھ اشارے ہوئے !۔ پھر یک جھپکتے میں عشرت نے چیک پر جھپٹا مارا اور الماس نے نوٹوں پر ۔! پھر ہرنوں کی طرح چوکڑیاں بھرتی دونوں یہ جا وہ جا !۔

ہائیں ۔ یہ کیا !۔" وہ بسور کر بولا ۔ اور بھاگا ان کے پیچھے !۔

ممی ہنستے ہنستے بے حال ہو گئیں !!۔

وہ دن بے حد اچھا گزرا ۔ وہ اپنے دوستوں میں گھرا رہا... اندر کی خبر اسے نہیں تھی ۔ گھر بھر کی بزرگ خواتین اپنے اپنے نور چشموں کی زندگیوں کے کیا کیا پروگرام مرتب کر رہی تھیں !۔ کرنل صاحب نے بھی نواب صاحب سے مل کر شادی کی تاریخ طے کر دی تھی ۔! انھوں نے قطعی وعدہ کر لیا تھا کہ الماس کی شادی کے بعد ہی وہ خالدہ کی شادی بھی ضرور کر دیں گے !۔

ایک مرتبہ اور نواب صاحب نے اسے بلا بھیجا تھا !۔ لیکن وہ سنی ان سنی کر گیا ۔ ان کی طلبی پر نوید نے کہا: "نواب صاحب کے معاملہ کا کیا ہوا ۔۔۔ خالدہ صاحبہ ؟!۔"

پوسٹ پونڈ ہو گئی ۔۔؟! اس نے کہا ۔

"اس بھروسے میں نہ رہنا ۔ کرنل صاحب کی زبان ہے !" نوید بولا ۔

نہیں بھئی ۔ تم سب کرنل صاحب کو ہوّا بنا دو ؟" سیفی نے کہا: "میں ابھی ابھی ان سے مل کر آرہا ہوں !۔ نہایت شفقت سے پیش آئے ۔

"تمھاری ممی تو بات ہی اور ہے !۔" مسعود نے کہا ۔ سیفی بے ساختہ ہنس

دیا۔ پھر وہ چونک کر بولا "ہاں۔ مسعود۔ میں نے اڑتی پڑتی۔ کچھ تمھاری بابت بھی سنی تھی!۔

"ارے ہم تو اپنے والد صاحب قبلہ کے کلیوں کے بر لئے بیمار ہیں!" مسعود نے آہ بھر کر کہا "نہ وہ خود محبت کرتے ہیں۔ نہ مجھے کرنے دیتے ہیں اب تو یہ عالم ہے کہ جس ڈھول کو گلے میں ڈال دیں گے۔"

"وہی بجائے گا!۔ خالد نے کہا۔ سب نے قہقہہ لگایا۔

"تو اپنی بات کر نالائق" مسعود جھینپ کر غرّایا "اپنے باپ کے باپ بن بیٹھے ہیں آپ ایسا نہ ہو کہ کسی دن آپ کے انکار پر وہ آپ کی کھال کھینچ کر مشک بنالیں"!

"واہ یار۔ اب ایسا بھی نہیں ہے" خالد نے شانے سکوڑلئے "ان کی بالکل قلب ماہیئت ہوگئی۔ بے حد شفیق ہو گئے ہیں"!

"لیکن جس باپ نے ایک بار گھر سے نکالنے کی دھمکی دی تھی۔ ترکے سے محروم کرنے کا اعلان کیا تھا۔ عاق کر دینے کو کہا تھا۔ غالباً وہ بھی یہی باپ تھا!" نوید نے قہقہہ لگایا۔ سب اسے حیرت سے دیکھنے لگے۔ خالد پر گھڑوں پانی پڑ گیا!۔

اس کا تذکرہ سیفی نے سعید صاحب سے بھی کیا تھا!۔ انھوں نے بے حد تنفّر سے اعلان کیا۔ ہرگز ہرگز کسی قیمت پر وہ نوید کا اپنے ہاں آنا جانا پسند نہیں کرسکتے!

روبینہ بھی متحیر تھی!۔

"آپ سے نوید صاحب کو اتنی جلن کیوں ہے؟"

"جلن؟"۔ خالد ہنس پڑا "اپنے اپنے احساسات ہیں۔ بٹیا!۔ ہم تم خیال ہی کیوں کریں؟!"

آپ ٹھیک ہی کہتے تھے۔ ایسے لوگوں سے پردہ ہی کرنا چاہیئے!۔

میرے خیال کے احترام کا بہت بہت شکریہ۔ بٹیا!۔

وہ تو بے حد خوش تھی۔ نوید کا کانٹا یوں نکلا۔ منیجر صاحب کے سلسلے میں وہ خود انکار کر دے گی!۔ کرنل صاحب کی سختیاں ختم ہو چکی تھیں!۔

اس کی محبت پھل پھول جائے گی!۔

کم از کم ایسی گونگی بہری تو نہ رہے گی!۔

○
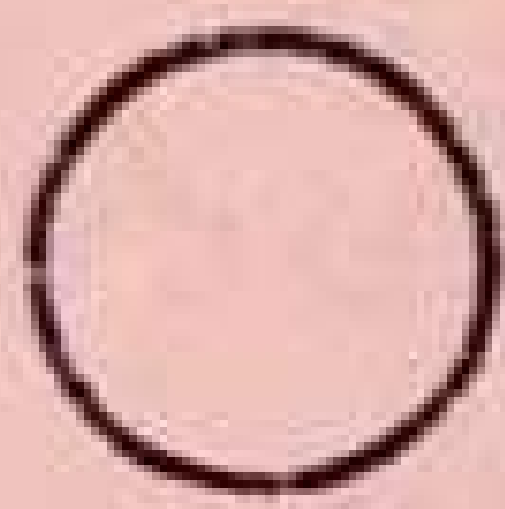
آپا بی اپنے گھر جا چکی تھیں۔ الماس گریجویٹ ہو کر گھر بیٹھ گئی۔ ادن بھر بڑوں میں پھر وہی پرانے تذکرے شروع ہو چکے تھے!۔ کرنل صاحب کو اس پر پورا بھروسہ تھا۔ لیکن خالد کی شب و روز کی مصروفیات پر بھی ان کی نظریں تھیں!!۔

ان دنوں اس کا کام بہت بڑھ گیا تھا۔ دن بھر سر اٹھانے کی مہلت نہ ملتی۔ بقول سیفی کے ہر وقت ڈیبٹ کریڈٹ!۔ اسے ہنسی آجاتی!۔ کیا کیا سوچ کر چلا تھا۔ کیا ملا؟۔ وہی ساہوکاروں کی سی زندگی!۔ رعب امارت کا دبدبہ۔ اکڑ۔ اپنے سے کم مرتبہ لوگوں پر نامعلوم سی ہیبت طاری رکھنا!۔ حالانکہ وہ یہ سب کچھ چاہتا نہیں تھا۔ لیکن خود بخود وہ بہت بڑا آدمی سمجھ لیا گیا تھا؟!۔ کرنل صاحب نے شاید یہی سوچا تھا۔ اپنی بڑائی کا احساس اسے ذمہ دار بھی بنا دے گا!۔

لیکن وہ اس کے قلب و دماغ کو نہیں بدل سکے!!۔

اسے تو صرف یہی قلق تھا۔ مدتوں سے وہ سہ منزل نہیں گیا تھا۔ اپنی متعلم کا درس بھی یونہی چھوڑ رکھا تھا۔ اس سے گھر سے باہر ملنا ناممکن تھا! اس نے خود ہی کہہ سن کر پردے کی مصیبت مول لی تھی!۔ یہ توقع نہیں تھی کہ ردِ بینہ بیچ مچ اتنی پردہ نشین ہو جائے گی کہ گھر سے باہر پھٹکے گی بھی نہیں!! لے دے کے ایک ٹیلیفون کا سہارا رہ گیا تھا!۔ گھنٹوں فون پر باتیں ہوا کرتیں۔ کچھ اپنی مجبوریوں کا رونا۔ کچھ نہ ملنے ملانے کا افسوس۔ کبھی دردِ دل کی داستانیں جو روبرو کہی نہ جا سکتیں!۔ اور کبھی اشعار۔ کبھی نغمہ و ساز کے پردے میں اظہارِ حال۔ اس کا جنون ترقی پر تھا!۔

الماس کی شادی کے دن قریب آ چلے تھے!۔ ایک دن کسی کام سے کرنل صاحب، سید صاحب سے ملنے آئے!۔ ہونے والی تقریب پر بیٹھے کچھ تبادلۂ خیال کر رہے تھے۔ پھر وہ رخصت ہونے ہی والے تھے کہ تیز آواز میں فون کا بزر چلّا اٹھا:

سید صاحب نے ریسیور اٹھایا۔ پھر مسکرا کر کرنل صاحب کی طرف بڑھا دیا!۔

خالد ہے!۔ غالباً تم سے کچھ کہنا چاہتا ہے!۔

خالد ہے؟! کرنل صاحب نے حیرت سے کہا: اسے کیا خبر۔ میں یہاں ہوں!؟

انھوں نے ریسیور کان سے لگایا۔ دوسرے لمحے ان کا چہرہ سرخ ہو گیا!۔

ہیلو۔ بٹیا!۔ کیا کر رہی ہو؟!۔

کرنل صاحب کے ہاتھ سے ریسیور گرتے گرتے بچا!۔

ڈیرسٹ۔ آج تمھیں کیا ہو گیا ہے۔ میں ہوں۔ خالد۔ گھنٹہ بھر سے کنکٹ کر رہا ہوں!۔ کیا کر رہی ہو۔ بٹیا۔ میں یہاں آفس میں مکھیاں مار رہا ہوں!۔

چاروں طرف کاغذات بکھرے ہوئے پڑے ہیں۔ کہیں جی نہیں لگ رہا!۔
کیا میں آجاؤں ہے!۔
ضرور آیئے!" انھوں نے مدّھم آواز میں کہا اور سعید صاحب کی طرف دیکھا
وہ الہلال کے پرانے پرچوں میں ڈوب گئے تھے!۔
کیا بتاؤں۔ میں بڑی مصیبت میں پھنس گیا ہوں! ہائے رے!۔ مجھے
ڈیڈیمانے بن موت، مار ڈالا"
کرنل صاحب کا چہرہ لمحہ بہ لمحہ آگ ہو رہا تھا!۔
بیٹا۔ کچھ تو بولو۔ کیا سوچ رہی ہو! میں آرہا ہوں۔ پھر ہم ان پہاڑوں کی
طرف نکل جائیں گے۔ جہاں چاروں طرف سفید سفید سرد دھوئیں کا غبار پھیلا
رہتا ہے!۔
اچھا؟" وہ غرّائے۔
سنو بیٹا" ابھی اس نے ایک طویل آہ بھر کر شعر سنا دیا اور رہی سہی
کسر پوری کر دی۔
کبھی طبیعت جو ہو ٹھکانے تو درد دل کا کروں مداوا
عجب طرح کی یہ کشمکش ہے کہ تاب بھی اضطراب بھی ہے!
کرنل صاحب سے ضبط محال ہو گیا۔ بڑے جھٹکے سے ریسور پٹخا۔ اور سعید
صاحب کو گھورنے لگے!۔
کیا کہا خالد نے۔؟" وہ بے چارے بھی گھبرا گئے تھے!۔
کیا خالد یہاں آتا رہتا ہے۔ معاذ؟۔
ہاں۔ صاحب!۔ وہ تو تقریباً روز ہی روبینہ کو کوئی باجہ سکھانے
آتے ہیں!۔

روز ؟ ؟ !" کرنل صاحب سناٹے میں رہ گئے!۔

اور یہ فون ؟" انھوں نے پھر پوچھا "کیا ہمیشہ اسی جگہ رہتا ہے۔ جہاں آج ہے!۔

نہیں بھئی۔ آج تو میں اٹھا لایا۔" سید صاحب کچھ بیزار سے ہو گئے "بات یہ ہے کہ سیفی کی پھوپھی علیل تھیں۔ وہ انھیں دیکھنے گیا تھا۔ کہہ گیا تھا کہ فون کر دے گا۔ اسی کے انتظار میں گھنٹہ بھر سے فون سینے سے لگائے بیٹھا ہوں!۔ پتہ نہیں! سیفی کہاں رہ گیا!۔

ویسے یہ سیٹ کس کے پاس رہتا ہے ؟!۔

بھئی۔ یہ خالد کا پریزنٹ ہے۔ روبینہ کو دیا تھا!۔ اسی کے پاس رہتا ہے!" سید صاحب ان کی اس پوچھ گچھ سے اکتا گئے "لیکن بات کیا ہے ؟۔ مجھ سے تو کہو!۔

کچھ نہیں" کرنل صاحب نے خود پر قابو پاتے ہوئے کہا "صرف یہی سوچ رہا تھا۔ مجھے خبر نہیں تھی۔ خالد یہاں آتا رہتا ہے!۔

تم اسے عزیمت سکھاتے ہو۔ روکتے ہو اسے یہاں آنے سے ؟" سید صاحب نے آنکھیں نکال کر ڈانٹا "تم بڈھے ہو گئے ہو۔ خون کے ساتھ ساتھ تمھاری محبت مروّت سب سرد ہو گئی ہے"

نہیں۔ بھائی ایسا نہیں ہے!" کرنل صاحب طوعاً و کرہاً ہنسے۔ پھر موضوع بدل دیا "ہاں! کہیں روبینہ کی بات چیت طے ہوئی!۔

ہو جائے گی!۔ اللہ مالک ہے!" سید صاحب زچ ہو کر اٹھتے ہوئے بولے "میں ابھی آتا ہوں۔ چلے مت جانا!۔

کرنل صاحب کمرے میں ٹہلنے لگے!۔

اُدھر خالد کو بھی حیرت تھی!۔ آخر آج روبینہ نے اتنی بے رخی اور رُکھائی کیوں برتی تھی ؟۔ وہ تو گھنٹوں فون پر باتیں کیا کرتی تھی ۔ اپنے سامنے سے فائل ہٹاتے ہوئے وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

پندرہ منٹ کے اندر اندر اس کی کار سید صاحب کے کمپاؤنڈ میں آکر رکی!۔ اور دوسرے لمحے وہ اندر داخل ہوا۔

ہلکے کتھئی سوٹ میں ملبوس۔ لبوں میں سگریٹ دابے ہوئے۔ اشتیاق و وحشت کے عالم میں بھی وہ بے پناہ حسین لگ رہا تھا!۔

لیکن جیسے ہی اس نے دروازے میں قدم رکھا۔ اس پر بجلی گر پڑی۔ معاً اسنے سگریٹ ہونٹوں سے نکال کر مٹھی میں دبا لیا۔ اتنی تکلیف ہوئی کہ اس کے چہرے کی رنگت متغیر ہوگئی!۔ وہ جہاں کا تہاں کھڑا رہ گیا!!۔

سامنے ہی کرنل صاحب کھڑے تھے!۔ میز پر اسی کا دیا ہوا ٹیلیفون سٹ رکھا ہوا تھا۔ سارا معاملہ خود بخود سمجھ میں آگیا!

کرنل صاحب کی خوں فشاں آنکھیں اس کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں پھر وہ آگے بڑھے اپنے فولادی پنجے میں اس کا ہاتھ جکڑا۔ اور قریب قریب کھینچتے ہوئے کمپاؤنڈ میں لائے!۔

بیٹھو۔!" انھوں نے کار کی طرف اشارہ کیا۔ پھر اس کے اندر بیٹھنے کے بعد خود بھی اسی کے پاس بیٹھ گئے!۔

کار گیٹ سے نکلی!۔

خالد ؛" انھوں نے اپنے حواس مجتمع کر کے کہا ؛ تمھارا فون میں نے ریسیو کیا تھا!"

خالد بھیگی بلی کی طرح بیٹھ گیا۔ اس کا دل تیزی سے دھڑک رہا تھا۔ اس

لئے نہیں کہ وہ ان سے ڈرتا تھا۔ بلکہ اس لئے کہ اسے اپنی محبت کی رسوائی اور روبینہ کی انگشت نمائی کا سب سے زیادہ خیال تھا۔ روبینہ کے ساتھ ساتھ اس نے اپنی محبت کو بھی پردہ نشیں بنا رکھا تھا۔ یہ وہم وگمان بھی نہ تھا۔ اس طرح خود اسی کی غلطی سے یہ راز یوں سر بازار افشا ہوگا۔ اور اسی کے سامنے۔ جس سے پردہ داری کی سب سے زیادہ ضرورت تھی!۔

کیا میں پوچھ سکتا ہوں! تم نے یہ حرکت کیوں کی تھی؟!" وہ تو سچ مچ اتنے غیظ وغضب میں تھے کہ جیسے کوئی ناقابل برداشت جواب سن کر مار بھی بیٹھیں گے!۔

اس سے تمھارا کیا رشتہ ہے؟ تم کب سے اسے جانتے ہو؟۔ افسوس! تم نے میری عزت پر بھی پانی پھیر دیا!۔" ان کی آواز غصے اور جوش سے لرز رہی تھی!۔

ڈیڈی۔ میں نے کیا کیا؟"

کیا نہیں ہے۔ انشاء اللہ اب کرو گے!۔ باپ کی عزت مٹی میں ملاؤ گے۔ اپنی اور اپنے خاندان کی آبرو پر پانی پھیرو گے۔ ایک بے گناہ لڑکی کی عصمت برباد کرو گے!۔" وہ جوشِ غضب میں بولے "میں معاذ کا دوست ہوں! تم نے یہ بھی نہیں سوچا۔ تم سیفی کے دوست ہو۔ وہ سیفی کی بہن ہے۔ تم نے یہ بھی نہیں سوچا۔!

خالد نے اپنا چہرہ دونوں ہاتھوں سے چھپا لیا۔ بے گناہ لڑکی کی عصمت برباد کرو گے۔ بے گناہ لڑکی کی۔ کیا کرنل صاحب اسے اس قدر ذلیل سمجھتے ہیں؟! اس کا سارا جسم پسینے میں ڈوب گیا!۔

کار فراٹے بھرتی ہوئی گھر کی طرف جا رہی تھی!۔

ان تمام باتوں سے سوائے ذلت و رسوائی کے اور تمھیں کیا مل جائے گا "
وہ پھر بولے "تمھیں یہ بھی خیال نہیں آیا۔ ہماری لڑکی ان کے گھر جانے والی ہے اگر وہ تمھاری کال ریسیو کرتے !۔ جو کچھ میں نے سنا ہے۔ وہ سید صاحب سن لیتے! تو وہ کیا خیال کرتے ؟ !۔ سلمان کا بیٹا۔ سیفی کا دوست ان کی بیٹی سے چھپ چھپ کر ایسی رکیک باتیں کر رہا ہے۔ جو کسی طرح اس کے مرتبے کے لحاظ سے اسے سزاوار نہیں ہیں !۔ خالد۔ میرے بچے !۔ ہوش میں آؤ !!۔ سوچو !۔ کیا تمھارے اعمال کا خمیازہ تمھاری بہن نہ بھگتتی !؟۔ اگر ردبینہ کی جگہ الماس ہوتی۔ اور کسی غیر مرد کا فون تم اسی طرح وصول کرتے۔ تم کیا سوچتے۔ کیا کرتے ؟ !۔
میں نے غلطی کی۔ ڈیڈی۔ مجھے معاف کر دیجیے !۔ " بدنصیب یہی کہہ سکا !
تم نے میرا کچھ بھی نہیں بگاڑا۔ مجھ سے معافی کیوں مانگ رہے ہو ؟ " کرنل صاحب غصیلی ہنسی ہنسے " تم خود ایک دن سوچنے پر مجبور ہو جاؤ گے ۔ ۔ ۔ جوانی کی تفریح خوش رنگ لیکن اس کا انجام کیا ہولناک ہوتا ہے !۔ خالد۔ سید صاحب کی بچی بہت اچھی ہے۔ بس یہ خیال رہے کہ ایک معصوم باآبرو اور شریف لڑکی پر تمھاری وجہ سے کوئی داغ نہ لگے !!۔ تمھارے دماغ میں ابھی تک مغربی خوبوسی ہے !۔ تم یہ مذاق سمجھتے ہو ! لیکن یہ مذاق نہیں ہے !۔
کار اس کی کوٹھی کے پلاٹ میں پہو نچکر رک گئی !۔ کرنل صاحب اتر کر چلے گئے !۔ شوفر بھی اتر پڑا۔ لیکن خالد نہیں اترا۔ اس نے سٹیرنگ سنبھال لیا اور گیٹ سے نکلا چلا گیا۔ کہاں۔ کدھر۔ یہ اسے خود بھی معلوم نہ تھا !۔ اس کے ذہن میں " آندھیاں چل رہی تھیں۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ اب اپنی شکل بھی اپنے باپ کو دکھائے !۔
یک بیک اسے دوستوں سے بھی چڑھ ہو گئی تھی۔ !

ڈیڈی اس واقعہ کے بعد اسے شکست دینے سے باز نہیں رہیں گے !۔

شکست ؟ ۔ایک تلخ و طنزیہ مسکراہٹ اس کے لبوں پر بکھر گئی !۔

انکار ۔ قطعی انکار ۔ چاہے اس سلسلے میں جان کی قربانی بھی دینی پڑے !۔

روبینہ کی مفارقت کو وہ ناہید کی رفاقت سے بدلنا نہیں چاہتا تھا!۔

ڈیڈی نہیں جانتے !۔

محبت ملنے سے بڑھتی ہے۔نہ ملنے سے بھڑکتی ہے !۔

وہ پھر فارن چلا جائے گا !۔وہ کرنل صاحب کے ہاتھوں بک تو نہیں گیا ہے ۔!:

رات کے بارہ بجے تھے ۔جب وہ گھر پہونچا !۔ ذہن مفلوج ہوچکا تھا !۔ اس کے حواس جواب دے رہے تھے !۔ یہ سوچکر وہ پھر شرمندہ ہوگیا ۔اگر پھر کرنل صاحب کا سامنا ہوجائے تو کیا صورت دکھائے گا !۔

بھوکا پیاسا وہ اپنے کمرے میں آکر پڑ رہا !۔الماس اور عشرت سوچکی تھیں۔ سارے گھر میں سناٹا چھایا ہوا تھا !۔

اس کی آنکھوں سے نیند غائب تھی !۔ ذہن پر ہتھوڑے برس رہے تھے !۔

بے گناہ لڑکی کی آبرو۔

بے گناہ لڑکی کی آبرو۔

اس نے بے چین ہوکر سر دیوار پر دے مارا ۔ اور یکبارگی جلتے جلتے آنسوؤں سے منہ دھونے لگا !۔

مجھے کوئی کیوں نہیں سمجھتا۔

میں ایسا ذلیل نہیں ہوں۔

○

سید صاحب کو اپنی فکر کھائے جا رہی تھی۔ خاندان بھر کی لڑکیوں کی شادیاں ہو رہی تھیں۔ یا ہو چکی تھیں۔ اور ان کے سامنے ان کی بیٹی کا سوال تھا۔ نوید کو وہ ٹھکرا چکے تھے۔ اب سیفی کے نئے دوست میجر اقبال کا دور دورہ تھا۔

انھیں اپنی صحت کی بھی فکر تھی۔ جانے کیسے انھیں وہم پریشان کر رہا تھا کہ بس اب ان کا وقت قریب آرہا تھا۔ اس وہم نے انھیں یوں بھی سہار رکھا تھا جیسے کہ وہ ایک اتفاقیہ اور رہن شدہ زندگی گزار رہے تھے۔ کبھی کسی وقت بھی ان کی اچانک آنکھیں بند ہو جائیں تو روبینہ کا کیا ہوگا؟۔

اور اس وقت سے پہلے ہی وہ روبینہ کو اپنے گھر بار کا دیکھنا چاہتے تھے۔ سیفی نے میجر اقبال کو اپنے ہاں کئی بار بلایا تھا۔ ویسے تو انھوں نے میجر کا خاصہ استقبال کیا۔ لیکن دل سے خوش نہیں ہوئے۔ انھیں رہ رہ کر خیال آرہا تھا۔ ان کی بیٹی ان تمام لوگوں سے بلند و برتر ہے!۔ اقبال بھی اس قابل نہیں کہ ان کے داماد بن سکیں!۔

اور روبینہ کے معیار پر جو پورا اترتا۔ انھوں نے اس کا نام ہی لینا چھوڑ دیا تھا سیفی بھی الجھن میں تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔ کیسے وہ اپنے باپ کا وہم دور کرے۔ اور کہاں سے کوئی فوق البشر ڈھونڈ نکالے۔ جو سید صاحب کو پسند آسکے!۔ وہ بھی اپنے وطن میں نووارد تھا!۔ گنتی کے چند ہی لوگ اس کے دوست تھے!۔ اور وہ بھولے بھٹکے ہی اس سے ملتے تھے۔

اس کی الجھن کا حال سن کر فیروز نے رائے دی تھی!۔

خالد سے کہیئے۔ ان کا حلقہ احباب کافی وسیع ہے!۔ ممکن ہے وہ اس سلسلہ میں کچھ کر سکیں!۔

آپا نے بھی رائے دی "ہاں۔ وہ بڑی خوشی سے کسی کا نام بتا سکیں گے! لیکن ان کا معیار بہت اونچا ہے!۔

بعض وقت لڑکیوں کا حسن و جمال، تعلیم۔ اور ذہنی برتری ان کے ماں باپ کے لئے ایک پرابلم بن جاتی ہے!۔

سیفی سوچ میں پڑ گیا۔

خالد صاحب پر وقتاً فوقتاً سنجیدگی کے دورے تو نہیں پڑتے" سیفی نے پوچھا "کیا تو یہ عالم تھا کہ روز ہی ہمارے ہاں آتے تھے۔ اور اب یہ حال ہے کہ ہفتوں گزر گئے ہیں۔ بندۂ خدا نے اپنی شکل نہیں دکھائی!۔

بہت مصروف رہتے ہیں!" فیروز نے بات ٹال دی "وہ تو ہمارے ہاں بھی کبھی نہیں آتے۔ شائد انھیں اس گھر کا راستہ بھی معلوم نہ ہو!۔

اچھا بھائی صاحب خود ان کی شادی کا کیا ہوا؟" سیفی نے پوچھا۔

پتہ نہیں۔ بھائی۔ ہم تو ایک مدت سے ان کے ہاں نہیں گئے۔" فیروز نے کہا" ویسے باپ بیٹے میں رسّہ کشی ہوتی ہی رہتی ہے!۔

خالد کی ضد اور بیہودگی ہے!" ناصرہ نے کہا "والد صاحب کچھ غلط نہیں کہتے!۔ مگر انھیں ضد ہو گئی ہے!۔

میرا خیال ہے۔ خالد نے اپنے لئے کوئی لڑکی دیکھ رکھی ہے!" سیفی نے ہنستے ہوئے کہا "یہی وجہ ان کے انکار کی ہو گی!۔

نہیں صاحب!" فیروز نے کہا "اِن لغویات میں وہ کبھی پڑے ہی نہیں!۔ اگر انھیں یہ سب کچھ کرنا ہوتا تو ان بارہ برسوں میں جب وہ وطن

سے باہر تھے۔ انھیں کس نے روکا تھا!۔

شام کو ناصیہ اپنے گھر گئی۔ خالد گھر پر موجود نہیں تھا۔ دیر تک وہ اپنی ماں سے بیٹھی باتیں کرتی رہی۔ پھر جب وہ رات کو واپس آ رہی تھی۔ خالد بھی کوٹھی پر پہونچ گیا۔ اسے معلوم بھی نہیں ہوا کہ ناصیہ اس کے ہاں آئی ہوئی ہے!۔ وہ لباس بھی بدل نہ پایا تھا اور میز کے پاس کھڑا سوچ رہا تھا۔ کہ ناصیہ کی آواز سن کر چونک پڑا۔

وہ ناصیہ کو کرنل صاحب سے کم نہیں سمجھتا تھا!۔

ایک مضمحل سی مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر پھیل گئی۔

خیریت۔ آپا بی؟!— اس نے کہا اور ان کی گود سے ننھے کو لے کر اچھالنے لگا۔

بڑے بے مروّت ہو گئے ہو؟" ناصیہ بیٹھتی ہوئی بولی" ہفتوں ہمارے ہاں کا رخ نہیں کرتے!۔ کیا سچ مچ سب کو بھول جانا چاہتے ہو؟!۔

"میں تو کہیں آتا جاتا نہیں۔ گھر سے دفتر۔ دفتر سے گھر۔ اور بس!"

"اور ہم نے یہ کیا سنا تھا کہ تم سید صاحب۔!"

"ہاں ہاں!۔ میں نے کوئی گناہ نہیں کیا تھا۔ کوئی ڈاکہ نہیں ڈالا تھا"

وہ بگڑ گیا" میں سید صاحب کے گھر جاتا رہا ہوں! اور جاتا رہوں گا! کرنل صاحب کی سختیاں اور بندشیں ناقابل برداشت ہو گئی ہیں!۔ بر قسم!۔ میں کہیں چلا جاؤں گا۔ اگر انھوں نے اپنا یہ روک تھام مجھ پر سے نہ اٹھائی۔ وہ مجھے بچہ سمجھتے ہیں!۔ لیکن میں مرد ہوں۔ مرد!!۔ آزاد اور خود مختار!!"

کچھ پاگل تو نہیں ہو گئے ہو" ناصیہ سہم گئی۔ وہ جانتی تھی۔ یا تو خالد کو کبھی

غصہ نہیں آتا تھا اور اگر آتا تھا تو ایسا آندھی اور طوفان کا سا کہ پھر اپنے غصے کے جوش میں وہ اپنے پرائے کو بھی فراموش کر جاتا تھا!۔

پاگل نہیں ہوں۔ مگر پاگل ہو جاؤں گا!" اس کا لہجہ غصے کی زیادتی کی وجہ سے لرز رہا تھا۔ آنکھیں سرخ ہو گئی تھیں!" میں بہت چاہتا ہوں کہ ڈیڈی کے احترام و تعظیم میں میری وجہ سے کوئی کوتاہی نہ پیدا ہو۔ لیکن وہ خود ہی مجھے اپنے مقابلہ کی دعوت دے رہے ہیں!"

خالد... کیا بک رہے ہو؟.... ڈیڈی نے کیا کیا ہے۔ شادی وغیرہ کی باتیں تو پرانی ہو چکیں۔ ان کا تذکرہ کون کرتا ہے؟!۔

واقعی؟" وہ غصہ بھول کر بول پڑا" اب اس منحوس شادی کا کوئی سوال نہیں رہا؟!۔ گویا قصہ ختم۔!

قصہ ختم کیسے؟ بات پکی ہو گئی۔ تاریخ طے ہو گئی۔ ڈیڈی نے تم سے کہنا چھوڑ دیا؟

جی۔ جی۔ کیا کہا آپ نے۔؟ تاریخ طے ہو گئی؟!۔ کیا یہ سچ ہے؟!

جھوٹ بولنے پر تم کوئی انعام تو نہیں دو گے مجھے؟!

خیر۔ دیکھ لیا جائے گا۔ آپ لوگ بھی اپنی سی کوشش کر دیکھئے۔!

اس کی آنکھوں سے پھر آگ جھڑنے لگی!۔

نہ بھیا۔ مجھ پر تو غصہ نہ نکالو۔ یہ سب کچھ ممی اور ڈیڈی سے کہنا۔ میں خواہ مخواہ تمھارے بیچ میں بول کے بری بنتی ہوں!۔" ناصیہ نے اس کی گود سے اپنا بچہ چھینتے ہوئے کہا اور پاؤں پٹختی کمرے سے نکل گئی!!۔

وہ ٹہلتا رہا۔ سوچتا رہا!۔ اسے بہت کچھ آفس کا کام کرنا تھا! لیکن اب دماغ پراگندہ ہو رہا تھا!۔ وہ کچھ بھی نہ کر سکا!!۔ کرسی پر بیٹھ کر سر تھام

گیا!!۔"

پھر اسے مسعود کی آمد کی اطلاع ملی!۔

اس وقت تو فرصت ہوگی؟" مسعود نے کمرے میں آتے ہوئے کہا۔

ہاں۔ کچھ کام ہے؟" اس نے اخلاقاً پوچھا۔

کام کچھ ایسا ضروری بھی نہیں ہے۔ بس ذرا باہر کا ایک چکر لگا آتے۔" مسعود نے کہا۔ "اور پھر کچھ اقبال صاحب سے بھی نیاز حاصل کرنا تھا!۔ سیفی کی خواہش تھی کہ ان کے سلسلے میں تم ہم پوچھ گچھ کرتے۔ خود انھیں حجاب معلوم ہوتا ہے!۔

کس سلسلے میں۔؟" اس نے نچلا ہونٹ دانتوں میں دبالیا۔!

مسعود نے پر خیال انداز میں سگریٹ سلگائی اور سگریٹ کیس لائیٹر سمیت اس کی طرف کھسکاتا ہوا کچھ سوچنے لگا! خالد نے اسے کھنکھار کر متوجہ کیا!

ارے بھئی۔ اپنی بہن کے سلسلے میں" مسعود نے سادہ لہجے میں بتایا: غالباً میجر صاحب نے پیغام دیا تھا!۔ انھوں نے ان کی پوچھ گچھ کے سلسلے میں مجھ سے کہا تھا۔ میں جارہا تھا سوچا تمھیں بھی لے چلوں!۔

ایک خلش۔ ایک بے چینی۔ کیا سچ مچ روبینہ میجر اقبال کی ہوجائے گی؟!۔

تو پھر چلتے ہو۔ یا میں جاؤں؟!" مسعود نے کہا۔

"اس وقت تو تم چلے جاؤ۔ پھر کبھی دیکھا جائے گا!۔ اس وقت مجھے بہت کام ہے! ابھی میں نے کھانا بھی نہیں کھایا۔ ٹھہر جاؤ کھانے پر!!۔"

نہیں! میں کھا کر چلا تھا!۔ بائی بائی۔ اقبال کے سلسلے میں خیال رکھنا۔ سیفی کی درخواست ہے!۔" مسعود یہ کہکر رخصت ہوگیا!۔

اس کے سینے میں پھر آگ دہکنے لگی! کیا ہوگا؟ کیسے روبینہ کو یقین دلائے گا!۔ اس کے سامنے مشکلات کے پہاڑ کھڑے تھے!۔ اگر وہ روبینہ کو یقین دلا بھی

دے!۔ تو پھر اس کا اپنا کیا ہوگا۔ کرنل صاحب اسے ناہید کے لئے مجبور کریں گے!۔ بڑی ہولناک دھمکی تو وہ پہلے ہی دے چکے تھے!۔ وہ تو ہر قسم کی قربانی کے لئے تیار تھا۔ مگر روبینہ اپنے ماں باپ اور بھائی وغیرہ سے بغاوت کر کے کیسے اس کا ہاتھ تھام لے گی!۔ کیا وہ اتنی دلیر ہو سکتی ہے!۔ ایک طرف ناہید۔ دوسری طرف میجر اقبال!!

خالد بھیا۔ کھانا نہیں کھائیے گا!" عشرت نے اندر جھانکا!۔

میں سب کے ساتھ نہیں کھاؤں گا۔ میرا کھانا یہیں لے آؤ!۔" اس نے کہا اور پھر پارٹیشن کے پیچھے جا کر وہ لباس بدلنے لگا۔ جو ابھی تک وہ پہنے ہوئے تھا!!

○
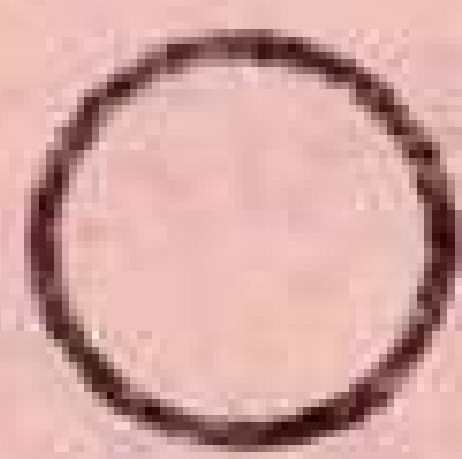
گھر بھر میں الماس اور عشرت کی شادیوں کا ہنگامہ جاگ اٹھا!۔

زبیر اپنے مستقر پر جا رہا تھا!۔ بڑی جلدی عشرت کی شادی کر دی گئی!۔ اور وہ الماس کی شادی میں شریک ہوئے بغیر روتی دھوتی سسرال چل دی!!۔

اسے اب بھی کسی سے کوئی مطلب نہ تھا!۔ گھر میں رہنا لیکن سب سے الگ تھلگ۔ اپنی بے چینی اور اپنی تکلیف کا اظہار اس نے کسی سے نہیں کیا۔ بدستور دفتر جاتا رہا۔ اپنی مصروفیتوں میں ان آلام کو دفن کرنا چاہا۔ جو برابر اس کے لئے عذاب بنے ہوئے تھے۔ لیکن یہ ممکن نہ ہوا۔ اسے روبینہ بہت یاد آتی تھی!۔ لیکن جب سے کہ کرنل صاحب اسے جبراً وہاں سے لائے تھے۔ اس نے وہاں قدم نہیں رکھا تھا!۔ کیا پتہ روبینہ اسے بے وفا اور بھگوڑا سمجھ کر میجر صاحب کے سلسلے میں راضی ہو جائے ہ۔"

وہ خاموشی خود کو سزا دیتا رہا!۔ لیکن کب تک۔ آنسو گھٹ کر انگارے

بن گئے۔ اور خرمنِ ہستی کو پھونک ڈالا۔

گیٹ پر شہنائی گونج رہی تھی!۔ گھر کے اندر مہمان بھرے پڑے تھے!۔ اور وہ اپنے کمرے میں کسی تکلیف واذیت میں پڑا تڑپ رہا تھا!۔ اس کا خاص ملازم بار بار استدعا کر رہا تھا۔ وہ کسی کو بلا لائے۔ لیکن وہ نہ مانا!۔

اس کے ذہن میں بگولے اڑ رہے تھے!۔

اف ۔" اسنے دونوں ہاتھوں سے اپنا سینہ بھینچ لیا!۔

حضور۔ میں بڑے سرکار کو بلا لاؤں ؟ ۔" کریم نے پھر کہا۔

کیا کریں گے بڑے سرکار ۔" اسے ہنسی آ گئی ۔" میں تو کہتا ہوں! تم بھی جاؤ! مگر مت کہنا کسی سے کہ میں آج گھر پر ہوں!۔

سرکار۔ آپ کے سینے میں درد ہے!۔ میں سینک دوں!۔

سینک دو۔ ؟۔

کریم فوراً بوائلر میں پانی لے آیا۔ اس نے اس کا ہاتھ تھام کر خود اپنے سینے پر رکھ لیا!۔

دل کے مقام کو نہیں سینکنا چاہیئے سرکار۔!

فکر نہ کرو۔ بڑا بے حیا دل ہے۔ تھمے گا نہیں!۔

چند منٹ خاموشی میں گزر گئے!۔

کریم ۔ ایک بات پوچھوں ؟!۔

پوچھیئے۔ صاحب!!۔

تمھیں کبھی کسی سے محبت ہوئی ہے ؟!۔

محبت ؟!۔" کریم کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں :" یہ آزار کیسے ہے!؟ سرکار!

ہاں۔ یہ آزار ہی ہے!۔ تمھیں پتہ ہے۔ یہ کیسا ہوتا ہے!۔

کریم کی حیرت بڑھتی جا رہی تھی!۔ وہ بھی تو اپنے آقا کو بالکل بدلا ہوا دیکھ رہا تھا۔ اس نے کبھی اس سے اس قسم کی باتیں نہیں کی تھی!۔ نہ وہ ملازموں سے بے تکلف ہونے کا عادی تھا۔ نوکروں کا کیا تذکرہ۔ جب کہ وہ کسی سے بھی بے تکلف نہیں تھا۔ بڑے بڑے افسر اس سے مرعوب رہتے تھے۔ اس کے صاحب کو جھک جھک کر سلام کرتے تھے۔ اس کے لئے راستہ چھوڑتے تھے۔ اس سے ڈرتے تھے۔

پھر آج یہ صاحب۔!۔ وہ گم صم رہ گیا!۔

تم نے میری بات کا جواب نہیں دیا؟۔

کیا جواب دوں مالک:۔ میں تو خود بھی بھول بھال گیا۔ پرانی بات ہے"۔ کریم نے ہچکچاتے ہوئے کہا" جب شاداں میری زندگی میں آئی تھی۔ بن کی ہوا کے جھونکے کی طرح۔ جو آتا ہے اور چلا جاتا ہے!۔ وہ گاؤں کے نمبردار کی بیٹی تھی! اور میں ایک غریب کسان۔ لیکن محبت کوئی اونچ نیچ کہاں دیکھتی ہے۔ وہ تو ہو جاتی ہے۔ اور میری محبت تو جنگل کی آگ تھی۔ بھڑکی اور پھیل گئی!۔

شاداں کو بھی تم سے محبت تھی؟؟

آندھی اور طوفان کی سی محبت! آقا! جس میں چڑھتے نالوں کا جوش اور سیلابی ندی کا ابال تھا۔ وہ دن وہ راتیں مجھے اب بھی یاد ہیں جب چاول کے کھیت میں گھٹنے گھٹنے پانیوں میں ڈوب کر ہم نے ایک دوسرے کے ہو کر رہنے کی قسمیں کھائی تھیں!۔ ان ٹھنڈی راتوں میں پیار کے گیت گائے تھے۔ جب سارا گاؤں نیند میں ڈوب جاتا تھا! اور چوپال کا الاؤ بھی بجھ جاتا تھا!۔

اب آپ کا در دیکھا ہے۔ سرکار۔!

ٹھیک ہے۔ تم بیٹھ جاؤ۔ اچھا۔ پھر کیا ہوا۔؟!

حضور۔ میں ایک بے گھر بے در آدمی تھا۔ شاداں کو لاکھ گنا مجھ سے محبت ہوتی

اس کے باپ کو تو نہیں تھی !۔ اسے کچھ شبہ ہو گیا !۔ اس نے مجھے مار پیٹ کر گھر سے نکال دیا اور شاداں کی شادی ایک زمیندار سے ٹھہرادی ۔ !شاداں۔ نہ روئی نہ بیٹی۔ پھر وہ مجھ سے ملی بھی نہیں۔ میں تو دیوانہ ہو گیا تھا اس کے گھر کے چکر لگائے۔ اس سے ملنا چاہا۔ مگر میں اس سے نہ مل سکا ! !شاداں کچھ اور سوچے بیٹھی تھی۔ جس دن اس کی شادی تھی۔ اسی رات اس نے پارہ کھا لیا دوسرے روز شاداں کا جنازہ اور میرے ارمانوں کا ڈولا ایک ساتھ اٹھ گیا۔ وہاں رونا پٹنا پڑا تھا۔ اس دن تو دلہن رخصت ہو رہی تھی ! ——— ہمیشہ ہمیشہ کے لئے سسرال جا رہی تھی ——— ! اور میں آخری بار۔ اس سے پوچھ رہا تھا بے وفا ! کیا یہی تیرا وعدہ تھا۔ سنگدل ! کیا یہی تیری محبت تھی !۔ لیکن وہ تو خاموش تھی !۔ لوگ اسے ویرانوں کے سپرد کر آئے ! اور میں بھی شہر چلا آیا :

کریم کی آنکھوں میں آنسو جھلک رہے تھے "عورت کی محبت چٹان کی سی مضبوط بھی ہے۔ اور موم کی سی نرم بھی . . . جب وہ کچھ نہیں کر سکتی تو اپنی محبت کی بھینٹ چڑھ جاتی ہے۔ لیکن اپنی آن اپنی لاج غیر مرد کے سپرد نہیں کرتی !۔

خالد اس کے آنسوؤں سے پگھل گیا " پھر تم نے دوسری شادی نہیں کی ؟ !

نہیں۔ سرکار۔ میں اس کی یاد سے بے وفائی نہ کر سکا !۔ یہ گوارہ نہ کیا۔ دل کسی کو دوں اور جسم کسی اور کو۔ مجھے شرم آتی ہے ! وہ تو میری وجہ سے بھری پری جوانی میں موت کو گلے لگائے اور میں ہنسی خوشی شادی کر لوں !۔ کیا میں ایک عورت سے بھی گیا گزرا ہوں ؟۔

ایک کہانی۔ ایک فسانہ۔ آقا و خادم کا۔ کتنا ملتا جلتا !۔

کریم اپنے آنسو بہا کر مطمئن ہو گیا۔ پھر بڑے اطاعت گزار لہجے میں پوچھا۔

اب آپ کا درد کیسا ہے۔ سرکار!۔

یہ درد نہیں۔ آزار ہے۔ کو تیم!!۔" اس نے گہری سانس لے کر آنکھیں بند کرلیں۔

شہنائیوں کی گونج بڑھ چلی تھی۔ غالباً بارات بھی آگئی تھی۔!۔ بدقت تمام وہ محفل میں آسکا!۔ عقد ہو چکا تھا!۔ مہمان منتشر ہو گئے تھے!۔ سیفی اپنی زرنگار مسند پر متمکن تھا۔ اس کے پاس اس کے دوست تھے!۔ جیسے ہی وہ باہر آیا۔ درجنوں آنکھیں اس کی طرف اٹھ گئیں!۔

شاہزادہ حسن!۔" مسعود گنگنایا!۔

یہ آپ کہاں غائب تھے! فنکار صاحب؟!۔" پرویز نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے اوپر گرا لیا۔

آج کی بارات کا دولھا کون ہے؟" اسلم بولا۔

ظالم جوتوں سمیت آنکھوں میں گھسا جا رہا ہے۔" مسعود بولا۔

تو جوتے اتار دوں۔" خالد مسکرایا۔" آپ کو تکلیف ہوگی۔

سیفی صاحب کیوں خاموش ہیں؟" احسن نے کہا۔

سالے کے سامنے بولنا کسر شان سمجھتے ہیں!۔" پروفیسر نے کہا۔ سب ہنس پڑے۔"

یہ میرا رشتہ ضرور ہے۔ لیکن اس لہجے میں تو نہ بولو کہ مجھے گالی لگے۔"

خالد بھی ہنس دیا تھا۔

سیفی پیچھے کھسکا اور خالد کے سینے سے ٹیک لگا کر نیم دراز ہوتا ہوا بولا۔" میں تو گھبرا رہا تھا۔ تم اتنی دیر سے کہاں غائب تھے!۔

ہاں۔ یہ تو بارات واپس لئے جا رہے تھے۔" مسعود نے سوکھا سا منھ بنا کر

کہا : نکاح پر بھی بڑی مشکل سے راضی ہوئے۔" سب پھر ہنسنے لگے!۔

اتنے میں ادھر کرنل صاحب بھی آگئے۔ سب انھیں دیکھ کر اٹھ کھڑے ہوئے۔

غالباً وہ کچھ کہنا چاہ رہے تھے۔ لیکن کہہ نہیں پا رہے تھے!۔

پھر انھوں نے ہلکے سے کھانس کر گلا صاف کیا۔ اور سیفی کی پیٹھ پر ہاتھ رکھکر بولے۔"

سیفی : ان کی آواز میں ضبط گریہ کی کپکپاہٹ تھی۔" آج تم میری ساری زندگی کی جمع پونجی لئے جا رہے ہو جو ہمارے گھر کا سرمایہ۔ ہماری بوڑھی آنکھوں کی روشنی تھی۔ جسے کبھی ہم نے ٹیڑھی نظر سے نہیں دیکھا۔ جس کا دل کبھی نہیں دکھایا۔ جس کی خوشی ہماری خوشی تھی۔ جس کا دکھ ہمارا دکھ تھا۔ اب وہ ہم سب کو چھوڑ کر تمھارے گھر جا رہی ہے۔ خیال رکھنا۔ اس کا دل نہ دکھے۔ اس کی آنکھوں میں آنسو نہ آئیں!۔"

ان کی آواز رندھ گئی۔ انھوں نے سیفی کے شانے پر ہلکی سی تھپکی دی اور جلدی سے چلے گئے۔ اب تک خالد اس شادی کا یہ دردناک پہلو نہ سوچ سکا تھا۔ اسے اب خیال آیا۔ الماس اس گھر سے ہمیشہ کے لئے جا رہی ہے۔ اب اس سے کون لڑے جھگڑے گا۔ کون ستائے گا۔ اب اس سے کون کہے گا۔

"آپ کو ذرا بھی خیال نہیں آتا۔ کوئی آپ کا انتظار کر رہا ہوگا۔"

"کون کرتا ہے میرا انتظار۔"

"جسے آپ کے بغیر نیند نہیں آتی۔ آپ کے بغیر چین نہیں آتا۔ آپ کے بغیر جی نہیں لگتا۔"

اس کے دل میں درد جاگ اٹھا۔ آنکھیں بھر آئیں۔ اس نے اپنا چہرہ

پھیر لیا۔ لیکن آنکھیں برس گئیں!۔

یہ کیا نغویت ہے۔ خالد۔ تم رو رہے ہو۔!" مسعود نے ڈانٹا مگر اس کی آواز خود بھرا گئی تھی۔ کرنل صاحب جیسے مضبوط دل کے انسان کی ان باتوں نے سب ہی کو متاثر کر دیا تھا۔

خالد نے اپنی آنکھیں رگڑتے ہوئے کہا: ڈیڈی نے جو کچھ کہا۔ تم سمجھ گئے۔ سیفی!۔"

یہ کہنے کی بات نہیں۔ میرے دوست۔ "سیفی خالد کے لپٹ گیا۔!

پھر وہ اندر چلا گیا۔ اس کی استدعا پر بیگم صاحبہ نے الماس کے کمرے سے عورتوں کو ہٹا دیا۔ اور وہ اپنی بہن کو اپنے سینے سے لگائے بیٹھا رہا۔! پھر بھٹکتی بھٹکتی اس کی نگاہیں ایک چہرے پر آ کر رک گئیں۔

معصوم اور حسین چہرہ۔! مرصع لباس میں ملبوس! جھلمل کرتے زیوروں میں غرق۔ روبینہ کو پہچاننا ناممکن ہو رہا تھا۔ لیکن اس نے یہ تو دیکھ ہی لیا۔ وہ وہی زیور پہنے ہوئے تھی۔ جو کبھی خالد نے اسے سالگرہ میں تحفے کے طور پر دیئے تھے!۔

روبینہ۔ اس کے منھ بند ساز بج اٹھے۔ روبینہ۔ ترنم۔ جھنکار جو اس کے تمام سازوں میں کبھی نہ تھی!۔

اسی وقت آرسی مصحف کے لئے الماس کو خواتین لے گئیں۔ اور یکبارگی خالد نے دروازہ بند کر دیا۔

روبینہ کا دل دھڑک اٹھا۔ اس کی آنکھوں میں خوف بھی تھا۔ شرم بھی۔! وہ سہم کر خالد کو دیکھنے لگی۔ وہ متبسم محبت پاش اور دلکش آنکھیں۔ روبینہ کی پلکیں جھکتی چلی گئیں۔! وہ اس کے پاس آ بیٹھا۔

دروازہ کھول دیجئے۔!" روبینہ پھر ڈر گئی:

کیا تم ڈر رہی ہو" خالد حیرت سے بولا" بینا۔ میں تو خدا سے چاہ رہا تھا مجھے چند لمحوں کی تنہائی میسر آجائے۔ پھر میں جانے تم سے مل بھی سکوں گا یا نہیں؟ کچھ کہو۔ کچھ سنو۔ بینا۔ وقت کم ہے!۔

آپ نے تو آنا ہی چھوڑ دیا" روبینہ نے شکوہ کر ہی دیا۔ پھر بولی" آپ کا چہرہ کیوں اترا ہوا ہے۔ کیا آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے!۔

ہاں!" اس کی اس معصومانہ پرسش پر خالد مسکرایا" کچھ خفیف سی سینے کے درد کی تکلیف تھی۔ اب نہیں ہے!۔ مگر بینا۔ تمھارا یہ خیال صحیح نہیں ہے کہ میں تمھیں بھول گیا ہوں۔ بینا۔ مجھے کسی پل قرار نہیں آتا۔ میں یہ سوچ کر ڈرتا رہتا ہوں کہ کہیں تمھیں مجھ سے جدا نہ کر دیا جائے۔ جب سے میں نے کسی میجر اقبال کا نام سنا ہے۔ مجھے ایسا محسوس ہو رہا ہے۔ یہ ایک ایسی خلیج ہے۔ جسے میں عبور نہیں کر سکتا!"

روبینہ کا چہرہ گلابی ہونے لگا" اپنی روبینہ کی محبت کو گالی نہ دیجئے" وہ جذباتی ہوگئی۔ آپ کے ذہن میں مغربی لڑکیاں بسی ہوئی ہیں۔ جن کی محبت کا مسلک ہی جدا ہے۔ مگر میں" اس نے اپنا مرصع آنچل کلائی پر لپیٹتے ہوئے کہا" میں ہندوستان کی لڑکی ہوں۔ اپنے خیالوں میں جسے اپنا مان لیا۔ تن من سے اسی کی ہوگئی۔

بینا۔ اگر تم مجبور کر دی جاؤ۔

زندگی پر تو اختیار ہے۔ مرجاؤں گی!۔

وہ متحیرانہ اس کا چہرہ تکنے لگا۔ روبینہ کے چہرے پر ایسے ہی آثار تھے۔ جن سے اندازہ ہو رہا تھا۔ وہ جو کچھ کہہ رہی تھی۔ وقت پڑنے پر کر بھی گزرے گی ---!"

خالد نے اس کا نرم و نازک ننھا سا ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں دبالیا "تمھیں میری قسم! بینا اتنا بڑا قدم کبھی نہ اٹھانا۔ میں نے تو صرف اسی اندیشے سے پوچھا تھا۔ ہماری محبت صرف ہم ہی تک محدود ہے۔ نہ تم نے کسی سے اظہار کیا ہے نہ میں نے۔ پھر کیا ہوگا۔ . . . ! یہ گونگی بہری محبت کب تک یونہی رہے گی۔ اگر تم ہمت کرو بینا تو۔ میں۔ تمھیں اپنا لوں گا!۔

آپ میری محبت پر شک کر رہے ہیں؟!" روبینہ نے پوچھا۔

شک؟۔ اور تمھاری محبت پر . . . ." خالد جذباتی انداز میں ہنسنے لگا۔ نہیں بینا۔ میں تو اپنی بے صبری کا کوئی حل تم سے پوچھ رہا تھا!۔ اپنے آپ سوچتے سوچتے میں بہت دکھی ہوگیا ہوں۔ اتم ہی بتاؤ۔ کیا کروں؟!۔

ہمارے ہاں آیئے نا۔ پہلے تو آتے تھے آپ!۔

پہلے کی بات اور تھی۔ اب تو مجھے ڈیڈی کا خیال ہے۔ میں نہیں چاہتا۔ لوگ ہمارے بارے میں کچھ کہیں سنیں چاہے وہ ڈیڈی ہی کیوں نہ ہوں! لوگ حاشیہ آرائی کرتے ہیں۔ مذاق اڑاتے ہیں۔ وہ کسی کے دلوں میں نہیں جھانک سکتے بینا!۔ ڈیڈی۔ بہت انتہا پسند ہیں!۔ وہ عصمت و آبرو تک پہونچ جاتے ہیں۔ لیکن میں جانتا ہوں۔ عصمت و آبرو۔ صرف عورت ہی کی نہیں۔ مرد کی بھی ہوتی ہے!!

روبینہ کا چہرہ تمتما گیا۔ وہ خاموش ہی رہی!۔

دفعتہً کسی نے دروازے پر دھکا دیا۔ روبینہ گھبرا گئی۔ خالد بھی کھڑا ہوگیا۔ لیکن وہ اس کی گھبراہٹ پر ہنس رہا تھا!۔ پھر یکبارگی دروازے پر بہت سے ہاتھ پڑ گئے۔

جایئے۔ خدا کے لئے جایئے؟" روبینہ دونوں ہاتھوں سے اسے دھکیلتی

ہلوی بولی: کہیں کوئی دیکھ نہ لے ۔!

تم بہت ڈرتی ہو ۔ بٹیا ۔ ہماری جرمنی ہیں ۔!

ہائے اللہ ۔ بس اب جائیے ۔" وہ رونے کے قریب پہونچ گئی ۔ خالد نے بالکونی کی گگر تھام کر باغ میں چھلانگ لگادی ۔ روبینہ نے دھڑکتے دل اور لرزتے ہاتھوں سے بولٹ گرادیا ۔ اور دونوں ہاتھوں سے دل تھامے دیوار سے چپک کر گہری گہری سانسیں لینے لگی ۔

لڑکیاں پھر آ مار کر کمرے میں گھس پڑیں !!

○

سید صاحب اور سیفی کی گفتگو میں بار بار میجر اقبال کا نام آیا تھا !۔

اور اس عصرانے میں جو سیفی نے اپنی شادی کی خوشی میں دیا تھا ۔ وہ خصوصی مہمان کی حیثیت رکھتے تھے !۔

سید صاحب سے بھی ان کا تعارف کرایا گیا تھا ۔ وہ پرانے خیالات کے بزرگ تھے ۔ بے حد وضعدار اور اصول پسند جنھیں آداب محفل کا بھی بڑا خیال رہتا تھا ۔ چھوٹے بڑے کے پاس و لحاظ کا تصور بہت سخت تھا !۔ لیکن میجر صاحب نے ان کے کمزور اور بوڑھے ہاتھ کو اپنے سخت ہاتھ میں تھام کر ایسا پرجوش جھٹکا دیا کہ وہ بے چارے منھ پر تو کچھ نہ کہہ سکے !۔ لیکن دل ہی دل میں سخت بددل اور متنفر ہوگئے ۔ باری باری اپنے دوستوں کے بچے ان کے ذہن میں ابھرنے لگے جنھوں نے آج تک یہ گستاخی نہیں کی تھی کہ ان سے مصافحہ بھی کر سکتے !۔

پھر میجر صاحب کے دل میں یہ سا خیال آیا ۔ یہ ان کی ہونے والی سسرال

ہے۔ انھیں کافی رعب جمانا چاہئے۔ اس خیال کے ساتھ ہی ان کی اکڑ میں تھوڑا سا اضافہ اور ہو گیا۔ بزرگوں اور چھوٹوں کا لحاظ کئے بغیر انھوں نے پائپ نکال کر ہونٹوں میں دبا لیا۔ اور پھر آس پاس بیٹھے ہوئے مہمانوں کے چہروں پر بڑی فراخدلی سے دھواں اگلنے لگے۔

کیا اسی جنگلی کو سیفی نے پسند کیا ہے ؟" سید صاحب بے حد غصّے کے عالم میں پاؤں پٹختے اپنے کمرے میں آ گئے۔ انھیں عمر بھر میں پہلی بار سیفی پر بھی غصہ آرہا تھا! جب انھیں بھولے بھالے غصہ آتا تھا تو وہ اکثر دو ایک مہذب قسم کی گالیاں بھی دے دیا کرتے تھے!۔

عجیب احمق ہے۔ مردود۔!" انھوں نے کہا۔

کون۔ ابّا جان ؟" ردبینہ جلدی جلدی دعوت کے انتظام میں پھر رہی تھی۔ اسے بے حد مسرت تھی۔ اس کی چہیتی الماس اس کے ہاں آئی تھی! سید صاحب کے منھ سے یہ سن کر حیرت میں رہ گئی۔

شیشے کو پتھر سے کچلنا چاہتا ہے!" وہ بولے "من مانی کرے گا۔ ادھیڑ کر ڈال دوں گا۔ بڑا ترقی پسند بنا پھرتا ہے۔ انگریز کا بچہ۔ نالائق کہیں کا!"

مگر کون ابّا جان ؟" سیفی نے بھی سن لیا تھا۔ کسی کام سے اندر آیا تھا۔ بے حد متعجب تھا۔"

سید صاحب رکے تھمے!" کوئی نہیں۔ جاؤ اپنا کام کرو۔" انھوں نے دھڑام سے دروازہ بند کر لیا۔

مجھ پر غصہ آگیا ابّا جان کو" سیفی ہکا بکا رہ گیا۔" میں نے کیا کیا ہے؟" وہ وہ سوچ میں پڑ گیا۔ لیکن اپنا کوئی قصور اسے یاد نہ آیا۔

اپنے دوستوں کے سامنے اگر اپنی بہن کو نکالا تو مار ڈالوں گا!" انھوں

نے دروازے سے سر نکال کر کہا اور پھر دروازہ بند کر لیا۔!

یا خدا۔ میں پہلے ہی کب نکلتی ہوں آپ کے دوستوں کے سامنے!۔" روبینہ ڈر گئی۔" جاؤ بیٹا۔ تم اندر جاؤ۔" سیفی نڈھال سا ہو گیا۔" سب اِدھر ہی چل پھر رہے ہیں۔ ابا جان مجھے معاف نہیں کریں گے!۔ اگر تمھارا کسی کا سامنا ہو گیا۔!"

الماس اپنے کمرے میں بیٹھی تھی۔ روبینہ بھی وہیں دبک گئی!۔

تمھارا منھ کیوں لٹک گیا۔؟" سیفی واپس آیا۔ تو دوستوں میں کسی بات پر گرما گرم بحث ہو رہی تھی۔ میجر صاحب کا قہقہہ کانوں کے پردے پھاڑ رہا تھا فنکار۔ موسیقار۔ واہ واہ واہ۔ کہاں رہ گئے ہیں۔ فن۔ . . سپہ گری۔ مصوری، سنگتراشی۔ اور۔ اور۔

اپنے اپنے شوق ہیں!" مسعود کہہ رہا تھا!۔

گانا بجانا تو عورتوں کے کام ہیں۔" میجر صاحب کہہ رہے تھے۔ انھوں نے پائپ کا ایک گھنیرا دھواں مسعود کے چہرے پر چھوڑ دیا۔" چھوٹی موٹی خوشیوں پر ڈھول سنبھالی اور حلق پھاڑنے بیٹھ گئیں!۔

تان سین اور بیجو باورے کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے؟" پرویز نے سنجیدگی سے کہا۔" یہ دونوں تو غالباً عورتیں نہیں تھیں!۔

کیا بات ہے؟!" سیفی نے چپکے سے پوچھا۔

ارے یار خالد سے تعارف کرانا غضب ہو گیا۔ پیچھے پڑ گئے اس کے!۔" مسعود نے برا سا منھ بنا کر کہا۔

سیفی نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ اپنی کرسی پر خاموش بیٹھا خالد آہستہ آہستہ سگریٹ پی رہا تھا!۔ اس کے لبوں پر سادہ سی مسکراہٹ تھی اور بس. . .

نہ وہ کچھ بولا نہ کسی بحث میں حصہ لیا!۔ اب تو تقریباً حضرات سبھی اِدھر متوجہ

ہو چکے تھے۔ میجر صاحب کو اپنی بڑائی اور فضیلت کا اور احساس ہوا۔ اکڑ کر کار تھپ تھپایا۔ بے پرواہی سے بولے۔

"مشہور ضرور ہیں۔ لیکن خراج تحسین کے مستحق نہیں۔ ان کی ذات سے ملک و قوم کو کیا فائدہ پہونچا؟"

"آج ہزاروں فنکار ایسے ہیں۔ جو ملک کے ناتجربہ کار ذہنوں کے لئے مشکل راہ بنے ہوئے ہیں۔ لیکن جن کے نام بھی لوگ نہیں جانتے! جن سے ملک و قوم کو کوئی خاص فائدہ نہیں پہونچتا۔ کیا ان تمام لوگوں کو گولی سے اڑا دینا چاہیئے؟"

پرویز سخت غصے میں کہہ رہا تھا۔

"اس لحاظ سے تو یہاں جتنے بھی حاضرین ہیں۔ ان کی ذات سے کسی کو کوئی فائدہ نہیں ہو رہا ہے۔ اور نہ کبھی ہو سکتا ہے۔ سوائے ایک میجر صاحب کے! لہٰذا ان سبھوں کو یک قلم توپ دم کرا دینا چاہیئے"۔

اچانک مسعود کو بھی غصہ آ گیا۔

خالد کو میجر صاحب کی ذہنیت پر افسوس ہو رہا تھا۔ اس نے مسعود اور پرویز وغیرہ کو خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور وہاں سے اٹھ کر چلا گیا!۔

اس محفل میں اتفاق سے اس کے ساز و سنگیت کا بھی کچھ پروگرام تھا۔ سب کو اندیشہ تھا کہ وہ اس تلخ گفتگو کے بعد اس پروگرام پر آمادہ نہ ہو سکے گا:۔ لیکن جب سیفی نے اس سے اصرار کیا تو وہ بخندہ پیشانی راضی ہو گیا!۔

"ہرگز نہیں سنانے دوں گا!" مسعود اکڑ گیا "چلو خالد۔"

"تم بڑی جلدی متاثر ہو جاتے ہو۔ مسعود" خالد نے ہنس کر اسے سمجھایا" یہ تو اپنے سیفی کی فرمائش ہے!!

کلب سے دو چار ساز منگوائے گئے تھے۔ عصرانے کے بعد سب لوگ بڑے

ہال میں چلے گئے۔ جہاں نیم دائرے کی صورت میں نشست کا انتظام تھا۔ مرکز میں ایک کرسی اور بڑی میز تھیں۔ میز پر ساز رکھے ہوئے تھے۔ وہیں خالد بیٹھا کلارینٹ سے کوئی دھن موزوں کر رہا تھا!۔

میجر صاحب الگ تھلگ بیٹھے پائپ پی رہے تھے!۔ ان کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔ یک بیک ہال میں سناٹا چھا گیا۔ اور ایک سحر آفریں نغمہ فضا میں پھیل گیا۔ جیسے اپنے آپ در و دیوار سے نامعلوم ساز بج اٹھے ہوں۔ سنگیت کی آواز اونچی ہوتی گئی۔ دلوں میں جھرجھری پیدا کرتی جسموں میں سنسنی دوڑاتی اور پھر بڑھی۔ سوز بڑھا۔ درد بڑھا۔ ماحول نغمہ و ساز کا ہم آہنگ ہو گیا۔" اتنی دلکش اور پرسوز آواز۔ ملکوتی نغمہ۔ لاہوتی ساز۔ لوگ چلا اٹھے۔ پھر رفتہ رفتہ موسیقی کی گونج مدھم ہوتی ہوتی معدوم ہو گئی۔

خالد پیشانی سے پسینہ پونچھتا ہوا کھڑا ہو گیا!۔ سب اسے مبارکباد دے رہے تھے!۔ مسعود نے اس کے گلے میں باہیں ڈال دیں اور اس کا گلا چوم لیا۔"

میجر صاحب مبہوت اور ششدر اسے تکتے کے تکتے رہ گئے۔

شاندار۔!" وہ آہستہ سے بڑبڑائے۔

ہائیں۔ تم نے ڈھول تو بجائی ہی نہیں!۔" دفعتہً مسعود بولا۔

ڈھول میجر صاحب کے لئے چھوڑ دی۔!" پرویز نے کہا۔ اور پھر اس قدر قہقہے لگے کہ میجر صاحب کو اپنی پگڑی سنبھالنی دشوار ہو گئی!۔

○

الماس اور سیفی ہنی مون منانے ڈلہوزی چلے گئے۔ ان کے جانے کے ہفتہ بھر بعد اچانک ہی مسعود اور نیلم کی بھی شادی ہوگئی۔ دو ایک دن ٹھہر کر وہ شملہ چل دیئے۔ انہی دنوں نوید کا ٹرانسفر دور ہو گیا۔ وہ بھی بادلِ نخواستہ رخصت ہوا۔ جیسے کسی بھرے پرے چمن میں اچانک خزاں چھا جائے اور سارے پنکھ پھیرو کسی اور ہی گل و گلزار کی راہ لیں۔ اداس اور اکیلا خالد۔ جہاں تھا وہیں رہا!۔"

اس نے روبینہ کے ہاں جانے کی تو قسم ہی کھا رکھی تھی!۔

لیکن اپنی محبت کا مآل اس کی سمجھ میں نہیں آتا تھا!۔۔۔ وہ روبینہ کے بارے میں سوچتا تھا۔ عجیب طبیعت کی لڑکی تھی۔ حد درجہ محتاط بے انتہا ڈرپوک۔۔۔۔ اسے سمجھنا مشکل تھا۔ اگر اسے کسی معاملہ میں دھمکایا جائے تو وہ قطعی مجبور ہو جائے!!۔

نہ ہی خالد نے اب تک اپنی زبان کھولی تھی!۔ وہ بھی اپنے اصولوں میں عجیب ترین واقع ہوا تھا۔ شرافت۔ نیک نفسی اور خودداری بڑھکر اب خود اس کے لئے تکلیف دہ ہو گئی تھی۔

پھر پندار اور محبت میں کشمکش شروع ہو گئی!۔ کرنل صاحب بار بار کہاں دیکھنے آرہے ہیں۔!۔ وہ اپنا کام اپنے اسسٹنٹ کے حوالے کرتا ہوا اٹھ گیا!۔

چائے۔ حضور!" چپراسی اس کے سامنے مؤدب ہو گیا!۔

"وہ تم پی لو" اس نے ہنستے ہوئے کہا: "اور ڈرائیور کو آواز دو۔ وہ کار

برساتی میں لے آئے !"

چپراسی کی نظریں باہر کھلے میدان میں اٹھ گئیں ۔ جہاں تیز بارش ہو رہی تھی ! ۔ کار برساتی تک آنا ناممکن تھا ! ۔ لیکن حکم حاکم ۔۔۔ وہ سر جھکا کر چل پڑا ۔

بارش اس کے ارادے میں رکاوٹ کہاں ڈالتی ۔ کار سنبھالی اور شوفر کو اپنا منتظر رہنے کی ہدایت کرتا ہوا چل پڑا کسی نہ کسی طرح اس نے راستہ طے کیا ۔ اور کمپاؤنڈ میں کار بھیگتی چھوڑ کر اوپر پہونچا :

روبینہ برآمدہ میں کھڑی بارش کا تماشہ دیکھ رہی تھی ۔ اس نے پیچھے سے اس کی آنکھیں بند کر لیں ۔ وہ اچھل پڑی ۔ سرد ہاتھوں کے مس نے اس کے سارے جسم میں جھرجھری دوڑا دی ۔

اس نے جلدی سے ہاتھ ہٹا دیئے !! ۔۔ اور پھر یکبارگی ہنس پڑی ۔

ہائے اللہ ۔ آپ ۔ ۔ ۔ میں تو ڈر ہی گئی تھی ۔ دیکھئے ابھی تک میرا دل دھڑک رہا ہے ! "

دیکھوں ۔ ! " اس نے مسکرا کر ہاتھ بڑھایا ۔

روبینہ جھینپ کر پیچھے ہٹ گئی ۔

آپ تو بھیگ گئے ہیں ۔ ۔ ۔ بیٹھئے ۔ میں آپ کے لئے کپڑے لے آؤں ؟

آپ کے خیال سے میں نے دفتر میں چائے بھی نہیں پی ! " خالد نے کہا ۔

روبینہ ہنستی ہوئی چلی گئی ۔ اس نے ملازمہ کو کافی اور اس کے لوازمات کا آرڈر دیا اور سیفی کے کپڑے نکال کر دبے پاؤں باہر پہونچی ۔ ۔ ۔ اسی جگہ کھڑا خالد بھی پانی کا تماشہ دیکھ رہا تھا ! ۔ ابھی روبینہ نے ہاتھ بڑھا کر اس کی آنکھیں بند کر لیں ! ۔ اور اچانک اس نے اس کے دونوں ہاتھ جکڑ لئے ! ۔۔

روبینہ ہنستے ہنستے سہم گئی ۔ وہ اتنی ہی خوفزدہ رہتی تھی ۔ کوئی زور سے بول اٹھے ڈر گئی کوئی پاس سے نکل گیا ۔ اس کا دل دھڑکنے لگا ۔۔ اور پھر ۔۔ خالد جب نے اس کی کلائیاں تھام لی تھیں اور اس کے چہرے پر جذبات کا الاؤ سا بھڑک اٹھا تھا ! ۔

"میری چوڑیاں ٹوٹ گئیں !" روبینہ نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے کہا: "چھوڑیئے مجھے ! ـــــ" اس نے اپنے ہاتھ چھڑانے چاہے۔ مگر جنبش بھی نہ کر سکی !۔ لیکن یکایک ایک گونجیلی کھانسی کی آواز سن کر اس کے ہاتھ خود بخود چھوٹ گئے ! ـــــ ملازمہ کافی کی ٹرالی ڈھکیلتی ہوئی لائی اور بغور دونوں کو دیکھتی ہوئی واپس چلی گئی ! ـــــ

"دیکھیئے ! ـــــ میری ہتھیلیاں زخمی ہو گئیں !" خالد نے اپنے ہاتھ آگے بڑھا دیئے !۔ سچ مچ سفید سفید ہتھیلیوں پر ہلکی ہلکی خراشیں پڑی ہوئی تھیں۔ جن میں خون رس رہا تھا ! ـــــ ایک داغ بھی تھا !۔ جلا ہوا سا !۔۔۔ بہت پرانا۔

"کتنے داغ۔ کتنے گھاؤ ہیں !۔ روح پر بھی۔ جسم پر بھی !" روبینہ کی آنکھیں بھیگ گئیں !! اس نے اپنا آنچل اس کے ہاتھوں پر رکھ کر دبا لیا۔

پھر وہ کچھ سوچ کر ہٹ گئی اور کافی بنانے لگی !! ـــ

"بی بی۔۔۔ پڈنگ بھی رکھی ہے۔ دے جاؤں ؟ !" ملازمہ کی آواز نے تاثر ختم کر دیا۔

"ہاں ہاں۔ فوراً دے جاؤ !" خالد نے کہا۔ پھر وہ صوفہ پر جا بیٹھا۔

"روبینہ ! بہت سے ایسے احساسات ہوتے ہیں۔ جو الفاظ کا جامہ پہن لیتے ہیں تو اپنی معنویت کھو دیتے ہیں !" اس نے کہا: "کیا تمھیں اس کا احساس ہے ؟ !"۔

وہ خاموش رہی۔۔۔۔

اچانک وہ اٹھ کر روبینہ کے قدموں کے قریب آ بیٹھا۔ خالد سا ضدی۔ سرکش اور سنجیدہ انسان۔ محبت کے ہاتھوں کوئی یوں بھی بے ضبط ہو جاتا ہے۔ روبینہ سر سے لے کر پاؤں تک کانپ اٹھی۔"

پھر اس کی اور خالد کی نظریں ملیں۔ اور اس کے حسین و دلکش چہرے پر رفتہ رفتہ مسکراہٹ بکھرتی چلی گئی !۔ اس نے حسن کے حضور میں گھٹنے ٹیک دیئے !!۔

محبت انسان کو دلیر بنا دیتی ہے !۔ وہ تو یوں بھی دنیا و مافیہا سے بے خبر تھا۔ اب نہ اسے

کسی کا ڈر تھا نہ کرنل صاحب کی دھمکی کا خوف . . . . حتیٰ کہ وہ محبت کی ناکامی کی داستانیں بھی فراموش کر بیٹھا تھا۔ وہ سمجھتا تھا۔ یہ سب کچھ ابدی ہے اور لازوال۔ لیکن ہر چیز عروج پر پہونچ کر زوال پذیر ہو جاتی ہے!۔ کرنل صاحب جو کسی مصلحت کے تحت خاموش تھے؟ یا خاندان بھر میں ہونے والی شادیوں کا انتظار کر رہے تھے!۔ از سر نو پھر انہی تذکروں پر آگئے۔ جن سے خالد کو وحشت ہوتی تھی! لیکن اب وہ مطمئن تھا!۔ نہ ان سے مرعوب تھا نہ ان کا دست نگر۔ بلکہ مقابلے پر کمربستہ!۔

لیکن کرنل صاحب نے اب دوسرا ہی لہجہ اختیار کر لیا تھا!! — ان کے انداز میں نہ نفرت تھی نہ درشتگی۔ انھوں نے کہا۔

"مجھے اعتراف ہے۔ میں تم سے ہار گیا خالد۔ اب میں تمھیں کبھی مجبور نہیں کروں گا! غلطی میری ہی تھی۔ میں نے خواہ مخواہ تم پر بھروسہ کر لیا تھا۔ یہ نہیں سوچا تھا۔ تم میرے دل و دماغ سے نہیں۔ اپنے دل و دماغ سے کوئی فیصلہ کروگے!"

ڈیڈی۔ اس لڑکی کے سوا دنیا میں کوئی اور لڑکی نہیں ہے!" خالد نے نہایت بے باکی سے جواب دیا۔

ہوں گی۔ جنھیں تم جانتے ہوگے۔ میں نہیں جانتا!" اچانک کرنل صاحب نے دکھتی رگ پکڑ لی "میری طرف سے صاف اجازت ہے۔ تم جسے پسند کرتے ہو جس سے چاہتے ہو شادی کر لو۔ اسے اس گھر میں لاؤ۔ ماشاء و کلاّ۔ میں تم سے ناراض نہیں ہوں!۔ اگر تم چاہتے ہو تو میں خود سید صاحب کو تمھارا پیغام دوں گا۔ یقیناً حسن و دولت کے لحاظ سے روبینہ، ناہید سے کہیں زیادہ اچھی ہے! — میں تمھاری آرزو اپنی بوڑھی آن پر قربان نہیں کروں گا!۔

میں نے دولت کی پرواہ کبھی نہیں کی . !" خالد نے کہا۔

میں بھی نہیں کرتا؟ —" کرنل صاحب نے جواب دیا "میں تو صرف یہی کہہ رہا تھا کہ پھر میں زندہ نہیں رہوں گا۔ میں خودکشی کر لوں گا۔ مجھے اپنے اس دوست کو اپنی شکل دکھاتے ہوئے شرم آئے گی۔ جس سے میں نے وعدہ کیا تھا کہ اس کی لڑکی میری بہو بنے گی۔ جیسے میں نے دس سال قبل زبان

دی تھی! اور دس برس کے عرصے میں جس وعدے کا برابر اعادہ کرتا چلا آرہا ہوں! میں اپنے قول و فعل کا سچا ہوں۔ میں زبان دے کر ہرگز نہیں پھروں گا!۔

لیکن آپ نے ایسا کیوں کیا۔ ڈیڈی!؟" خالد ان کے دبنے پر شیر ہو گیا۔

خاموش رہو۔ جواب مت دو!" کرنل صاحب دہاڑے: "کہہ تو رہا ہوں کہ میں اپنی غلطی کا خمیازہ بھگتوں گا۔ جب جھوٹا ثابت ہوں گا۔ وعدہ شکن بنوں گا۔ تو کسی کو اپنی صورت نہیں دکھاؤں گا۔ کیسے کہوں گا۔ تم پر میرا اعتماد۔ بھروسہ۔ بھرم سب کچھ میرا خیال ہی خیال تھا۔" خالد۔ یہ گھر۔ میرا سارا اثاثہ۔ اپنی خوشیاں تمھیں سب کچھ مبارک!! خدا تمھیں ہمیشہ شاد و آباد رکھے!۔ میں خود ہی یہ گھر چھوڑے دیتا ہوں!!"

اتنا کہہ کر وہ چلے گئے۔ نہ بیگم صاحبہ کچھ کہہ سکیں اور خالد۔ ان کی تقریر کے دوران کئی بار اس کے چہرے کا رنگ بدلا۔ آس و نراس۔ امید و بیم۔ کشمکش۔ اور پھر سر بسر تاریکی چھا گئی یہ فیصلہ جو کرنل صاحب نے کیا تھا۔ اس فیصلے سے زیادہ ہولناک تھا۔ جو انھوں نے بہت پہلے کیا تھا!!۔"

وہ گہری سوچ میں ڈوب گیا۔ بیگم صاحبہ کو رونا آرہا تھا۔ اس وقت نہ ان کے پاس ناصیہ تھی نہ فیروز۔ نہ سیفی تھا نہ الماس!۔ وہ سوچ رہی تھیں۔ شاید خالد خود ہی بہتر طریق پر کوئی راہ نکالے۔ لیکن وہ دیر تک گم صم ٹہلتا رہا... تو وہ خود بولیں۔

"خالد۔ بوڑھے باپ کی عزت۔ ماں کے سفید بالوں کی لاج رکھو۔ اس معصوم لڑکی کا خیال کرو۔ جو تم سے وابستہ ہو چکی۔ اور اب جس کے لئے دوسرے مرد کا نام گالی بن کر رہ گیا ہے۔ سوچو خالد۔ رسم ہو چکی۔ تاریخ طے ہو گئی۔ اب وہ لوگ کیا کہیں گے۔ پھر اس لڑکی سے کون شادی کرے گا۔ نواب صاحب کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہ رہ جائیں گے۔ اور تمھارے باپ تو جو کچھ کہتے ہیں۔ کر گزرتے ہیں۔ تم کیا سوچ رہے ہو؟!"

"زندگی مجھے گزارنی ہے۔ میرے باپ کو نہیں۔ انھیں میری جان سے بڑھکر اپنی آن پیاری

ہے۔ انھوں نے میرے پاؤں میں بیڑیاں ڈال دی ہیں۔ انھوں نے میرے سارے احساسات سلب کر لئے ہیں۔ انھوں نے غلطی کی ہے۔ اور خمیازہ مجھے بھگتنا پڑ رہا ہے!" خالد بھی گرج رہا تھا!۔

آخر تمھارے انکار کی وجہ کیا ہے؟!۔

میری نیکنامی کا خیال رکھئے گا۔!" اچانک اس کے ذہن میں کسی کی آواز گونجی۔ اس کے کھلتے ہوئے لب پھر بند ہو گئے۔ وہ نہ بتا سکا۔ وہ انکار کیوں کر رہا تھا!۔

ممی روتی رہیں۔ لیکن اس نے ماں کے آنسوؤں کی پرواہ بھی نہ کی۔

"اچھا۔ ممی۔ دیکھ لیجئے گا۔ پہلے کون ہارتا ہے!" اس نے نہایت سنگدلی سے کہا۔ اور کھلے دروازے سے باہر نکل گیا۔ اس کے پیچھے دروازہ بند ہو گیا۔!!"
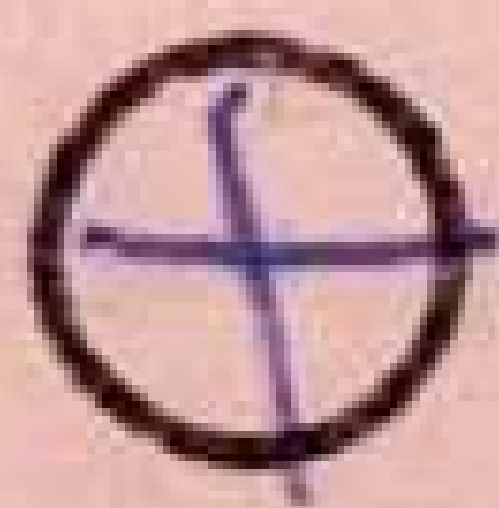
کوئی غیر اہم بات بھی بار بار دہرانے سے اہم بن جاتی ہے۔ سیفی کے واپس آنے کے بعد اسے میجر اقبال کا پیغام ملا۔ سید صاحب تو ٹال گئے مگر سیفی نے وعدہ کر لیا کہ وہ سوچے گا۔ الماس کی دبی دبی ہنسی نے روبینہ کو بہت پہلے ہی شبہہ میں ڈال دیا تھا!۔

اگر بھائی جان نے پیغام منظور کر لیا تو کیا ہوگا؟۔ وہ کسی سے کیا کہے گی۔ کیونکر کہے گی۔ اس کا تنہا غمگسار بھی اب اس سے دور تھا! جب سے الماس اس گھر میں بیاہ کر آئی تھی!۔ ایک مرتبہ الماس نے باتوں باتوں میں میجر صاحب کا تذکرہ کیا۔ اور روبینہ بھڑک اٹھی۔

"میں زہر کھا کر مر جاؤں گی۔ امی! اگر کسی نے میجر دیکجر کا نام بھی لیا!"

سیفی حیرت میں رہ گیا۔ مگر دل ہی دل میں سید صاحب خوش ہو گئے۔! ان کے یہاں ابھی تک کسی کو پتہ نہ تھا کہ کرنل صاحب کے ہاں کیا گزری۔! وہ تو صرف دھمکی دے کر رہ گئے۔

لیکن خالد نے سچ مچ گھر چھوڑ دیا۔ اس کے سامنے اس کے مستقبل کا سوال تھا! جس دن وہ گھر سے نکلا۔ اسی دن اسے اپنا مشاہرہ ملا تھا۔ حسب معمول ڈرافٹ کرنل صاحب کے نام بھیجدیا اور بینک میں ایمرجنسی لیو کی درخواست دے کر آفس سے نکل گیا!!۔

پھر کچھ دیر کلب میں لگی اس کے بعد وہ ہوٹل واپس ہوگیا۔ وہ ویسے بھی خاموش تھا۔ آتش فشاں پہاڑ کی مانند۔ جس کے سینے میں اس وقت تک لاوا پکتا رہتا ہے جب تک کہ اس کی چھاتی نہیں پھٹ جاتی!۔

اسے اپنی ماں کی آنسو بھری آنکھیں یاد آئیں۔

باپ کی سنگدلی بے چین کر رہی تھی۔ اسے سچ مچ اپنے باپ سے محبت تھی! لیکن کیا وہ اس سے بالکل محبت نہیں کرتے تھے؟!۔ انھیں صرف اپنی زبان عزیز تھی۔ خالد کی زندگی عزیز نہ تھی!!۔"

وہ اپنے کمرے میں بیٹھا سامنے مکان کے برآمدہ میں دیکھ رہا تھا۔ جہاں ماں باپ کے بیچ دو بچے کھیل رہے تھے!۔ دنیا کے ہر فکر و آلام سے بے پرواہ۔ وہ بھی تو یہی سب کچھ چاہتا تھا۔ ایک پرسکون گھر۔ جیون ساتھی۔ اور ننھے منے بچے!۔۔۔ لیکن یہ سب کچھ تقدیر میں تھا ہی کب ۔!"

اسے اب احساس ہوا۔ یہ فن۔ فن کی پیاس۔ سب بکواس ہے۔ جو فنکار نہیں تھے! وہ کہیں زیادہ خوش و خرم تھے!۔

نغمہ و ساز کا بادشاہ۔ جس کا دل گریہ کناں ہے۔ وہ آنسو تو سب دیکھتے ہیں جو آنکھوں سے بہتے ہیں۔ وہ آنسو کون دیکھتا ہے۔ جو دل سے نکلتے ہیں!۔ اسے کیا ملا؟۔

اس نے کیا پایا۔! ہوٹل میں رات جوان تھی!۔ پھر وہ بھی اٹھا۔ اور یکبارگی اس کے قدم تھم گئے۔"

وہ وہاں کیوں جا رہا ہے! اب کون ہے وہاں؟۔ اس کا دل گہری مایوسی میں

ڈوبنے لگا۔ لیکن پھر اس نے سوچا۔ وہ اسقدر کم ہمت کیوں رہا تھا۔ یہ تو دنیا ہے ۔۔۔
دارالمحن۔ یہاں مسکراہٹیں کم ہیں اور آنسو زیادہ۔ پھر وہ نیچے آیا۔ اور اسے کلام مل گئی
پل بھر کی رفاقت اور پھر جدائی۔ کس کا ساتھ کون دیتا ہے! وہ تنہا نہیں رہ سکتا! تنہائی اسے
ڈس لے گی!۔ بوجھل بوجھل قدموں سے پھر اپنے کمرے میں چلا آیا۔ اور پھر سگریٹ پھونکنے لگا۔ تنہا اور
اداس۔ خیالات جیسے ایک اٹوٹ زنجیر۔ ایک کے بعد ایک ۔۔۔ گھر پر وہ اب تک۔ اپنے نرم وگرم
بستر پر سو بھی چکا ہوتا۔!

پھر وہی۔ گھر۔ گھر۔! اس نے جھلا کر سوچا اور اٹھ کر بالکونی میں آ گیا۔ آسمان تاریک
تھا۔ لیکن ستاروں سے سجا سنورا۔ جیسے کسی نے سیاہ مخمل پر سونے کا برادہ چھڑک دیا ہو۔ پھر اس نے
بالکونی کا پھولدار پردہ پھیلا دیا اور بڈ لیمپ آن کر کے لکھنے کی میز پر آ بیٹھا!۔

اس دن اچانک اسے سیفی مل گیا!۔ خالد اسے دیکھ کر سہم گیا۔ لیکن شاید ابھی سیفی کو خبر نہیں
تھی!۔ اسے خبر جیا پہونچا تا بھی کون!۔ پھر خالد نے ہزار نہیں نہیں کی مگر وہ اسے اپنے ساتھ
لے ہی گیا!۔

الماس اسے دیکھ کر روٹھ گئی۔ سید صاحب خوش ہو گئے۔ اور روبینہ کے دل کے نہاں خانے
میں بجھتے چراغ یکبارگی جلتے چلے گئے!۔

وہ آ کر ڈسی کے پاس تخت کے کونے پر ٹک گیا!۔

خیریت۔ روبی؟!۔ وہ اداس اداس سا مسکرایا۔

آپ کے قدم غریب کے جھونپڑے کی طرف کیسے اٹھ گئے؟! روبینہ نے شکوہ کیا۔

ہاں۔ بیٹا تم نے تو آنا ہی چھوڑ دیا۔!" سید صاحب نے کہا۔ پھر الماس چائے لے آئی ۔۔!
اِدھر اُدھر کی باتیں ہونے لگیں!

اتنی دلچسپیاں ہیں۔ اتنی مصروفیتیں ہیں۔ بھلا ایسے میں کوئی کیسے یاد آئے!؟ روبینہ
نے پھر کہا۔ لیکن اس مرتبہ بھی وہ سر جھکائے آہستہ آہستہ چائے کے گھونٹ لیتا رہا!۔ اسے

اندازہ ہو گیا تھا۔ ابھی یہ سب بے خبر ہی تھے!۔ اس نے بھی کچھ کہنا مناسب نہیں سمجھا!۔

واقعی۔ بتاؤ تو خالد۔ کیا تم خانہ نشین ہو گئے ہو؟!" سیفی نے پوچھا۔

خانہ بدوش!" اچانک وہ بے ساختہ ہنس پڑا۔ لیکن اس نے فوراً ہی سنجیدہ ہو کر کہا۔" نہیں کہہ سکتا سیفی! میں آج کل کتنا مصروف ہوں!۔

پھر اسے اٹھتے دیکھ کر سید صاحب نے کہا۔" اچھا تو کھانا کھا کر جاؤ۔ اتنی جلدی کس بات کی ہے۔!"

جی نہیں اب تو اجازت دیجئے۔ پھر کبھی حاضر ہو جاؤں گا!۔" اس نے کہا پھر روبینہ سے مخاطب ہو کر بولا۔" آپ کے پاس ایک دفعہ میرا السٹر رہ گیا تھا۔ اگر کہیں ادھر پڑا ہوا ہو تو براہ کرم لا دیجئے!"

روبینہ نے آہستہ سے نفی میں سر ہلایا۔

ایک بار میرے کچھ کپڑے بھی یہیں رہ گئے تھے۔ وہ اگر کہیں پڑے ہوں تو وہی دے دیجئے!۔" اس نے پھر کہا۔ اور روبینہ نے پھر سر ہلا دیا۔

ہاں۔ آپ کے کپڑے۔" الماس بول اٹھی۔" وہ تو جبھی ڈرائی کلین کرا کے روبینہ نے رکھ دیئے تھے۔!

پاگل کہیں کی۔!" روبینہ جھنجھلا گئی۔ مگر الماس دوڑ کر کپڑے لے آئی۔

اس کے ہاتھوں سے کپڑے لیتے ہوئے معاً خالد نے اپنی جیب سے ایک لفافہ نکالا اور قمیض کی تہہ میں رکھ کر کپڑے روبینہ کی طرف بڑھا دیئے۔!

خیر۔ پھر کبھی دیکھا جائے گا۔ فی الحال رہنے ہی دیجئے!" روبینہ کا دل دھک سے رہ گیا کسی نے دیکھ تو نہیں لیا۔ وہ کپڑے سمیٹ کر بھاگ گئی!۔

اور یہ تو کئی دن بعد پتہ چلا۔ وہ گھر سے نکل چکا تھا۔ الماس رو دھو کر میکے چلی گئی۔ سیفی اور سید صاحب بھی دل شکستہ سے تھے!۔ الماس تو اپنی ماں کو دیکھ کر شکستہ زدہ رہ

گئی۔ ناصیہ دن بھر اپنے مجبور بھائی کو صلواتیں سنایا کرتی!۔ فیروز اور سیفی دوستوں سے ملتے ملاتے۔ تلاش کرتے۔ مگر سب مایوس و ناکام واپس آتے!۔ بیگم صاحبہ کو ایک چپ لگ گئی تھی ان کی بوڑھی آنکھوں کے بادل بن برسے رہ گئے تھے!۔ رات دن آہیں بھرا کرتیں۔ وہ تھیں اور اپنے گمشدہ بیٹے کا کمرہ۔!

کرنل صاحب کو بھی پتہ چلا وہ اوپر ہیں!۔ گرجتے برستے زینے طے کئے اور ٹھوکر مار کر دروازہ کھولا۔ بیگم صاحبہ خالد کی میلی قمیض میں چہرہ چھپائے زار و قطار رو رہی تھیں!۔ سسکیوں کی آواز سن کر کرنل صاحب کا پارہ آسمان سے باتیں کرنے لگا۔

یہ کیا کر رہی ہو بیگم!۔۔۔۔ کیا تم اپنی طبیعت خراب کر لوگی؟!

وہ تو انھیں جلاد سے بڑھکر دکھائی دے رہے تھے!۔ بے مہر۔ بے مروت!۔ اپنی آن پر جان دینے والے۔ ضدی۔ ہٹ دھرم۔ لیکن وہ تو ماں تھیں!۔ انھوں نے شوہر کی طرف سے چہرہ پھیر لیا۔

جس نے تمھاری اور میری پرواہ نہ کی۔ اس کے لئے تم آنسو بہا رہی ہو؟!"

"آنسو تو آپ کی سنگدلی پر بہا رہی ہوں! جنھیں اولاد کی زندگی سے زیادہ اپنی ضد پیاری ہے!۔ جانے میرا بچہ کہاں ہوگا۔ کیا کر رہا ہوگا!"

اپنے اعمال کی سزا بھگت رہا ہوگا۔ گا رہا ہوگا۔ ناچ رہا ہوگا۔ اس کے سوا اور وہ کر ہی کیا سکتا ہے!۔ چلو اٹھو۔ یہاں سے۔ میں یہ خرافات پسند نہیں کرتا۔!

تو آپ چلے جائیے یہاں سے!" انھوں نے بدستور رخ موڑے ہوئے کہا۔ میں تو چلا ہی جاؤں گا۔ مگر تمھیں بھی لے چلوں گا۔!

ہائے میرا خالد۔ کہیں سے اسے لے آیئے۔ میں اسے اپنی چھاتی سے لگا لوں!۔ اس کے بغیر میں زندہ نہیں رہوں گی!۔ وہ مجھے بہت یاد آ رہا ہے!!۔

واہیات۔" وہ گرجے: اب تو تم اور سکون سے زندہ رہوگی!۔ اس نے تو اپنی اور

ہماری سب کی زندگیاں تلخ کر رکھی تھیں!۔

اتنے سنگدل نہ بنیئے۔ آپ نے خود اس کی زندگی دشوار کر رکھی تھی۔ قدم قدم پر اس کے لئے پابندیاں لگا دی تھیں۔ وہ کوئی ننھا سا بچہ تو نہیں ہے۔ کبھی اس نے آپ کو جواب نہیں دیا کبھی آپ کا کوئی حکم نہیں ٹالا۔ مگر آپ کے دل میں تو خاک اڑ رہی تھی۔ اب آپ کو قرار آگیا آپ تو اور خوش ہوں گے۔ اگر وہ بھوکا ننگا پھرے۔ در در کی ٹھوکریں کھائے۔ ایسے جلاد کیوں ہو گئے آپ ؟! دشمن اپنی اولاد کے!۔

ہاں! بیگم! میں جلاد ہوں۔ دشمن ہوں! مگر تم تو نہیں تھیں۔ وہ تو تمہیں بھی چھوڑ کر چلا گیا۔ تم نے کیوں نہ روک لیا اسے!۔ اس نے میرا کہا نہیں مانا تھا۔ تمہارا تو مان لیا! تم تو خود کہتی ہو۔ تم روتی تھیں اور وہ پیٹھ پھیر کر چلتا بنا!۔"

میں کیسے صبر کروں ؟ مجھے اپنے دل پر قابو نہیں ہے!۔

یہ سمجھ کر صبر کر لو کہ وہ ہمارے حق میں مر چکا!۔"

"چپ رہیئے خدا کے لئے" بیگم صاحبہ انھیں جھنجھوڑ کر بولیں "آپ سچ مچ پتھر ہو گئے ہیں۔ آپ کو ذرا بھی ترس نہیں آتا۔ آپ کا دل نہیں دکھتا!۔ یہ کمرہ بھائیں بھائیں کر رہا ہے جیسے اس کی ایک ایک چیز اسے پکار رہی ہو!۔

جب تک یہاں بیٹھی رہو گی۔ یہی سوچتی رہو گی!۔ آؤ۔ نیچے چلو!" انھوں نے کہا اور بیگم صاحبہ کا ہاتھ تھام لیا۔ بیگم صاحبہ انھیں بہت کچھ سنا چکیں تھیں۔ چپکے سے اٹھ کھڑی ہوئیں اور چالیس برس کے جنم مرن کے ساتھی ایکدوسرے کا ہاتھ تھامے نیچے اتر گئے۔ اچانک بیگم صاحبہ نے کمزور آواز میں پوچھا۔

"اگر وہ خود سے چلا آئے تو اسے کچھ کہیئے گا تو نہیں ؟!"

نہیں کہوں گا۔ بیگم۔ وعدہ کرتا ہوں۔ کچھ نہیں کہوں گا۔!"

وہ رات پتہ نہیں۔ بیگم صاحبہ پر کیسی گزری۔ لیکن سب سے دور سب سے الگ تھلگ

اپنا کمرہ بند کئے بستر پر پڑے ہوئے کرنل صاحب یوں پھوٹ پھوٹ کر رو رہے تھے! جیسے وہ ننھے سے بچے ہوں جس کی ماں اسے چھوڑ کر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے چلی گئی ہو!۔

لیکن وہ اپنے غم کے آپ ساتھی تھے!۔ جابر و صابر!!

○
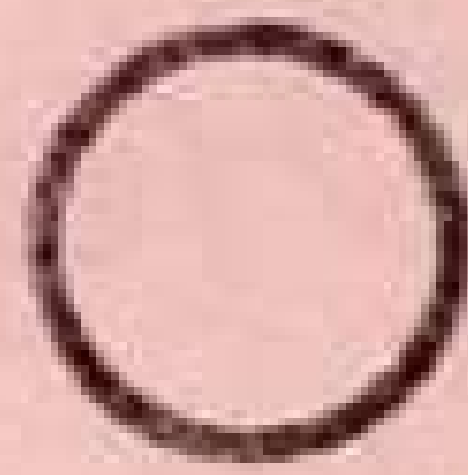
جب گھر سے سب جا چکے تو روبینہ اپنے کمرے میں آئی!۔ لرزتے ہاتھوں سے دروازہ بند کیا۔ پردہ گرایا۔ اور پھر لفافہ چاک کیا۔ سطریں اس کی آنکھوں تلے سے یوں بھاگ جا رہی تھیں۔ جیسے لہروں پر لکھی گئی ہوں۔ آگے پیچھے۔ رواں رواں۔ مرتعش اور لرزیدہ سی!۔

"پردہ نشیں! مجبتیں!!"

اس کے سوا اور کوئی راستہ تم سے ملنے کا نظر نہیں آتا بہت مجبور ہو کر اختیار کر رہا ہوں!۔ کچھ تو میری تشنگی مٹے! شاید تمھیں نہیں معلوم!۔ تقدیر مجھ سے پھر چکی ہے!۔ ایک در بند ہوا سب بند ہو گئے۔ اب کوئی نہیں۔ جو میرا ہاتھ تھامے! غم کے اندھیروں میں روشنی کی ایک ہلکی سی جھلک دکھا کر پھر مجھے انہی کجی سنوری راہوں پر چھوڑ دے!۔ جن کے خواب میں نے دیکھے تھے۔ خواب کسی پر بند نہیں ہیں۔ روبی!۔ خواب بھی مجھے پریشان کر رہے ہیں!۔ جن کا مآل میں جانتا ہوں! ؎

مجھے معلوم ہے انجام رودادِ محبت کا
مگر کچھ اور تھوڑی دیر سعیِ رائیگاں کر لوں

آج میں نے سب کچھ چھوڑ دیا۔ روبینہ!۔ سب کچھ!۔ صرف تمھارے

لئے!۔ لیکن میں بہت کمزور انسان ہوں!۔ تمھارے ہندوستان کی اخلاقی قدروں نے مجھے مجبور کر رکھا ہے!۔ میں بغیر تمھارے ساتھ کے کچھ نہیں کر سکتا! لیکن اگر تم میرا ہاتھ تھام لو۔ اور کہہ دو۔ ایک بار صرف ایک بار!؛ خالد! مجھے تم سے محبت ہے!" تو روبی! میں زمینوں آسمانوں کی قسم کھا کر کہتا ہوں! میں سب کچھ کر سکتا ہوں!۔ یہ آپس کی مخالفتیں بزرگوں کی دھمکیاں مجھے مرعوب نہیں کر سکتیں! لیکن میں تو یہی سوچ رہا ہوں! کہیں یہ سب کچھ میرا پاگل پن تو نہیں ہے! میرے دل کی تڑپ اور میرے انفاس کی بے کلی۔ جن کا تم نے کبھی کوئی جواب نہیں دیا۔ نہ آنکھوں سے نہ زبان سے۔ نہ اشاروں سے۔ میں گہری سوچ میں گم ہو جاتا ہوں۔ کہیں یہ میری بد قسمتی کا کوئی نیا شاخسانہ تو نہیں ہے!۔ مجھے تو کچھ بھی نہیں ملا ہے

وہی شکستِ تمنّا وہی غمِ ایّام
نگاہِ زیست نے سب کچھ لٹا کے کیا پایا

روبینہ! خدارا! زندگی دے کر واپس نہ لے لینا۔! میں تم سے مل نہ سکا۔ اور شاید اب مل بھی نہ سکوں گا۔ تمھیں یہ تو پتہ ہوگا۔ میرے ایک انکار نے کیا ستم ڈھایا ہے۔ مجھے یہ منظور نہیں تھا۔! اگر تم مجھے نہ ملتیں تو شاید میں کرنل صاحب کے حکم پر سر جھکا دیتا۔! لیکن اب مجھے یہ گوارہ نہیں ہے۔ یہ تو مجھے تماشہ لگتا ہے۔ روبینہ!۔ دل کسی کو پکارے جسم کسی اور کا ہو جائے!۔۔۔ کیا یہ ریاکاری نہیں ہے!؟"

لیکن روبینہ!۔ یہ سب کچھ میرے لئے ایک کھیل ہے! میں جس

آگ میں جل رہا ہوں جس کرب و اضطراب کے دور سے گزر رہا ہوں، اس کے مقابلے میں کرنل صاحب کی سزا کم ہے۔ بہت کم ہے!۔

روبی!۔ اگر وہ مجھے حکم دیتے۔ کہ میں اپنے ہاتھ سے زہر پی لوں اپنے ہاتھوں اپنے گلے پر چھری پھیر لوں تو خدائے بزرگ و برتر کی قسم! میں ان کے حکم سے سرتابی نہ کرتا!۔ میں جھوٹ نہیں بولتا! یقین کرو۔ لیکن میں اپنی محبت کے گلے پر چھری نہ پھیر سکا۔! اس طرح تو میں زندگی بھر سکتا رہتا!۔

اب تو میں شب و روز دعا مانگتا ہوں!؎

کب تک، یہ طولِ فرقت تاثیر دے الٰہی!

اس اشکِ بے اثر کو اس نالہ نارسا کو

روبینہ!۔ جواب دینا۔ میں جو کچھ کروں گا۔ تمہاری مرضی سے! یا اگر تم بھی مجبور ہو تو مجھ سے کہدو۔ میں اپنی برباد محبت کو سینے سے لگائے، ہمیشہ ہمیشہ کے لئے تمہارا شہر چھوڑ جاؤں گا!۔

لیکن روبی!۔ یہ ناسمجھ دل۔ جو مجھے بہلا رہا ہے۔ کہ ایسا نہیں ہے۔ ایسا نہیں ہوگا۔ یہی آس مجھے زندہ رکھنے پر مجبور کر رہی ہے! ورنہ شاید میں پاگل ہو جاتا۔ یا مر جاتا۔

یہ آرزو شدت سے ابھر رہی ہے۔ کاش! کوئی معجزہ ہو جائے اور میری بینا میرے پاس آجائے!۔ میں اپنا پتہ لکھ رہا ہوں!۔ کسی کو بتانا نہیں یہاں باری باری سب ہی آچکے ہیں۔ لیکن ہوٹل کے رجسٹر میں میرا نام انور درج ہے!۔ تاکہ کوئی مجھے ڈھونڈے تو پا نہ سکے!۔"

روبینہ !۔ وعدہ کرو کہ آؤ گی۔ میں بھی عہد کرتا ہوں! تمھیں دیکھ کر بے ضبط نہیں ہوں گا۔ میں تمھارے قریب بھی نہیں آؤں گا۔ میں کچھ بولوں گا بھی نہیں۔ تم جو کچھ کہتی جاؤ گی۔ وہ سنتا رہوں گا۔ اور جو کچھ تم کہو گی۔ مان لوں گا۔

روبینہ !۔ سب نے مجھے چھوڑ دیا۔ میں نے سب کو چھوڑ دیا۔ تم نہ چھوڑ دینا!۔

(تمھارا خالد)

وہ گم صم ہو گئی۔ اس کی نگاہوں میں دنیا تاریک تھی۔ یک بیک وہ گہری سوچ میں ڈوب گئی۔ انجام کا اسے بھی پتہ نہ تھا!۔ خالد کیا سوچ رہا ہے۔ وہ کیا کرے گا۔ کون سا قدم اٹھائے گا۔ صرف اسی کی وجہ سے وہ یک بیک کتنی مشکلوں میں پڑ گیا ہے۔ وہ کیا کرے۔ کیا نہ کرے۔ نہ اس میں یہ ہمت تھی کہ وہ علانیہ خالد کا ہاتھ تھام لے۔ نہ اتنی ہمت تھی کہ کسی سے کہہ سکتی۔ عجیب کشمکش میں پڑ گئی۔ اس کے سامنے کوئی راہ نہ تھی۔ خالد نے اس کی خاطر سب کو چھوڑ دیا۔ اگر وہ اس کا ساتھ نہ دے گی۔ تو وہ کیا سوچے گا۔ اسے بزدل۔ عہد شکن بے وفا اور ڈرپوک بنائے گا!۔

وہ سوچتی رہ گئی اور پھر بھی کچھ نہ سوچ سکی!۔

یقیناً خالد کا اگلا قدم ہولناک ہوگا۔ اس کے لئے بھی اور اس کے لئے بھی۔

وہ لرز گئی!۔

الماس اور سیفی واپس آگئے تھے! ان کی آوازیں سن کر وہ باہر نکلی۔ دونوں اتنے دل شکستہ اور خاموش تھے کہ روبینہ کا دل بیٹھ گیا!۔

خالد صاحب کا کچھ پتہ چلا۔ الماس !" اس نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے

کہا۔"

نہیں۔ روبی۔ جانے میرے بھیا کہاں چلے گئے!" الماس دلدہی پر پھوٹ پڑی۔

سیفی سر تھام کر ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔

سید صاحب بھی بے حد پریشان تھے۔ "خالد ایسے جذباتی نکلے۔ نہ تو ماں باپ کی عزت کی پرواہ کی۔ نہ اپنی پوزیشن کی۔ میں نہیں سمجھتا تھا۔ وہ اتنے ضدی ہیں!"

پھر وہاں اس کے اور دوست بھی آگئے۔ سب ہی فکر مند تھے۔ ان کا ایک پیارا دوست ان میں نہیں تھا۔ ان سب کو اس کا بہت زیادہ احساس تھا؟۔

بھائی جان کو ڈھونڈیئے" الماس رونے لگی تھی!" میری ممی یہ صدمہ نہیں سہار سکتیں وہ ڈیڈی کی سنگدلی اور بھائی جان کی ناسمجھی پر روتے روتے جان دیئے دیتی ہیں۔ یہی حال رہا تو وہ کیونکر جیئیں گی!۔

سبھی جگہ ڈھونڈ لیا۔ الماس!" مسعود نے بڑے متاسفانہ لہجے میں کہا:" شہر کا چپہ چپہ چھان مارا۔ کلب۔ ہوٹل۔ کیفے۔ سب جگہ دیکھ لیا۔ لیکن ——!" وہ چپ ہو گیا"

بینک میں تو آئے ہوں گے!" سید صاحب نے پوچھا"

جی نہیں!" پرویز نے کہا" وہاں وہ ہفتے کی لیو کی درخواست پہلے ہی پہونچ چکی ہے! میرا خیال ہے۔ وہ پھر فارن چلے گئے!۔

پرویز بھائی!" یک بیک الماس دہل گئی" بھائی جان نے ڈیڈی کی سختیوں سے تنگ آکر کہیں اپنی زندگی پر تو نہیں بنالی۔

یہ نہ سوچو۔ بہن!۔ ایسا کیسے ہو سکتا ہے!" پرویز بھی دہل گیا۔

الماس۔ روبینہ کا دل چلا اٹھا۔ لیکن وہ کچھ بول نہ سکی!۔ ہی سبھی ایک ایک کو تکتی رہی"

کیا کریں۔ کہاں ڈھونڈیں۔!" سید صاحب تھک کر کرسی کی پشت گاہ سے لگ گئے۔ پھر ان میں دیر تک باتیں ہوتی رہیں۔ روبینہ وہاں سے ہٹ گئی۔ کسی کو کچھ خبر ہی نہ تھی۔ اصل واقعہ کیا تھا۔ وہ سب بھاری بھول میں پڑے۔ ایک بھیانک غفلت۔ لیکن جب راز افشا ہو گا تو کیا ہو گا۔

اس کی آنکھوں میں تاریکی کے سائے لہرانے لگے۔ جسم سرد ہونے لگا۔ اپنا انجام اس کی نظروں تلے تھا۔

ان سبھوں کو معلوم تھا۔ خالد کسی کا منگیتر تھا۔ یہ بھی علم تھا کہ روبینہ کا رشتہ کہیں ہو رہا تھا۔ کسی کو بھول کر بھی یہ خیال نہیں تھا کہ خالد کے انکار کی وجہ روبینہ کی محبت میں پوشیدہ ہے۔ جب ان بزرگوں کو پتہ چلے گا۔ یا اگر خالد کو اس کی خاموشی پر غصہ آئے گا۔ اس نے سن رکھا تھا اس کا غصہ اپنے باپ ہی کی طرح بے پناہ ہوتا ہے۔ وہ سب کچھ کہہ دے گا۔ تو پھر کیا ہو گا۔؟

سب اسے حیرت و ملامت میں ڈوبی نگاہوں سے دیکھیں گے۔ سب کی آنکھوں میں نفرت ہو گی۔ یہی وہ پاکباز لڑکی تھی جس نے ایک زندگی کی بھینٹ لی۔ ایک معزز باپ کی عزت پر بن آئی۔ ایک بے خبر انسان کو تباہی کے غار میں جھونک دیا۔ ایک بھرے پرے چمن کو اپنی آہوں سے پھونک ڈالا۔ یہی ہے یہی!۔

روبینہ معصوم اور شریف لڑکی۔

روبینہ۔ بے خبر۔ دنیا کے نشیب و فراز سے ناواقف ہستی۔

روبینہ۔ حیا پرور، اور پردہ نشیں

روبینہ۔ یہ تو نے کیا کیا۔ کیا کر دیا؟!۔

نہیں۔ نہیں۔!" وہ بے آواز چلائی۔ اور بیہوش ہو کر فرش پر لڑھک گئی۔

○

سیفی روز صبح کو الماس کو اپنے ساتھ ہی لے جاتا۔ اور شام کو واپس لے آتا۔ کئی دن گزر چکے تھے۔ اور سب اپنی اپنی جگہ سمجھ بیٹھے تھے کہ خالد ملک سے باہر چلا گیا۔ ان سب میں اب بھی سرگوشیاں ہوتیں۔ بزرگوں میں کھلبلی مچ گئی تھی۔ ہر ایک کی ملامت آفریں نظریں کرنل صاحب پر پڑتی تھیں۔

ان پر درپردہ لعنتوں کی بوچھاڑ کی جاتی۔ اور اب سرگوشیوں نے افواہوں کا روپ دھار لیا تھا کہ خالد کسی عورت ہی کے پیچھے بھاگا ہے! اسے ڈھونڈنے والے اس کے ساتھ ایک عورت کی تلاش میں بھی تھے۔ کئی بار ناصیہ اور اس کے شوہر سید صاحب کے ہاں بھی آئے۔ زیادہ وہیں سب کی بیٹھک جمتی تھی۔ پہلے پہل فیروز کا خیال تھا۔ خالد کا دامن اِن خرافات سے پاک ہے۔ لیکن اب تو وہ علانیہ سب میں کہتے پھرتے اس بربادی میں یقیناً کسی عورت کا ہاتھ تھا!۔

"اگر مجھے معلوم ہوتا وہ عورت کون ہے۔ تو میں اس سے ملتا" وہ بڑے وثوق سے کہتے "خالد کو سمجھاتا کہ یوں گھر برباد نہ کرو لیکن میں تو قیاس کر رہا ہوں!" خدا جانے اصل واقعہ کیا ہے؟۔

اگر وہ کوئی عورت ہے تو وہ ایک زندگی کی بھینٹ لے کر پھل پھول نہ سکے گی" ناصیہ سخت گیری میں بالکل اپنے باپ پر گئی تھی " جو ماں باپ کا نہ ہوا۔ وہ دوسروں کا کیا ہوگا۔ یہ تو ہوس ہے۔ بے شرمی۔ بے حیائی۔ خدا غارت کرے۔ ایسی محبت کو!

"عورتوں کے لئے شہنشاہوں نے سلطنتیں ٹھکرا دی ہیں۔ آپا بی۔ اگر بھائی جان نے بھی محبت کی ہے تو کچھ برا تو نہیں کیا؟" الماس ایسے موقعوں پر ہمیشہ اپنے بھائی

کی طرفدار بن جاتی :

"باپ کو پریشان کر رکھا ہے۔ ماں کو خون کے آنسو رلا رہا ہے۔ خود برباد ہو رہا ہے" ناصیہ نے غصیلی ہنسی ہنستے ہوئے کہا "یہ بھی کچھ برا نہیں کیا۔ مگر خالد کو اور اس ڈائن کو معلوم نہیں ہے۔ ایسی محبت دودھ کا ابال ہے۔ پانی کا بلبلہ۔ وہ بیوقوف خود پچھتائے گا!"

اور ایسے موقعوں پر روبینہ خاموش ہی رہتی! وہ تو اکیلی تھی۔ جو سب کچھ جانتی بوجھتی تھی۔ سب کچھ! لیکن وہ سب کی پریشانی کا سبب بن رہی تھی۔ نادانستہ طور پر.....
اگر اس کے ہونٹ کھل گئے۔ تو ساتھ میں ہزاروں ہونٹ کھل جائیں گے۔ کئی انگلیاں اٹھ جائیں گی۔ وہ کیسے برداشت کرے گی۔ سب پوچھیں گے۔ پھر وہ اب تک خاموش کیوں رہی تھی؟۔ اس کے پاس اس کا کیا جواب ہوگا؟ وہ اپنی صفائی میں کیا کہے گی؟!

خالد تو اپنی ضد پر اڑا ہوا تھا... وہ کیسے کہے گی؟! ہزاروں مخالفتیں گوارہ کر کے خالد کو اس کا اپنا بنا دیا جائے؟ وہ کہہ ہی نہیں سکتی تھی۔! وہ تو پاگل ہو رہی تھی۔ اس کا یہ خیال بھی یونہی رہ گیا کہ وہ خالد ہی سے کوئی مدد لے گی۔ کوئی رائے پوچھے گی۔ اس سے کہے گی کہ وہ انتظار کرے!۔ اور سب پر رحم کر کے اپنے گھر واپس چلا جائے!
لیکن وہ کچھ بھی نہ کر سکی!۔ اسے احساس تھا کہ خالد اس کا منتظر ہوگا۔ جتنی مضطرب اور پریشان وہ تھی۔ اتنا ہی وہ بھی ہوگا۔ لیکن وہ نہ اس سے مل سکی نہ لکھ سکی!!۔

دن پہ دن گزرتے چلے گئے!۔

امید و بیم کی جانگسل کیفیت میں ملوث شب و روز۔

پھر وہ اس روح فرسا احساس سے جیت نہ سکی!۔ اس نے سوچ لیا۔ وہ اس سے ملے گی!۔ اور جو کچھ وہ کہے گا وہ مان لے گی۔ خواہ دنیا کچھ بھی کہے! آخر وہ سب کی خاطر اپنی محبت کی قربانی کیوں دے۔؟!

تم نے تمہارے

لیکن وہ اپنا ارادہ ابھی پورا نہ کر سکی تھی کہ سیفی اور الماس اسے اپنے ساتھ لے کر چلے گئے۔!

بیگم صاحبہ بستر علالت پر دراز تھیں۔ اب تو وہ پہچانی نہ جاتیں۔ لوگ انھیں بہلاتے تسلیاں دیتے۔ لیکن ماں کی ممتا ان طفل تسلیوں سے کب بہلتی ہے؟۔ وہ سوچ چکی تھیں۔ باپ کی مسلسل سختیوں سے تنگ آ کر خالد نے دنیا چھوڑ دی ہے!۔ یہ خیال آتا اور ان کی دھندلی آنکھوں سے طغیانیاں ابل پڑتیں!۔

اور اب تو کرنل صاحب بھی خوفزدہ تھے!۔ دل ہی دل میں خود کو لعنت ملامت کر رہے تھے۔ کہیں بیگم صاحبہ کو کچھ ہو گیا تو وہ سب کو کیا جواب دیں گے؟ خالد تو کبھی کبھی آ ہی جائیگا۔ پھر وہ پوچھے گا:

بتائیے!۔ میری ماں کہاں ہے؟!

بولئے! کیا آپ نے میری ماں کو مار ڈالا؟!۔

بیوی کا قاتل... وہ کانپ اٹھتے۔ انھیں محسوس ہوتا۔ دنیا بھر کی نگاہیں شدید ترین نفرت اور غصے کے عالم میں انھیں گھور رہی ہیں!۔ انھیں معلوم نہ تھا معاملہ اتنا طول کھینچے گا۔ وہ تو صرف تنبیہ چاہتے تھے!۔ اب خوف اور جوابدہی کے اندیشے نے انھیں حد درجہ سنگدل بنا یا تھا۔ انھوں نے اس کے جانے کے بعد اس کا نام تک نہیں لیا۔ اور نہ نام سننا پسند کیا!۔

جب ردبینہ پہونچی!۔ انھوں نے ایک طویل اور گہری سانس لے کر ردبینہ کو دیکھا اس کے سلام کرنے پر آہستہ سے اس کے سر پر ہاتھ رکھا اور اٹھ کر چلے گئے!۔ وہ سانس ردبینہ کے سینے میں تراز و ہو گئی!۔ اسے یہ بھی پتہ تھا۔ ایک بار خالد کی کال انھوں نے وصول کر لی تھی!!۔ وہ لڑکھڑاتی ہوئی بڑھی اور بیگم صاحبہ کے پہلو میں بیٹھ گئی۔

انھیں دیکھ کر تو وہ پاتال میں اترنے لگی۔ اسے یہ پتہ نہ تھا کہ نوبت یہاں تک۔

پہنچ جائے گی! ۔ بیگم صاحبہ صرف ہڈیوں کا ڈھانچہ بن کر رہ گئی تھیں! ۔ اسے دیکھ کر ان کے ہونٹوں پر مرجھائی ہوئی مسکراہٹ بکھر گئی ۔ ایسی مسکراہٹ کے روبینہ کے آنسو چھلک آئے:

اس کی ماں نہیں تھیں ۔ وہ نہیں جانتی تھی ۔ ماں کی محبت کیا چیز ہوتی ہے! ۔ لیکن یہ ماں اسے اپنی ہی ماں لگیں ۔! ایک ماں کو رلا کر تڑپا کر اپنی محبت پانا گناہ تھا گناہ ۔ !!

اچھی تو ہو ۔ بیٹی ۔" انھوں نے بڑی کمزور مگر محبت بھری آواز میں پوچھا: تم نے بھی آنا چھوڑ دیا۔

آپ کی یہ کیا حالت ہو گئی ۔ ممی! " روبینہ نے ان کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں دبالیا۔

زندگی کی چند سانس رہ گئی ہیں بیٹی " ممی نے کہا " بس! اپنوں کو دعائیں دیتی ہوں ۔ بیٹی ۔ میری تقدیر میں ایسے ہی جلاد لکھے تھے ۔ تمھارے ڈیڈی کی سنگدلی نے عمر بھر مجھے زندہ درگور رکھا ۔ عمر کے اس آخری زمانے میں خالد کی ذات چھائیں چھائیں کرتی دھوپ میں گھنے سائے سے کم نہ تھی ۔ اس نے اپنی ماں کو یوں دھوکا دیا: ان کی آواز رندھ گئی " اس کی محبت پر بھروسہ کیا تھا ۔ مگر ۔ بیٹی ۔ وہ مجھے ٹھکرا کر چلا گیا!! "

روبینہ کا جی چاہا وہ چلا چلا کر رونے لگے ۔ وہ سب کچھ کہہ دے جو اس کے دل میں دفن تھا: ممی آپ کا بیٹا آپ کو مبارک ہو ۔ وہ آپ کے قدموں میں چلا آئے گا اسے میں نے بہکا لیا تھا ۔ میں قاتل ہوں ۔ بے رحم ہوں ۔ لیکن میں انھیں واپس کر دوں گی اپنا زہر میں آپ پی لوں گی ۔ میں مر جاؤں گی ۔ مگر انھیں آپ کو واپس کر دوں گی!

مگر وہ کچھ نہ کہہ سکی ۔ خاموش بیٹھی رہی ۔

"مرتے وقت میرا جی چاہتا تھا کہ میں نے اسے اپنے سینے سے لگا لوں ۔ اسے پیار کروں مگر میری یہ آرزو بھی پوری نہ ہو گی ۔ اگر میں مر جاؤں تو اس سے نہ کہنا کہ تمھاری ماں

مرگئی۔ روئے گا بہت روئے گا۔"

نہیں، ممّی نہیں۔ وہ آجائیں گے!۔" روبینہ رو پڑی۔

نہیں بیٹی۔ اب نہیں آئے گا۔" ممی کے خاموش آنسو جاری ہو گئے" اب تو میرا جی چھوٹ گیا۔ آس ٹوٹ گئی۔! وہ مجھ سے بڑھ کر محبت کرنے والی ہنسی کے پاس چلا گیا۔ بس میری یہی ایک دعا ہے۔ جہاں رہے۔ اللہ کرے۔ شاد و آباد رہے!۔"

روبینہ پھر سسک پڑی۔ وہ سوچ رہی تھی۔ زہر کا وہ لبالب جام جو اس نے اپنے ہاتھوں اپنے محبوب کے ہونٹوں سے لگایا تھا۔ اب اپنے ہونٹوں سے لگائے گی۔ وہ اپنی محبت واپس لے لے گی!۔ ایسی محبت کس کام کی ہے! جو ایک ماں کی لاش پر سے گزر کر اسے ملے گی۔ وہ اپنی محبت کی نفی کرے گی۔! جو کچھ بھی ہو۔ وہ یہ خون اپنی گردن پر نہیں لے گی۔ کبھی نہیں!۔ ہرگز نہیں۔ خواہ اس کے لئے خود اسی کو اپنی لاش پر سے گزرنا پڑے۔ یہ نسبتہً آسان ہے!۔ محبت ایثار و قربانی کا دوسرا نام ہے۔!!

وہ سوچتی رہی... وقت گزرتا رہا!!

O
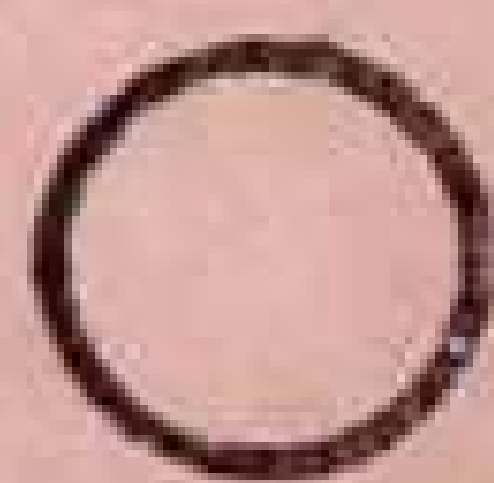
وہ طویل انتظار کربناک نہیں، مرگ آسا بن گیا تھا۔ شب و روز کا انتظار۔ جب خالد کی تمام امیدیں ایک ایک کر کے ختم ہونے لگیں۔ اور سب کچھ دام و فریب لگا۔ دن پر دن گزرتے چلے گئے۔ لیکن نہ تو اسے کوئی جواب ملا۔ نہ روبینہ خود آئی۔ بیم و رجا کے اذیت ناک احساسات اسے پاگل کر رہے تھے!۔ جو کچھ وہ اتفاقاً کر رہا تھا!۔ کیا وہ سب کچھ دھوکا نہ تھا۔ اپنے چاروں طرف اسے خلا نظر آتا۔ اسے محسوس ہو رہا تھا۔ اس نے بڑی زبردست حماقت

کی تھی!!۔ لیکن ایک موہوم سی آس تھی۔ جس نے اب بھی سہارا دے رکھا تھا!! ویسے وہ طے کر چکا تھا۔ اسے واقعی یہ شہر چھوڑ دینا چاہیئے!!۔

دن کے گیارہ بجے وہ اپنے کمرے میں بیٹھا یہی سب کچھ سوچ رہا تھا۔!۔ ایش ٹرے جلے ادھ جلے سگریٹ کے ٹکڑوں سے بھر چکا تھا۔! سارے کمرے میں دھواں چکراتا پھر رہا تھا!۔ وہ یوں بھی چین سموکر تھا! لیکن اس وقت تو اس نے قیامت ہی کر دی!! مسلسل سگریٹیں پھونک رہا تھا۔ ٹھیک اسی وقت دروازے پر دستک ہوئی۔!

آجائیے!" اس نے تھکی ہوئی آواز میں کہا اور کرسی کی پشت گاہ سے سر ٹیک دیا۔ آنے والا بیرہ تھا!۔ اس نے کافی اور سگریٹ کا نیا ٹن میز پر رکھ دیا۔ پھر بڑے ادب سے کہا:

"جناب... ایک خاتون... مس سیّد نیچے ٹیکسی میں آپ کی منتظر ہیں۔!"

مس سیّد؟!" وہ بے اختیار کرسی سے اٹھ کھڑا ہوا۔" وہ یہاں کیوں نہیں آئیں۔!"

"عرض کیا تھا۔ جناب والا۔ لیکن انھوں نے کہا آپ کو ان تک پہونچا دیا جائے!"

کمرہ یونہی کھلا رہ گیا۔ کافی بھی جوں کی توں پڑی رہ گئی۔! اور وہ بے پر کے اڑ گیا۔ حقیقتاً سامنے کراٹا کی اونچی باڑھ کے پیچھے ٹیکسی میں روبینہ ہی بیٹھی تھی!۔

مجھے یقین تھا۔ روبی۔ تم ضرور آؤ گی!۔" وفورِ شوق و طرب میں اس کی سانسیں پھولنے لگی تھیں۔ مگر تم نے اتنی دیر لگا دی۔ اتنی دیر لگا دی۔ کہ میں مایوس ہو چلا تھا؟"

روبینہ نے پٹ کھول دیا اور چپ چاپ ایک طرف کھسک گئی۔ وہ اندر بیٹھ گیا اور کار آگے بڑھ گئی۔ روبینہ نے ہاتھ بڑھا کر سامنے کا پردہ پھیلا دیا۔ وہ خاموش تھی۔ اس کی آنکھیں سرخ تھیں۔ وہ ملگجے لباس میں ملبوس تھی۔ اس کے خوشنما

گھنے سیاہ بال جو ہمیشہ رنگ برنگی فیتوں میں جکڑے رہتے تھے۔ آج یونہی پشت پر بکھرے ہوئے تھے۔ مگر وہ اب بھی بے حد پیاری لگ رہی تھی۔!

"روبی۔ تم اتنی خاموش کیوں ہو؟۔ تم کہاں چل رہی ہو؟" خالد نے اس کی خاموشی سے گھبرا کر پوچھا۔

وہ خاموش ہی رہی!۔

"تم ہوٹل میں کیوں نہیں رک گئیں!؟"

جی نہیں چاہا۔!

تم نے میرا خط پڑھ لیا تھا؟۔

جی ہاں۔

مگر تم نے کوئی جواب نہیں دیا!۔

جواب ہی دینے آئی ہوں!۔" اس کے اس جواب پر خالد خاموش ہو گیا۔! پارک کے اونچے اونچے درخت دور سے دکھائی دینے لگے۔ کار کی رفتار تیز ہو گئی پھر وہ پارک کی عقبی دیوار تلے پہونچکر رک گئی!۔ روبینہ اتری اور ٹیکسی ڈرائیور کے ہاتھ میں بل رکھ دیا۔ اس نے کار بیک کی۔ اور فراٹے بھرتا ہوا نکلا چلا گیا!۔ خالد متحیر تھا!۔ روبینہ کی خاموشی اور اس کا یہ سلوک۔ وہ آگے بڑھتی جا رہی تھی مجبوراً وہ بھی اس کے پیچھے بڑھ گیا۔

پارک میں دوپہر کو بالکل سناٹا بلکہ ہو کا عالم طاری تھا۔ ہوائیں تک خاموش تھیں۔ نہ کوئی آواز نہ آہٹ۔۔۔۔ روبینہ تھوڑی دور جا کر گل نبہ کی چھاؤں تلے بیٹھ گئی۔ خالد بھی اس سے قدرے ہٹ کر بیٹھ گیا۔ اس کی حیرت ابھی تک برقرار تھی!۔ اور پھر یک بیک اس نے بڑی محبت اور گرمجوشی سے روبینہ کا ہاتھ تھام لیا!۔۔۔

روبینہ کے حوصلے پانی ہونے لگے!۔ کیا کہے۔ کیا نہ کہے۔؟

"آپ نے تو لکھا تھا۔ تمھارے قریب نہیں آؤں گا۔ تم سے بات بھی نہیں کروں گا۔ اتنی جلدی آپ اپنا وعدہ بھول گئے!" روبینہ کی گلوگیر آواز گہرے سمندر میں ڈوب ڈوب کر ابھر رہی تھی!۔ اس لہجے میں بولنے کے لئے اسے اپنے آپ سے کتنی جد و جہد کرنی پڑ رہی تھی۔ یہ اسی کو معلوم تھا۔ اس کے اس طرح کہنے پر خالد نے اپنا ہاتھ ہٹا لیا اور کچھ اور پیچھے سرک گیا!۔

"روبینہ!۔ کیا تم مجھ سے خفا ہو؟۔ شاید میرے خط لکھنے پر۔ مجھے اپنی اس حرکت پر خود بھی شرمندگی ہے۔ لیکن بہت مجبور ہو کر میں نے خط کا سہارا لیا تھا!"

مجھے اس طرح برا ماننے کا کیا حق ہے؟!" روبینہ نے خشک لہجے میں کہا۔

تم سچ مچ خفا ہو۔" اس نے جھینپی ہوئی ہنسی ہنستے ہوئے کہا: "اچھا۔ بینا۔ مجھے معاف کر دو۔!"

اس نے پاس جھک کر اس کا چہرہ دیکھا۔ آنسوؤں سے لبریز آنکھیں۔ لرزتے ہوئے ہونٹ۔

بینا۔ تم رو رہی ہو؟" وہ دم بخود رہ گیا۔" بولو بینا۔ کیا تمھیں میری کسی بات سے تکلیف پہونچی ہے۔ میں تمھارے ہاتھ جوڑتا ہوں۔ مجھے معاف کر دو!۔ روبی۔ تم نے میرے سلوک سے متاثر ہو کر یہ راستہ اختیار کیا ہے۔ تم مجھے فون کر سکتی تھیں۔ گھر پر مل سکتی تھیں!۔"

کس کے گھر پر۔ آپ کا کوئی گھر بھی ہے؟!۔

خالد اس جواب پر سناٹے میں رہ گیا۔

"کہاں ملتی۔ کہاں جاتی۔ کیا کرتی؟" روبینہ نے پھر کہا: "آپ نے مجھے کن امتحانوں میں ڈال رکھا ہے۔ مجھے تو آگے کی کوئی راہ دکھائی نہیں دیتی!۔

"ہم تم ایک ہو جائیں۔ بہت سی راہیں خود بخود نکل آئیں گی۔!"

مجھ میں گھر بار اپنے پرائے چھوڑنے کی ہمت نہیں ہے۔ اور پھر ایک خیالِ خام کے پیچھے!" روبینہ نے پھر اسی لہجے میں کہا۔ جو خالد کے لئے بالکل نیا تھا۔!۔

خیالِ خام؟!" وہ کسی گہری سوچ میں ڈوب گیا!۔

"آپ تو یوں بھی بے داغ چھوٹ جائیے گا۔ سب آپ کو ہاتھوں ہاتھ لیں گے مگر میں کسی کو کیا منھ دکھاؤں گی۔ لوگ کہیں گے۔ ایک زندگی تباہ کرنے والی۔ ایک بھرے پرے کنبہ میں آگ لگانے والی۔ یہی بے شرم ہے۔ پھر میں کیا کروں گی۔ کہاں جاؤں گی؟؟!۔

یہ تم کیا کہہ رہی ہو۔ روبی؟۔ آج تمھیں کیا ہوگیا ہے؟" خالد کا لہجہ بدستور سیدھا سادا تھا۔ نہ غصہ نہ حقارت ۔ ۔ ۔ وہ تو ویسا ہی تھا۔ بے خبر اور انجان۔ جیسے کچھ بھی پتہ نہ تھا۔ جواب بھی اس کی محبت میں مضطرب تھا۔ صدیوں کا سا بیمار۔ پریشان اور حیرت زدہ!!۔

مجھے سودا ہوگیا ہے۔ میں پاگل ہوگئی ہوں!۔

مگر میں پاگل نہیں ہوں۔ روبینہ!۔

آپ مجھ سے بڑھکر پاگل ہیں۔ کس لئے آپ نے سب سے منھ موڑ لیا ہے!" تمھارے لئے۔؟" خالد نے کہا۔ اس کی آواز میں ہلکی سی تلخ کیفیت رچ گئی فرطِ غم سے روبینہ نے اپنا چہرہ چھپا لیا۔ اپنی بناوٹی نفرت۔ اپنی کج ادائی کا یقین دلاتے ہوئے اس کا دل خون کے آنسو رو رہا تھا۔ کیسے وہ اس انسان کو اپنے سے متنفر کرے گی۔ کیسے باور کرائے گی۔ وہ اس سے محبت نہیں کرتی۔ نہیں کر سکتی؟۔ اس میں یہ بھی ہمت نہیں تھی کہ وہ اس کا چہرہ ہی دیکھ سکتی!!۔

تمھارے لئے۔ بنیا!" خالد نے پھر کہا" یہ سب کچھ کیا تھا! اس یقین پر دنیا

سے منھ موڑا تھا کہ تم میرا ساتھ دو گی۔ میں تو اب بھی یہی سمجھ رہا تھا کہ تم میرا ساتھ ہی دینے کے لئے آئی ہو۔ میں نے یہ کسی سے نہیں کہا۔! اور نہ کبھی کہوں گا۔ تم نے مجھ پر اعتماد کر کے مجھ سے وعدہ لیا تھا کہ "میری نیکنامی کا خیال رکھئے گا!" تمھاری نیکنامی میرے سینے کا ناسور بن گئی روبینہ!!۔ اور اب تم مجھے پاگل بنا رہی ہو۔ کسی نے تم پر جادو تو نہیں کر دیا۔

"آپ نے کر دیا تھا۔ میں سمجھ نہ سکی تھی۔ مجھے تو اب پتہ چلا۔ آپ سنگدل ہیں۔ بے درد ہیں۔ پتھر ہیں!"

روبینہ۔ ہوش میں آؤ۔ تم اپنے خالد سے بول رہی ہو!

میرا خالد" اس نے طنزیہ پیرائے میں کہا "جو اپنوں کا نہ ہو سکا۔ وہ میرا کیا ہو گا۔!!

خداوندا۔ یہ کیا ہو گیا" اس نے دونوں ہاتھوں سے سر تھام لیا۔ روبینہ کے دل میں درد کی ٹیسیں اٹھ رہی تھیں۔ وہ چاہ رہی تھی۔ وہ خالد کے قدموں سے چمٹ جائے اور یکبارگی ہنستے ہوئے کہہ دے۔ یہ سب مذاق ہے۔ لیکن اس کے سامنے ذلت و رسوائی کے مہیب غار منھ پھیلائے ہوئے تھے۔ اپنوں بیگانوں کی خون فشاں آنکھیں چاروں طرف سے گھور رہی تھیں۔ بڑی مشکل سے وہ خود کو سنبھال سکی!۔

"روبینہ! میں تمھیں بھول نہیں سکتا۔ یوں تو میں مر جاؤں گا۔ میری سمجھ میں اب بھی نہیں آ رہا ہے۔ تمھیں کسی نے بہکا دیا ہے۔ کسی نے تم پر جادو کر دیا ہے۔ مجھے اپنے کانوں پر یقین نہیں آتا۔ مجھے دیکھو۔ مجھے پہچانو۔ روبی!۔ اپنے دل سے پوچھو۔ کیا وہ میری محبت کے گیت نہیں گاتا ہے؟"

نہیں!۔ ان سب کو آپ سے نفرت ہے!"

"اللہ۔ اللہ۔!" خالد نے فرطِ غم سے چہرہ زانوؤں پر اوندھا لیا اور اس

کے چلتے چلتے آنسو بہنے لگے!۔

"روبینہ!" اس کی آواز سسکیوں ہچکیوں میں رک رک گئی: مجھ سے کون سی غلطی ہوئی۔ کون سی ایسی خطا ہوئی جس نے تمھیں مجھ سے متنفر کر دیا۔ روبی!۔ میں نے کبھی تمھارے وقار کو صدمہ نہیں پہونچایا۔ کبھی تمھارے اعتماد کو دھوکا نہیں دیا۔ مجھے اعتراف ہے۔ روبینہ! تم سے ملنے کے بعد اکثر تمھیں اپنی بانہوں میں جکڑ لینے کی مجنونانہ خواہش مجھے بے چین کرنے لگی۔ تمھیں پیار کرنے کی وحشیانہ آرزو مجھ میں کروٹیں لینے لگی! لیکن... تمھاری تقدیس تمھاری عظمت نے مجھے ہمیشہ اس مہمل خواہش سے باز ارکھا۔ میں تو۔ یہی سوچ کر۔ خود کو تسلی دیتا تھا۔ مجھے روبی کی محبت ملی ہے۔ میرے لئے یہی کافی ہے!۔ یہ معلوم نہیں تھا۔ تم اتنی جلدی ایسی نامہربان ہو جاؤگی!۔ یہ تو وہم وگمان نہ تھا۔ وہ سجدے جو میں نے تمھارے آستانے پر کیے تھے۔ مجھے گناہ گار بنا دیں گے!"

"آپ کی محبت برسات کی چاندنی ہے۔ ابھی ہے ابھی نہیں!!"

میری محبت آفتاب کی روشنی ہے۔ جو کچھ نہیں ڈوبتی۔ ہمیشہ برقرار رہتی ہے۔ کبھی کہیں، تو کبھی کہیں!۔

"اپنی روشنی وہیں لے جایئے۔ جہاں آپ نے اندھیرا کر رکھا ہے!"

"اچھا۔ روبینہ۔ اس نوازش و احسان کا بہت بہت شکریہ!۔ میں جا رہا ہوں! اللہ کرے۔ میرے نصیب کی خوشیاں بھی تمھی کو مل جائیں۔ چاہے تم مجھے بھول جاؤ۔ مجھ سے نفرت کرو۔ لیکن میں تمھیں مرتے دم تک نہیں بھولوں گا۔ اگر کبھی تم اپنے اس بے درد و نامہربان فیصلے پر نظر ثانی کر سکو تو میرا آغوشِ محبت تمھاری پذیرائی کے لئے ہمیشہ وا رہے گا!۔ خدا حافظ!!"

پھر وہ اٹھا اور تھکے تھکے قدموں سے چلا گیا۔ اس کے قدموں کی آہٹیں مدھم ہوتی ہوتی ڈوب گئیں!۔

اور پھر یکبارگی پھوٹ کر روتی ہوئی روبینہ سبزے پر گر پڑی۔

"خالد۔ خالد۔ تمہی بتاؤ۔ اس کے سوا میں کیا کرتی۔ کیا کرتی!"

اپنا سب کچھ ہار کر لڑکھڑاتی گرتی پڑتی وہ واپس پلٹی۔ اسے کچھ ہوش ہی نہ تھا وہ کہاں جا رہی تھی۔ کہاں جائے گی؟!۔

دفعتہً پارک کے گیٹ کے پاس اسے ایک ٹیکسی دکھائی دی۔ اسے دیکھتے ہی ٹیکسی ڈرائیور نے پٹ کھول دیا۔ پھر پوچھا۔

"میم صاحب! کیا آپ ہی سومنزل جائیے گا۔ کسی خالد صاحب نے مجھے یہاں ٹھہر کر آپ کا انتظار کرنے کے لئے کہا تھا۔ یا آپ کے سوا کوئی اور بھی پارک میں ہے؟!"

روبینہ کا دل پھٹنے لگا۔ اتنی محبت، اتنا خیال۔ وہ بھی تو اپنا سب کچھ ہار چکا تھا۔ اپنا اعتماد۔ اپنا بھرم، اپنی محبت۔ لیکن نہ تو اس نے اسے لعنت ملامت کی۔ نہ تو یہی پوچھا کہ وہ اب تک اسے دھوکے کیوں دیتی رہی تھی۔ نہ اس کے لہجے سے نفرت برسی نہ اس کی آواز میں غصہ محسوس ہوا۔ وہ تو اس معصوم بچے کی طرح رونے لگا تھا جس کا پسندیدہ کھلونا ٹوٹ جائے۔۔ روبینہ دم بخود کھڑی تکا رہ گئی!۔

"آئیے! میم صاحب!" ٹیکسی ڈرائیور نے کہا۔ "کرایہ مجھے صاحب دے گئے!!"

○
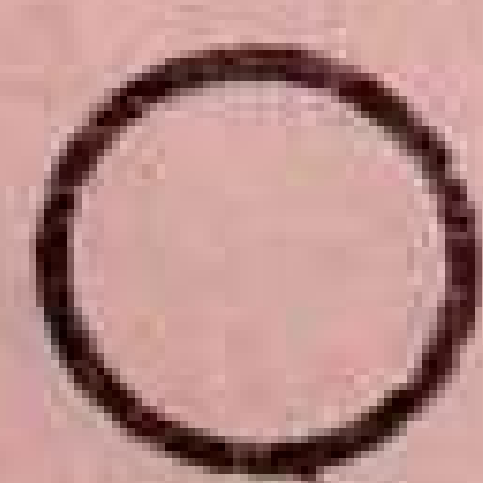
اس کا گردوپیش ایک جہنمی کرہ میں مدغم ہو گیا تھا۔ جیسے ایک بھیانک اور ہولناک خواب ہو۔ جو نہ ٹوٹ رہا ہو۔ اور نہ آنکھ کھل رہی ہو۔ اپنے کمرے میں پڑا وہ اپنے ماضی کو آوازیں دے رہا تھا! لیکن ماضی اسے منہ چڑا کر بھاگ نکلا تھا! کبھی وہ اپنی دھمکتی ہوئی کنپٹیوں کو دباتا کبھی شدید درد سے مجبور اپنے ڈوبتے ابھرتے سینے کو بحقیقت

تو یہ تھی کہ اسے اب درد کا احساس بھی نہ رہا تھا!۔
اس میں اتنی سکت بھی نہ تھی وہ کسی بیرے کو بلا سکتا! کسی کو آواز دے سکتا!۔
اور اس وقت اسے اپنا گھر یاد آیا۔ اپنے ماں باپ... اپنے لوگ۔!
"ممی... ممی!..." پھر ننھے بچے کی طرح وہ سسکنے لگا۔ کسی نے دروازے پر دستک دی اور اس نے جلدی سے آستین سے آنکھیں مل ڈالیں۔ آنے والا مینیجر تھا! وہ اس کے پاس آکر بیٹھ گیا۔ اس نے اسے سہارا دے کر بٹھایا اور محسوس کیا کہ وہ تیز بخار میں پھنک رہا تھا!۔
"آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے مسٹر خالد!" اس نے تادیبی لہجے میں کہا: "آپ مجھے اجازت دیجئے۔ میں کوٹھی پر فون کر دوں! کوئی آکر آپ کو لے جائے!"
"نہیں نہیں!" اس نے بے صبری سے ہاتھ ہلا کر منع کیا: "میں ٹھیک ہوں! بالکل ٹھیک ہوں۔ آج رات کے آخری پروگرام کے بعد میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے واشنگٹن چلا جاؤں گا۔!"
"مسٹر خالد۔ آپ سخت نادانی کی باتیں کر رہے ہیں..." مینیجر اٹھتا ہوا بولا: "پروگرام پر اور واشنگٹن پر لعنت بھیجئے۔ اور گھر جائیے! کئی بار مسعود صاحب اور سیٹھی صاحب آپ کی تلاش میں یہاں آئے۔ لیکن آپ کی ہدایت نے میری زبان بند رکھی۔ اب میں خود انھیں اطلاع دے دوں گا!۔"
"للہ ایسا نہ کیجئے گا۔!" اس نے پھر اسے روک دیا۔ مینیجر برا سا منہ بنا کر اٹھ گیا۔ چند ہی لمحوں بعد وہ معہ ایک ڈاکٹر اور کچھ کھانے پینے کی چیزوں کے ساتھ پھر واپس آیا۔ ڈاکٹر نے اسے دیکھ بھال کر ایک انجکشن دیا۔ پھر دوبارہ آنے کا وعدہ کر کے چلا گیا۔ اور مینیجر اس کے پاس آ بیٹھا۔ اس نے اصرار کر کر کے اسے کھلایا پلایا۔

اور آرام کرنے کی ہدایت کرتا ہوا بولا۔

"ایسا کون سا صدمہ ہے۔ کون سا غم ہے۔ جس نے آپ کی جان پر بنا رکھی ہے؟ آپ مجھ سے کیوں نہیں کہتے۔!"

اب نہ کوئی صدمہ ہے نہ غم۔ یہ تو اپنی حماقت کا پچھتاوا ہے۔"

بہر حال۔ آپ فارن جانے کا ارادہ ترک کر دیجئے۔ اور براہ مہربانی گھر جایئے!

انجکشن کے اثر سے وہ بہت جلدی ٹھیک ہو گیا۔ کلب میں اس کا آخری پروگرام تھا۔ پھر اٹھ کر اس نے جلدی جلدی شیو بنایا۔ غسل کیا۔ اور اپنا بہترین سوٹ پہن کر باہر نکلا۔ منیجر کے چہرے پر ناگواری کی شکنیں پڑ گئیں!۔ اس نے اسے بہت روکا۔ بہت منع کیا!۔ لیکن خالد نے ہنستے ہوئے کہا "گڈ بائی فار ایور مسٹر منیجر! واشنگٹن پہونچکر آپ کو خط لکھوں گا!"

آئی ویش گڈ لک ٹو یو۔ مسٹر خالد!۔" اس نے دل ہی دل میں ہنستے ہوئے کہا!۔ اور پھر جیسے ہی خالد نے ٹیکسی کے پائیدان پر قدم رکھا۔ اس نے فون کا ریسور اٹھا کر کوٹھی پر فون کر کے اس کے ارادے کی خبر کر دی۔ اور یہ بھی کہہ دیا کہ وہ اس وقت کہاں مل سکے گا۔!

کلب میں اس کے پروگرام کے دن کہیں تل دھرنے کی جگہ نہیں ہوتی تھی۔ اور اس وقت بھی وسیع و عریض ہال میں سر ہی سر دکھائی دے رہے تھے!۔

غیر معمولی طور پر وہ بہت پر جوش نظر آرہا تھا۔ جیسے کوئی امر گیت گانے والا ہو۔ پھر وہ اسٹیج پر آیا۔ اور سارا ہال تالیوں اور چیئرز کے شور سے گونج اٹھا۔ سب سے پچھلی سیٹوں پر سیفی اور فیروز بھی تھے۔ غیر متوقع طور پر اسے اپنے سامنے دیکھ کر انھیں کچھ عجیب سا محسوس ہونے لگا۔ جیسے وہ ان کا اپنا نہ ہو۔ کوئی غیر ہو۔ جس سے ان کا ناطہ صرف تماشہ اور تماشائی کا سا تھا۔ خون کا مطلق نہیں! خالد

کو اپنی دھن میں یہ خیال ہی کہاں آیا کہ اسے کوئی دیکھ بھی رہا تھا۔ اور یوں بھی اس کی نظریں اتنی دور تک کہاں پہونچتیں۔

پھر انھوں نے ایک نادر و شاہکار دھن سنی۔ پرکشش۔ بدمست۔ اور مسحور کن۔ خود فنکار اپنے آپ کو بھول گیا تھا! اس کی آنکھیں بند تھیں۔ وہ کسی مست ناگ کی طرح جھوم رہا تھا۔ لوگ پتھر کے بتوں کی طرح خاموش اور بے حس و حرکت تھے! ساز کی لے تبدریج اونچی ہوتی گئی۔ اور آواز اس کے قابو سے باہر ہو گئی۔ سننے والے بے ضبط ہو ہو کر اپنی نشستوں سے کھڑے ہو گئے۔

اس نے ساز کی گونج تیز کر دی۔ یکایک اس کے دل میں بے پناہ درد جاگ اٹھا۔ اور ایک کربناک۔ چیخ جھنکار میں کھو گئی۔

"رو بینہ۔!" اس کے ساز چلائے۔ اور وہ اپنی نشست سے لڑھک کر بیہوش ہو گیا!۔ سارا ہال چیخوں اور تالیوں سے اڑا جا رہا تھا!!۔

پردہ گرا دیا گیا۔

لیکن فیروز اور سیفی ہجوم میں راستہ بناتے کسی نہ کسی طرح گرین روم تک پہونچ ہی گئے۔ خالد ایک صوفہ پر پڑا تھا۔ اس کے پاس ڈاکٹر بھی تھا۔ اور کلب کا بدحواس مینجر بھی!۔

"انھیں شدید آرام کی ضرورت ہے!۔ انھیں فوراً گھر لے جائیے۔" ڈاکٹر نے کہا: "مجھے تو ان کا دل و دماغ دونوں ہی متاثر معلوم ہوتے ہیں!۔ آپ کسی بڑے ڈاکٹر کی خدمات فوراً حاصل کیجیے!۔"

لیکن انھیں ہوش کیوں نہیں آتا؟!" سیفی نے ہانپتے ہوئے پوچھا۔

"ان کے سینے میں کسی احساس کی گھٹن بہت زیادہ ہے۔ جس نے ان کے حواس سلب کر رکھے ہیں۔" ڈاکٹر نے اپنا بیگ بند کرتے ہوئے کہا: "انھیں فوراً لے جائیے اور

کسی سرجن کو دکھائیے۔ اگر یہی حالت ذرا دیر اور قائم رہی تو ان کا ہارٹ فیل بھی ہو سکتا ہے !۔"

خدا رحم کرے !" فیروز نے کہا۔

پھر بیہوشی کی حالت ہی میں اسے سب نے سنبھالا۔ کار تک لائے اور جس قدر جلد ہو سکتا تھا۔ لے کر چلے گئے۔ اس کی آمد کی اطلاع کسی کو نہیں تھی۔ اسے دونوں نے باہر ہی سے لے جا کر مہمان خانہ میں بستر پر لٹا دیا اور سیفی کسی جانے پہچانے ڈاکٹر کو فون کرنے لگا۔

دوسرے لمحے ایک مشہور و ماہر ڈاکٹر اسے دیکھ رہا تھا۔ اور اب اس کے پاس ناصیہ اور الماس بھی تھیں !۔ جن کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ اس موقعہ پر خوش ہوں یا رونا شروع کر دیں !۔

انھیں کسی بات کا گہرا صدمہ معلوم ہوتا ہے۔" ڈاکٹر نے کہا " ان کے آرام کا بہت زیادہ خیال رکھئے۔ اور۔

لیکن سینے کا درد۔" سیفی نے کہا۔

اگر میرے انجکشن سے نہ جائے تو پھر آپریشن کرنا پڑے گا !"

آپریشن ؟ !۔

جی ہاں !۔ ان کے سینے میں خون کا ٹیومر ہو گیا ہے !۔" ڈاکٹر نے کہا اور آہستہ سے اس کے بازو میں سرینج گھونپ دی !۔

بہت دیر بعد اسے ہوش آیا۔ اس کی پلکیں جھپکیں۔ اور وہ دبیز کہر جو اس کی آنکھوں کے سامنے چھائی ہوئی۔ رفتہ رفتہ چھٹنے لگی۔ اپنا کمرہ۔ اجنبی در و دیوار اور غیر شناسا شکلوں کی بجائے۔ اسے سب کچھ جانا پہچانا لگا۔ سیفی اور فیروز۔ ناصیہ اور الماس .... سب کے سب حیرت و مسرت سے اسے دیکھ رہے تھے !۔

خالد اب کیسی طبیعت ہے ؟" سیفی نے بڑے پیار سے پوچھا۔

آخر ان سبھوں نے اسے ڈھونڈ ہی نکالا۔ اس نے آنکھیں بند کرلیں۔

کہاں درد ہے۔ کہاں تکلیف ہے۔ ؟" نیروز نے اس کے رخسار دونوں ہاتھوں میں ڈیا لیۓ اس کی آنکھوں میں اس دلسوزی اور ہمدردی پر آنسو بھر آۓ۔

ہوش میں آئیے بھائی جان !" الماس نے کہا۔

مجھے ہوش آگیا ہے۔ الماس۔ اب میں بالکل ہوش میں ہوں !" اس نے عجیب سے لہجے میں کچھ ہنستے کچھ روتے ہوئے کہا۔ پھر وہ یکبارگی چونک پڑا۔

"آپ سب میں میری ممی کہاں ہیں ؟ !۔ انھیں میرے پاس لے آئیے۔ وہ اپنا ہاتھ میرے سینے پر رکھ دیں گی۔ میرا درد جاتا رہے گا۔ بولیۓ۔ بھائی جان۔ ممی کہاں ہیں ــــ ؟ !"

دراصل وہ بیمار ہیں۔ خالد۔ چل پھر نہیں سکتیں !" ناصیہ نے ہچکچاتے ہوئے کہا۔ کہاں تو یہ عالم تھا کہ اس سے اٹھنا دوبھر ہو رہا تھا۔ نہ کہ یہ سن کر وہ جست بھر کر اٹھا اور ننگے پیر اندر دوڑ گیا۔ کرنل صاحب اور بیگم صاحبہ کو کچھ خبر ہی نہ تھی ! دفعتہً خالد اپنی ماں کے سینے سے لگ گیا !۔ اور ماں بیٹے نے مل کر ساون بھادوں برسا دئے ! !۔

کرنل صاحب ہکا بکا کھڑے رہ گئے۔ اور وہ کچھ نہ بولے۔

"میں ہار گیا۔ ڈیڈی۔ میں ہار گیا ـ !"

اس نے دیوار کی طرف رخ موڑ کر دونوں ہاتھوں سے چہرہ چھپا لیا۔ !

○

روبینہ تو کھو چکی تھی۔ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے۔ وہ سب سے بیگانہ تھی اور سب اس کے لئے۔ نہ کوئی اس کا درد بٹا سکا۔ نہ جان سکا۔ وہ تو بیماروں سے بدتر تھی! جب تک اس کے پاس سب رہتے تھے۔ وہ خود کو سنبھالے رہتی تھی!۔ اور جہاں وہ تنہا ہوئی۔ اسے پھر یادیں بے چین کرنے لگتیں!۔

اللہ!۔ یہ میں نے کیا کیا؟!"۔ اس کے دل میں ہوکیں اٹھتیں۔ کسی گزراں نقش پا کی دھمک۔۔۔۔ جو ابھی تک اس کے دل میں گونج رہی تھی۔ وہ محبت۔ اور نیازمندی اور آنسو:

"اس نوازش و احسان کا بہت بہت شکریہ!" کوئی ہر دم اس کے دل میں بیٹھا کہتا رہتا۔ وہ صبر و قرار کھو بیٹھی تھی۔ لیکن اس کا غم صابر تھا۔ کوئی نہ جان سکا کون سی آگ اسے پھونکے دیتی تھی؟!

روز بروز اس کا جنون بڑھتا گیا۔ اور اس دن تو وہ آپے میں نہ رہ گئی جب نواب صاحب اور کرنل صاحب کی طرف سے خالد کی شادی کے دوہرے کارڈز اسے ملے تھے!۔

نا امیدیوں کے گھپ اندھیرے میں ہلکی سی آس کی ایک کرن اب تک ٹمٹما رہی تھی۔ وہ بھی گہری تاریکیوں میں گم ہو گئی!۔

الماس سید صاحب کی اجازت لے کر دو ہفتے پہلے ہی میکے جا چکی تھی!۔ اس نے روبینہ کی بہت خوشامد کی۔ ساتھ چلنے پر اصرار کیا۔ لیکن وہ دوسروں کے ساتھ جانے پر

رضامند نہیں ہوئی۔

"بھائی جان۔ مجھے کہیں باہر بھجوا دیجئے۔ میں یہاں نہیں رہوں گی۔"

بے وجہ وہ بھائی کی چھاتی سے لگ کر بلک بلک کر رو پڑی۔

سیفی حیران تھا۔ لیکن دلدہی کس غم کی کرتا۔ تسلی کس بات کی دیتا۔ حیران سا اسے تھپکتا رہ گیا!۔

یہاں میں مر جاؤں گی۔ مجھے کہیں بھجوا دیجئے!"

"خالد کی شادی ہو جائے۔ وہ ہنی مون منانے باہر ضرور جائیں گے۔ ان کے ساتھ چلی جانا!" سیفی نے تسلی کیا دی۔ زخموں پر ایک زخم اور لگا دیا۔

ابھی اس کی شادی میں ہفتہ بھر باقی تھا۔ لیکن وہ نہ دیکھ سکتی تھی۔ لوگ اس کے ارمانوں کی لاش اٹھائیں۔ پھر بھائی اور باپ منع کرتے رہے۔ روکتے رہے کہیں ثروت کی بڑی بہن نزہت اپنے میکے جا رہی تھیں۔ وہ ان کے ساتھ دیرہ دون چلی گئی۔

ناہید کی بھی وہ دوست تھی۔ اسے بھی روبینہ کی روانگی کی خبر سن کر بہت حیرت ہوئی۔ اس کا یہ مغائرانہ سلوک سب کو عجیب لگا۔ نہ کوئی وجہ نہ کوئی سبب۔! جبکہ دور دور سے مہمان امڈے آ رہے تھے۔ گھر کا ایک فرد یوں بھاگ جائے؟۔ الماس کے ذریعہ اس کے گھر میں بھی یہ بات پھیل گئی تھی۔!

خالد کو بھی یہ بات عجیب سی لگی۔ اس کے اس فرار سے اس نے اپنے دل میں عجیب عجیب مطلب پیدا کئے۔ سچ مچ وہ اس سے اتنی ہی متنفر تھی؟۔ یہ لڑکیاں ایک ہاتھ میں زندگی دوسرے ہاتھ میں موت لے کر چلتی ہیں!۔

اسے ایک ایک کر کے سب باتیں یاد آیا کرتیں۔ جیسے ذہن میں کوئی ریکارڈ سا بار بار بجنے لگے۔

"میں تو سمجھتی تھی۔ آپ ادھر کا راستہ ہی بھول گئے۔!"

"آپ بہت بڑے آدمی ہیں"

"آپ کے ہر ساز میں میرا دل چھپا ہے"

"میں ہندوستان کی لڑکی ہوں۔ جسے اپنا مان لیا۔ تن من سے اسی کی ہو گئی"

"آپ سنگدل ہیں۔ بے درد ہیں۔ پتھر ہیں"

"جو اپنوں کا نہ ہو وہ میرا کیا ہو گا"

"آپ کی محبت برسات کی چاندنی ہے۔ ابھی ہے ابھی نہیں!"

کوٹھی میں مہمان تھے۔ دن رات کے شور و غل سے کان پڑی آوازیں نہ سنائی دیتیں!۔ کرنل صاحب کے اکلوتے بیٹے کی شادی تھی۔ پانی کی طرح روپیہ بہہ رہا تھا!۔ شان و شوکت میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی گئی تھی!!

اسے کچھ سوچنے کا موقعہ ہی نہ ملتا؟۔

"خالد بھیّا" اسے لڑکیاں چین نہ لینے دیتیں!" آئیے آپ کے مہندی لگا دیں!"

خالی الذہن اور از خود رفتہ سا۔ وہ لڑکیوں کے سامنے ہاتھ پھیلا کر بیٹھ گیا۔ موہوم سی مسکراہٹ اس کے لبوں پر بکھر گئی۔

نہیں۔ باہر سب دیکھیں گے!" ناصرہ کو ترس آ گیا۔ "رہنے دو!"

"لگانے دیجیے۔ کوئی آرزو کیوں رہ جائے!" اس نے کہا اور شریر لڑکیوں نے اس کے ہاتھوں میں مہندی تھوپ دی!۔ وہ خراشیں جو حاصلِ ماضی تھیں۔ ان پر تمناؤں کا خون چڑھا دیا گیا۔

یہ انگوٹھی دیکھئے: ممی۔!" ناصرہ تو خوشی کے مارے پھولی نہ سما رہی تھی!۔ "کتنا آبدار ہیرا ہے" اس نے انگوٹھی خالد کی طرف بڑھا دی: "دلہن کا چہرہ دیکھ کر پہنانا۔ اچھا؟؟!

"بہت اچھا" اس نے چھوٹا سا مخمل کیس اس کے ہاتھ سے لے لیا۔

"اب تو آپ ناہید بھابی کو دن رات گیت سنایا کریں گے!" کوئی شریر بولتی۔

وہ خود بھی چاہتا تھا۔ اب سب کچھ بھول جائے۔ لیکن وہ بھول نہ سکا۔ وہ پہلے ہی خاموش انسان تھا۔ اب تو بالکل چپ چاپ رہتا۔ سنجیدہ اور گم صم۔

ایک دن الماس نے پوچھا تھا: بھائی جان آپ دل سے اس شادی پر راضی نہیں ہیں"

"دلِ مرحوم کا تذکرہ نہ چھیڑو۔ الماس!" اس کا تلخ لہجہ سن کر الماس خاموش ہو گئی"

○

کرنل صاحب کی خوشیوں کا کوئی ٹھکانہ ہی نہ تھا۔ ان کے گھر پر شادیانے بج رہے تھے!۔ دوست احباب اسے دولہا بنا رہے تھے۔ پھر کرنل صاحب نے اپنے ہاتھوں اسے سہرا باندھا اور محبت سے بے تاب ہو کر اسے اپنے سینے سے بھینچ لیا۔ ان کی دانست میں یہ وقت غیر متوقع آگیا تھا۔ ورنہ وہ تو مایوس ہو چکے تھے سب ہنس رہے تھے۔ وہ بھی ان کا ساتھ دے رہا تھا۔ اس کی ہنسی کے پیچھے کون دیکھتا۔ کتنی ناکام حسرتیں پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھیں!۔ لیکن اس کا دل جو اب بھی سرکش تھا۔ کسی نامعلوم انتقام پر کمر بستہ!۔ غم اور غصہ۔ وہ سب سے بدلہ لینے پر آمادہ تھا اور دل ہی دل میں سوچ لیا تھا۔ سب کو ناکوں چنے چبوا کر رہے گا!۔

وہ اپنی شکست پر انتہا سے زیادہ پیچ و تاب کھا رہا تھا!۔

اسے یہ اپنی بارات نہیں۔ اپنے جنازے کا جلوس لگ رہا تھا۔ اکاش!۔ اس طرح وہ اپنی روبینہ کے گھر جا سکتا۔ اس کے سینے میں آرزوؤں کا ہجوم

ہوتا۔ اور وہ خواب بنتا رہا۔ اور بارات نواب صاحب کے عظیم الشان بنگلے کے شاندار پھاٹک پر آ کر رک گئی۔ اسے یوں لگا۔ کسی نے اسے عرش سے اٹھا کر فرش پر پٹخ دیا ہو۔! یکبارگی دل دھک سے رہ گیا۔ اور سینے میں درد کی بے پناہ ٹیسیں ابھرنے لگیں!!۔

کرنل صاحب نے اسے خود ہی نواب صاحب سے ملایا۔ اور کرنل صاحب کے ہاتھ کے دباؤ کا مطلب سمجھ کر وہ نواب صاحب کے قدموں کی طرف جبراً و قہراً جھکا انھوں نے فوراً خالد کو سنبھال کر اپنے گلے سے لگا لیا اور اپنے سعادت مند داماد کی اس حرکت سے باغ باغ ہو گئے!۔ ان کا بھی تو بارہ برس کا خواب پورا ہوا تھا۔!:

اس کے دوست بے تکان ہنس رہے تھے۔ کسی کو کسی کے درمیان کی کیا خبر۔ یہ تو وہی جانتا ہے۔ جس پر گزرتی ہے!۔

پھر مسعود اس کی طرف جھکا!۔

"یار۔ بڑی مہنگی بیوی مل رہی ہے۔ سوا لاکھ مہر۔ غضب خدا کا۔ یہ مہنگائی اور یہ مول بھاؤ"!

لیکن وہ تو سب سے جدا تھا۔ سب سے الگ تھلگ۔ مہمان اس کی طرف جھکے پڑ رہے تھے۔ بہتیرے ایسے تھے۔ جنھوں نے ایک مشہور و معروف فنکار کو نہیں دیکھا تھا۔ یہ دیکھ کر مسعود نے اس کا سہرا اتار کر اس کی گود میں رکھ دیا۔ اور یک لخت آس پاس روشنی پھیل گئی۔

مردانہ حسن کا شاہکار۔ وجاہت و شرافت کا پیکر۔ دراز قد۔ بھاری بھرکم۔!"

پاکیزگی کے نور سے جگمگاتی ہوئی پیشانی۔ بڑی بڑی روشن اور خمدار پلکوں

سے لدی ہوئی آنکھیں۔ مضبوط اور متبسم لب۔ . . . بھاری اور دلکش آواز جو اس کا خاص وصف اور خاص حسن اور بیش بہا سرمایہ تھی۔!!

اس کی اپنی نظروں کے سامنے تیز تیز حرکت کرنے والوں کے لمبے لمبے سائے روشنیوں میں چکرا رہے تھے۔ اجنبی مہمانوں کی شکلیں گھوم رہی تھیں!۔

پھر اس کی آزادیوں پر مکمل طور پر مہر ثبت کر دی گئی!۔

نکاح کے بعد اسے ہوش آیا۔ اس نے اپنی زبان سے کتنی بڑی ذمہ داری قبول کر لی تھی!۔

کوئی پاس آ گیا تھا۔

کوئی دور چلا گیا تھا۔

ہمیشہ ہمیشہ کے لئے۔ اس نے بے خبری میں مسعود کا ہاتھ جکڑ لیا۔ وہ خالد کی طرف جھکا۔

"مسعود۔ میں گھر جانا چاہتا ہوں!۔ میرے سینے میں تکلیف ہو رہی ہے!"

گھر۔؟" مسعود حیران رہ گیا" نہیں بھائی! ابھی کیسے؟!

کھانے پر مسعود اس سے دور ہو گیا۔ بار بار وہ اس کا چہرہ دیکھتا جس پر درد کی شدت کے باوجود مسکراہٹ طاری تھی۔ انسان بعض وقت کتنا مجبور کر دیا جاتا ہے! اس کا دل دکھ گیا!

"کھانے کے بعد خالد صاحب اپنے ساز و سنگیت سے حاضرین کو محظوظ فرمائیں گے۔!" کسی نے اچانک فرمائش کر دی۔

میں قطعی کوئی لغویت برداشت نہیں کروں گا!۔" وہ سیفی کے پاس جھک کر بولا۔"

جی۔ کیا فرمایا۔؟!" ایک صاحب بولے"

کہتے ہیں ۔" سیفی نے ہنس کر بات ٹال دی ۔" اس وقت سر میں خفیف سا درد ہے ۔ ورنہ آپ کی فرمائش ضرور پوری کرتے !"

پھر اندر رو دائی تیاریاں شروع ہو گئیں ۔ آرسی مصحف کے لئے اسے بھی اندر طلب کر لیا گیا ۔ مسعود اب بھی ساتھ تھا ۔ عورتوں نے اسے دیکھ کر کافی غل مچایا ۔ لیکن اس نے مسعود کا ساتھ نہیں چھوڑا ۔

صاحب ۔ آپ ناراض کیوں ہوتی ہیں ۔ میں تو شہ بالا ہوں ۔" وہ بولا ۔

آہا ہا ۔ یہ منہ اور مسور کی دال ۔" کوئی چہکی ۔

بڑی لمبی چونچ معلوم ہوتی ہے !" ایک شریر آواز ہجوم سے لپکی ۔

ذرا سامنے تو آئیے سرکار ۔ دیکھیں آپ کی چونچ کتنی لمبی ہے !" مسعود نے کہا ۔"!

بڑے منہ پھٹ لگتے ہیں !۔ چھی چھی چھی !۔

خالد کے سامنے ہی سرخ و مرصع لباس میں ڈھکی چھپی اس کی دلہن بیٹھی تھی ۔ کئی لڑکیاں اسے سنبھالے ہوئے تھیں ۔ دفعتاً کسی لڑکی نے خالد کے گدگدیاں کرنی شروع کر دیں ۔ وہ پہلو بدل کر رہ گیا ۔ اتنے قہقہے لگے کہ مسعود بھی گھبرا گیا ۔

" دولھا بھائی بیٹھے بیٹھے نرت کا تماشہ دکھا رہے ہیں !" قہقہے ۔ تالیاں ۔ پھر کسی نے گدگدی کی اور اس نے جھٹ سے لڑکی کا ہاتھ پکڑ لیا ۔ لڑکی کسمسائی اور اپنا ننھا سا ہاتھ ایک آہنی پنجے میں دیکھ کر شرم کے مارے پانی پانی ہو گئی !۔

" میرا ہاتھ چھوڑیئے ۔ دولھا بھائی ۔" اس شریر نے کہا ۔" اللہ کرے کہ دلہن باجی آپ سے مجیرے بجوائیں !"

" مجیرے پھر بجاؤں گا ۔" خالد بے ساختہ ہنس پڑا ۔" پہلے آپ کو نرت کا تماشہ دکھا دوں !" لیکن لڑکی نے جھٹکا دے کر اپنا ہاتھ چھڑا لیا اور عورتوں کے سمندر میں قطرے

کی طرح کھل مل گئی!۔

جلد ہی آرسی مصحف کی رسم بھی ہو گئی۔ آئینے میں ایک بھولا بھالا چہرہ اپنی ہلکی سی جھلک دکھا کر گھونگھٹ میں چھپ گیا!

رخصتی کے وقت قہقہے، سسکیوں اور ہچکیوں سے بدل گئے! چند لمحوں پہلے جہاں مسکراہٹوں کے فوارے چھوٹ رہے تھے!۔ وہاں اب آنسوؤں کی جھڑی لگی ہوئی تھی! خالد بھی متاثر ہو گیا تھا۔

نواب صاحب کے گھر والے جانے کیسے قدامت پسند تھے۔ عورتوں نے اصرار کیا۔ دولھا۔ دلہن کو گود میں اٹھا کر لے جائے!۔ خالد اس واہیات رسم پر حد سے زیادہ بھنایا ہوا تھا۔ وہ اپنی جگہ جما کھڑا رہا۔ یک بیک کسی نے اسے پیچھے سے ڈھکیل دیا۔ اور وہ دلہن کے پاس آکر ٹھٹھک گیا۔ عورتوں اسے چھوڑ کر ہٹ گئی تھیں!۔ جس کا بوجھ وہی سنبھالے۔ وہ تو اپنے فرض سے سبکدوش ہو چکیں۔ پھر اسے اس کے سوا چارہ نظر نہ آیا۔ وہ اسے اٹھا ہی لے۔ رکتے۔ جھجکتے اس نے پاس آکر اپنی گڑیا جیسی دلہن کو اپنی آغوش میں اٹھا لیا۔ اس کا سارا جسم اس انوکھی لذت پر کانپ اٹھا تھا۔ اس ڈر سے کہ کہیں وہ اسے گرا نہ دے!۔ مضبوطی سے بھینچ لیا تھا۔ اسے محسوس ہو رہا تھا۔ دلہن کے ہاتھ پاؤں برف کی طرح سرد تھے!۔ اس کا دل زور زور سے دھک دھک کر رہا تھا۔ اس کا سر خالد کے شانے پر تھا۔ اور ہلکی ہلکی گھبرائی ہوئی سانسیں اس کے کانوں میں گونج رہی تھیں!۔ وہ اس حسین و دلفریب بوجھ کو سنبھالے مڑا۔ ایک اجنبی ساتھ۔ نامعلوم راہیں۔ ... آہوں اور سسکیوں کو اپنے پیچھے چھوڑ کر وہ اپنا ساتھی لے چلا!۔ بارات ایک نیا مہمان لا رہی تھی۔ باجوں کا ترانہ نرالا تھا۔

کرنل صاحب کے گھر پر بھی ہڑبونگ مچا ہوا تھا۔ ابھی دلہن کی کار زنانہ دروازے پر نہیں پہونچی تھی کہ وہ اتر گیا۔ اور اس پلاٹ میں چلا آیا۔ جہاں مہمان بیٹھے ہنس

بول رہے تھے! پھر وہ سید صاحب کے پاس آیا۔ اور نہ معلوم کون سے احساسات نے اسے مجبور کر دیا تھا۔ وہ ان کے سینے سے لگ گیا!۔ وہ اس بھیڑ بھاڑ میں اسے سب سے زیادہ اپنے لگ رہے تھے!۔ انھوں نے خالد کی پیشانی پر بوسہ دیا۔ اسے مبارکباد دی۔ اور دیر تک اسے ہنستے رہنے اور خوش رکھنے کی تلقین کرتے رہے!۔

ٹھیک اسی وقت سید صاحب کے ملازم نے انھیں ایک لفافہ پیش کیا!۔

"ٹیلیگرام۔ ؟!" سید صاحب کے جسم میں ٹھنڈی لہر دوڑ گئی۔ کانپتے ہوئے ہاتھوں سے لفافہ خالد کی طرف بڑھا دیا۔

"پڑھو۔ بیٹا۔ کیا لکھا ہے۔ اللہ مجھ پر رحم کرے!"

دھڑکتے دل سے خالد نے لفافہ چاک کیا۔ اور پھر اس کے ہوش اڑ گئے۔

"روبینہ بیمار ہے۔ صبح کے پلین سے آ رہی ہے!"

اب کیا ہوگا۔ خالد میاں۔!" وہ کانپ رہے تھے۔

گھبرائیے نہیں ابا جان۔!" پھر خالد نے ملازم سے کہا کہ وہ سیفی کو ڈھونڈ لائے اور سید صاحب کو تسلی دینے لگا۔ سیفی بھی یہ خبر پڑھکر گھبرا گیا تھا۔

"کتنا منع کیا۔ مگر بیٹا نے کہنا نہیں مانا۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا ہے۔ میں کیا کروں؟" سیفی کے ہاتھوں کے طوطے بھی اڑے ہوئے تھے!۔

سید صاحب کی آنکھیں دھندلا رہی تھیں۔ خالد سے بولے "بیٹا۔ مجھے گھر پہونچا دو۔ کہیں مجھے کچھ ہو نہ جائے!"

ادھر کرنل صاحب بھی آ گئے۔ انھوں نے بھی تار دیکھا اور گم سم ہو گئے!۔ سید صاحب کو تسلی دی اور انھیں سہارا دیئے ہوئے اپنے کمرے میں لے آئے!۔

سیفی جانا چاہتا تھا۔ لیکن خالد نے اسے بھی روک لیا۔

○
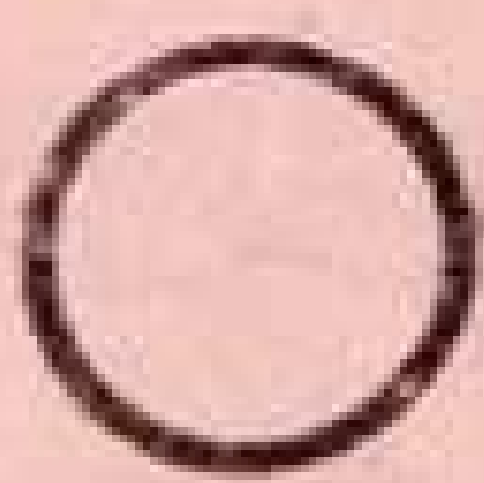
جلا عروسی ترشے ہوئے ہیرے کی طرح جھل مل کر رہا تھا!۔

فرش پر سرخ قالین۔ چھت پر سرخ ہی چھت گیری جس میں مصنوعی زرکاری سے چاند ستارے بنائے گئے تھے۔ مسہری لحاف توشک سب سرخ۔ لیمپ کے شیڈ سے سرخ ہی کرنیں پھوٹ رہی تھیں!۔

مسہری کے طلائی پائے جگمگا رہے تھے۔ زرنگار پردے سیلنگ فین کی ہوا سے اڑ رہے تھے ؟۔ عروس نو ناہید سمٹی سمٹائی بیٹھی تھی۔! باہر شور اور سناٹے کا ملا جلا امتزاج تھا۔ لیکن اس کے کمرے میں سناٹا چھایا ہوا تھا۔ اس نے سہرا ہٹا کر ایک نظر کمرے پر ڈالی۔ اور پھر جھرجھری لے کر سہرا چہرے پر گرا لیا۔

کمرے کی دیوار گیر گھڑی نے بھاری آواز میں دو بجائے!۔ تنہائی اور وحشت سے مغلوب ناہید نے گھبرا کر پہلو بدلا۔ اور اس کشادہ دروازے کو دیکھنے لگی۔ جو کسی کے انتظار میں آغوش محبوب کی طرح وا تھا۔ لیکن دروازہ بدستور کھلا رہا۔ پردہ لہراتا رہا۔ کسی کے قدم اس کی چوکھٹ تک نہیں آئے!۔

اللہ!۔" اس نے گھبرا کر دل تھام لیا۔

پھر پردہ ہٹا کر کوئی کمرے میں آیا۔ ناہید کا دل تھم گیا۔! وہ تھر تھر کانپ رہی تھی۔ مگر وہ خوش تھی بے حد خوش.... اسے تو اس پرہیجان خوشبو ہی نے بدمست کر دیا تھا۔ جو خالد کے عروسی لباس سے پھوٹ رہی تھی!۔

"یہاں میرے ارمانوں کا خون چھڑکا گیا ہے" اس نے چاروں طرف نظریں

دوڑائیں۔ اور ایک تلخ و طنزیہ مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر بکھر گئی!۔

اس نے ناہید کی طرف دیکھنے کی زحمت بھی گوارہ نہیں کی!۔ چند لمحے کرسی پر بیٹھا سگریٹ کا دھواں چھوڑتا رہا۔ پھر بیش قیمت قالین پر جلا ہوا سگریٹ پھینک کر اسے جوتے سے رگڑتا ہوا برآمدے میں نکل گیا!۔

سامنے تاریک اور سیاہ رات منجمد تھی!۔

اس کے جسم پر اب بھی بیش قیمت عروسی لباس تھا۔ گلے میں پھولوں کی موٹی موٹی بدھیاں پڑی ہوئی تھیں۔ لبوں میں سگریٹ دبا ہوا تھا۔ اور وہ مسلسل کچھ سوچ رہا تھا!۔

الماس نے آہستہ سے برآمدہ میں جھانکا۔ اس کے پیچھے کئی سر اور ابھرے!۔ خالد نے اسے محسوس کیا اور ہاتھ بڑھا کر بجلی آف کر دی!۔ لڑکیاں ایک دوسری کو دیکھ کر رہ گئیں!۔

پھر رات کے پل ڈھلنے لگے۔ صبح کی پیغامبر ہوائیں چلیں۔ جھلملاتے تاروں نے نندا سی آنکھیں موندلیں۔ تھکا ہارا چاند پچھم میں جا سویا۔ دور کہیں صبح کی چہل پہل شروع ہو گئی۔ اور مسجدوں میں اذانیں گونج اٹھیں۔

وہ اب بھی وہیں کھڑا تھا۔

مشرق سے ابھرتے ہوئے سورج نے تاریکی کو مغلوب کر دیا۔ اور روپہلی صبح ہر طرف پھیل گئی۔ دن کا شور جاگ اٹھا۔ وہ اب بھی جہاں کا تہاں کھڑا تھا!۔

اندر اور باہر سے باتوں کی آوازیں آنے لگی تھیں۔ پھر وہ کسی خواب سے بیدار ہوا۔ ایک ایک کر کے ہار اتارے۔ شیروانی اور دستار اتار کر فرش پر ڈال دیں۔ اپنی کلائی پر نظر ڈالی۔ صبح کے چھ بج رہے تھے۔

"روبینہ کا پلین ٹھیک سات بجے آجائے گا!۔" وہ باہر آیا۔ اپنی کار نکالی

اور چوکیدار کی متحیرانہ نظروں کی پرواہ نہ کر کے گیٹ سے نکلا چلا گیا!۔

ناہید جوں کی توں بیٹھی رہ گئی!۔ پھر کمرے میں الماس، عشرت اور دو ایک لڑکیاں آئیں!۔ یہاں ابھی تک ملگجا سا اندھیرا طاری تھا۔ الماس نے بجلی جلائی اور تیز نیلی روشنی کمرے میں پھیل گئی!۔ اس نے حیرت سے اپنے چاروں طرف دیکھا۔ سجی سنوری دلہن بے داغ اور بے شکن بستر۔ جس کا سہرا تک جوں کا توں تھا۔ اچانک عشرت کی نظریں برآمدے میں اٹھ گئیں۔ اور وہاں خالد کا عروسی لباس دیکھ کر وہ دم بخود رہ گئی۔ الماس اور عشرت ایکدوسرے کو دیکھ کر رہ گئیں!۔

ممی!۔ خالد بھیا کہاں گئے؟" عشرت سے نہ رہا گیا۔ اس نے اس کا سہرا اٹھایا سرخ شال اتاری اور اسے ٹھیک طرح بٹھایا۔ الماس نے جھپٹ کر اس کا چہرہ تھام لیا۔ رویا رویا سا چہرہ۔ اداس اور مضمحل۔ دونوں کی سمجھ میں سارا ماجرا آ گیا۔ الماس تو کٹ کٹ گئی۔ مگر عشرت کھِن پھنائی۔

کیوں خواہ مخواہ ایک لڑکی کا صبر سمیٹیا!" الماس نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔" پھر وہ باہر نکل گئی۔ اور عشرت ناہید کے پاس آ بیٹھی۔ اسے چپکے چپکے روتے دیکھ کر عشرت کا دل دہل گیا۔ اس نے دم دلاسے دے کر سب کچھ پوچھ لیا اور ناہید نے چپکے چپکے سب کچھ کہہ دیا۔! گھر بھر میں خبر پھیل گئی۔ کرنل صاحب تک بات نہیں پہونچی تھی۔ مگر بیگم صاحبہ ناصیہ۔ فیروز وغیرہ بھی سناٹے میں رہ گئے۔! جتنے منہ اتنی باتیں۔ شادی کا گھر۔ ابھی سے سرگوشیاں شروع ہو چکی تھیں۔ ناصیہ نے اس کے دوستوں سے دریافت کرایا۔ اسے پتہ تھا کہ یہ مسعود وغیرہ کی شرارت ہے۔ مگر مسعود اور پرویز نے کانوں پر ہاتھ رکھ کر قسم کھائی۔!۔

"ایسا مذاق کون کرتا آپا!" مسعود نے کہا: "جو ساری رات جاری رہا۔ مجھے معلوم نہیں تھا۔ ورنہ میں تو خالد کو روک لیتا" پرویز بولا۔

چوکیدار نے اسی قدر بتایا کہ وہ صبح ہی کو کہیں چلے گئے!۔

ناصیہ سب کو اطمینان دلا رہی تھی۔ مگر اس کا دل قابو سے باہر تھا۔ بے گمان اندیشے اسے سہمائے دیتے تھے۔ باپ اور بیٹے کی ضد کوئی رنگ نہ لائے!۔ وہ دہل گئی۔

○

سید صاحب اور سیفی کے ساتھ کرنل صاحب بھی ایرڈ روم جا چکے تھے! ہوائی جہاز کی آمد میں کچھ دیر تھی۔ وہ سب کمپاؤنڈ میں کھڑے تھے!۔ اچانک سیفی کی نظر دھند میں ملفوف کسی پر پڑی۔! اور وہ چپکے سے اُدھر سرک گیا۔

خالد۔ ؟! " وہ بھونچکارہ گیا " تم کیسے آگئے۔ ہم سب تو آ ہی رہے تھے ؟" سیفی اس کے اس خلوص سے بے حد متاثر ہوا تھا۔

بس یونہی چلا آیا "! اس نے ہولے سے مسکرا کر کہا۔ اور کچھ اور پیچھے ہٹ کر کھڑا ہو گیا۔ تھوڑی دیر بعد اناؤنسر نے اطلاع دی۔ ڈیرہ دون کا جہاز آ رہا تھا!۔ دور افق پر ایک سیاہ دھبہ۔ اور ہلکی سی گونج۔ پھر جہاز نے رفتار دھیمی کی اور زمین پکڑ لی!"

سیفی زینہ پر دوڑ گیا۔ ثروت کا بھائی شمیم سیٹ پر سے سنبھال کر ردینہ کو اٹھا رہا تھا۔ اسے لپک کر سیفی نے اپنے بازوؤں میں لے لیا۔!۔ وہ اب بھی تیز بخار میں جل رہی تھی۔ ایک گرم بھاری اسٹر میں لپٹی۔ اور غافل۔ سیفی اسے نیچے لے آیا۔ پھر کرنل صاحب اور سید صاحب بھی دوڑے آئے۔! سب پریشان تھے۔

" اتنی گرمی میں تم نے یہ بھاری اسٹر کیوں پہنا رکھا ہے ؟" کرنل صاحب نے شمیم سے کہا:

جی نہیں۔ یہ میرا نہیں ہے۔ نہ میں نے پہنایا ہے۔ یہ تو انھوں نے خود ہی پہن رکھا تھا!" شمیم نے کہا۔

پھر وہ فوراً سید صاحب کی گاڑی کمپاؤنڈ کے پاس ہی لے آیا۔ پچھلی سیٹ پر روبینہ کو لٹا دیا گیا۔ اور اس کے ساتھ ہی کرنل صاحب چلے گئے! سیفی نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ وہاں اب کوئی نہیں تھا۔ سیفی اور شمیم نے ٹیکسی کی پھر وہ بھی گھر چلے گئے!"

دن کے لگ بھگ دس بجے خالدہ گھر پہونچا۔!

اپنا وہ السٹر جو وہ بہت پہلے روبینہ کے ہاں بھول آیا تھا۔ یادانستہ چھوڑ آیا تھا اس وقت روبینہ کے جسم پر دیکھ کر اس کا دماغ پراگندہ ہو رہا تھا۔ رفتہ رفتہ اس پر یہ حقیقت واضح ہوتی گئی۔ یہ سب ایک طلسم تھا۔ اور بناوٹی دھوکا۔ اس کی نفرت ... اس کا محبت سے انکار۔ یہ سب فریب تھا! خالدہ کو اپنے ماں باپ میں واپس بھجوانے کے لئے۔ ایک باپ کی آن ایک ماں کی جان اور ایک لڑکی کی آبرو بچانے کے لیے۔ یہ ایثار تھا۔ قربانی تھی۔ سچ مچ اسے خالدہ سے نفرت نہیں تھی۔ وہ مجبور ہو کر رہ گئی تھی۔!

اس السٹر نے اس پر سارے راز کھول دیئے!۔ کیا روبینہ کو اس کے السٹر کے سوا کوئی دوسری چیز پہننے کو نہیں ملی؟! آخر اس نے وہی السٹر اپنے جسم سے کیوں لپیٹ رکھا تھا۔ جبکہ وہ اسے فٹ ہی نہیں ہو رہا تھا!۔ اسے یہ بھی پتہ چلا عین اس کی شادی کے دنوں میں روبینہ کیوں اتنی عجلت کر کے بھاگی تھی؟۔ اتنی دلیر اور ایسی بہادر بھی نہ تھی کہ اپنی محبت کی لاش آپ اپنے کندھوں پر اٹھاتی۔ کیسے سہارتی۔ کیسے برداشت کرتی۔؟؟!

اُف۔ یہ میں نے کیا غلطی کی؟!" خالدہ کے دل و دماغ میں قیامت برپا تھی۔ وہ اپنے آپ میں نہیں تھا۔ یہ راز کب افشا ہوا جب کہ صرف چند گھنٹوں پہلے وہ کسی

اور کا ہو چکا تھا۔ اور اس بھیانک غلطی کی اب کوئی تلافی بھی ممکن نہیں تھی۔!!۔

کہاں تھے اب تک۔۔؟! "اسے دیکھتے ہی ناصیہ نے للکارا۔

یہ سب لوگ اسے اپنے جانی دشمن لگ رہے تھے۔ اپنے خون کے پیاسے۔ جنھیں اپنی آن اور اپنی جان کے سامنے کسی کی آرزو کسی کی تمناؤں کا کبھی پاس نہیں ہوتا۔ یہ فرش پر رینگنے والے کیڑے۔ بے حس۔ بے درد۔ اسے ان سبھوں سے نفرت ہو گئی۔۔!"

کہاں چلے گئے آپ۔ صبح صبح!" الماس نے پوچھا"

میں کسی کا پابند نہیں ہوں" اچانک وہ الماس کو دیکھ کر دہاڑا۔" اور نہ میرے پاؤں میں زنجیریں پڑی ہیں!۔ جہاں جی چاہے گا جاؤں گا۔!۔

الماس سہم گئی۔ اور ناصیہ حیرت سے اس کا چہرہ تکنے لگی۔

اچھا۔ تم اپنے کمرے میں جاؤ۔ میں ناشتہ بھجواتی ہوں۔ بیٹا۔ میں تو گھبرا گئی تھی" ممی نے کہا۔

میں ناشتہ کر کے آیا ہوں!" اس نے بدستور بے رخی سے کہا۔ اور وہیں تخت پر ہاتھ کا سرہانا بنا کر لیٹ گیا۔

الماس پھر بھی ممی کے اشارے پر ٹرے میں چائے اور لوازمات لے آئی۔ اور ممی نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اٹھانا چاہا۔

نہیں! میں نہیں کھاؤں گا" اس نے ہاتھ چھڑا کر کروٹ بدل لی۔ ساری رات کی تھکن۔ پل بھر کے لئے بھی اس کی آنکھ نہیں لگی تھی۔ ذہن میں آندھیاں سی چل رہی تھیں!۔ وہ بیماروں سے بدتر تھا!۔

اچھا! اس کمرے میں جا کر لیٹو۔!" ناصیہ نے ڈرتے ڈرتے کہا۔

آپ کو میرا یہاں لیٹنا بھی گوارہ نہیں ہے" وہ جھلا کر اٹھ بیٹھا" میں گھر ہی

سے دغعاں ہوا جاتا ہوں۔

شامت کی ماری اسی وقت کریم کی اماں پوچھنے آگئیں۔

بیوی۔چوتھی کی دعوت کی فہرست۔باورچی نے مانگی ہے!"

چوتھی یا پانچویں کچھ نہیں ہوگی۔" وہ گرج کر کریم کی اماں کی طرف مڑا۔" اگر میرا حکم نہ مانا گیا۔تو یا تو گھر میں تم نہیں یا میں نہیں!۔ یقیناً یہ آخری فیصلہ ہوگا!۔

بیٹا۔تم کیسی باتیں کر رہے ہو؟" ممی بھی اس کی شکل تکتی رہ گئیں!۔

بس۔میں نے کہدیا۔" وہ رک کر الماس کی طرف مڑا۔" جاؤ۔میرے کمرے سے میرا لباس لے آؤ۔

الماس جھجکی۔اور اس کی آگ برساتی شکل دیکھنے لگی۔

جاؤ۔تم نے سنا نہیں؟!" وہ پھر چیخا۔

یا اللہ۔بھائی جان کو کیا ہو گیا ہے" الماس بھاگ کر اس کا سادہ سا لباس لے آئی پھر اس نے وہیں کھڑے کھڑے شیروانی پہنی!۔اور جب تک کوئی کچھ کہے۔وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا باہر چلا گیا۔الماس نے دوڑ کر جھانکا۔واقعی اس کی کار گیٹ سے نکل رہی تھی!۔

یہ کیا بات ہوئی۔آپا جی۔؟" الماس بے حد حیرت زدہ تھی۔

کہیں لینے کے دینے نہ پڑ جائیں" ممی بھی خوفزدہ تھیں: نواب صاحب تک بات پہونچے گی۔کیا انجام ہوگا۔جب تک باپ کی ضد تھی۔کچھ بھی نہیں بگڑا تھا۔اب بیٹے کی ضد شروع ہوئی ہے!۔کیا حشر ہوگا؟"

کسی نہ کسی طرح ممی کی طبیعت کی خرابی کا بہانہ کر کے چوتھی ملتوی کی گئی۔ممی اوڑھ لپیٹ کر اپنے کمرے میں پڑ گئیں۔انھیں تو سچ مچ بخار آگیا تھا۔! آئی گئی الماس اور ناصرہ کے سر لگی۔انھیں مہمانوں سے بہانے بنانے پڑے حتیٰ کہ ناہید تک سے کہنا پڑا۔

دفتر سے ایک ضروری کال آگئی تھی۔ خالد کو جانا پڑا۔

فیروز ممی سے ملنے آئے اور ممی نے رونا شروع کر دیا۔

ظالم باپ کا ظالم بیٹا۔!" ممی بولیں،" بتاؤ۔ فیروز میاں۔ اب کیا ہوگا۔

سمجھاؤں گا۔!" فیروز یہی کہہ سکے!۔

الماس اور عشرت ناہید کو کھلانے پلانے کے سلسلے میں چلی گئیں۔ اور پھر بارہ ایک بجے کے قریب نواب صاحب کے ہاں عورتیں آئیں۔ اور دلہن کو اپنے ساتھ لے گئیں۔"

روبینہ کو منزل پہونچا کر شمیم اپنے گھر واپس چلا گیا۔ اسے پھر اسی شام دیرہ دون جانا تھا۔ وقت گزاری کے لئے وہ باہر لان پر سبزے پر بیٹھا تازہ اخبار پڑھ رہا تھا!۔ یکا یک لان میں کرنل صاحب کی شاندار رولس رائیس رکی! اور پھر خالد کو دیکھ کر شمیم ہڑبڑا کر اٹھا۔ اور وہیں اس سے لپٹ گیا!۔

آئیے۔ آئیے۔ خالد بھائی۔ زہے نصیب!" وہ بچھا جا رہا تھا!" آج آپ کیسے چلے آئے۔

خالد بھی وہیں سبزے پر ہی بیٹھ گیا!۔

تم شادی میں شریک نہیں تھے!۔ اس لئے سوچا۔ میں خود تم سے مل آؤں؟" اس نے کہا۔

شمیم بے حد خوش تھا! اس کی ضیافت کے انتظام میں گھر آنگن ایک کئے دے رہا تھا!۔ خالد نے اس کا ہاتھ پکڑ کر بٹھا لیا اور یک بیک خالد کے ہاتھ دیکھ کر شمیم کو ہنسی آگئی۔

آخر آپ کو بھی کسی نے نہیں چھوڑا۔ مہندی لگا ہی دی!۔"

خالد اس کا دل رکھنے کے لئے ہنس دیا۔ پھر اندر سے چائے اور کیا کچھ ملازم لے

آئے۔ یہ حقیقت تھی کہ خالد نے ناشتہ نہیں کیا تھا! شمیم کے اصرار اور اس کی پرخلوص فرمائش پر اس نے نہ صرف ناشتہ کیا بلکہ صحیح معنوں میں پیٹ بھر کر کھالیا!۔

اور لیجئے نا" وہ بار بار اصرار کر رہا تھا۔

کیا تم چاہتے ہو۔ یہاں سے دفتر نہیں سیدھا اسپتال پہونچوں!" اسد نے ہنستے ہوئے کہا اور گلاس اٹھا کر لبوں سے لگالیا۔

شمیم نے سگریٹ کیس اور لائیٹر اس کے سامنے سرکا دیا۔

اور تم۔۔؟" اس نے سگریٹ سلگاتے ہوئے پوچھا۔

جی نہیں۔ میں نہیں پیتا!" جب تک ملازم برتن اٹھاتے رہے۔ خاموشی رہی پھر خالد نے پوچھا۔

"اتنی جلدی تم ڈیرہ دون سے کیوں چلے آئے شمیم!؟"

مجھے آنا پڑا۔ خالد بھائی۔ ویسے میں آج ہی شام کو پھر جا رہا ہوں!۔ وہاں آخر امی بھی پریشان ہوں گی۔ انھوں نے مجھے بنیا کے ساتھ بھیجا تھا!۔۔ اب ان کا جی لگا ہوگا۔۔!"

ہاں۔ یہ یک بیک روبینہ کو کیا ہوا تھا؟" اس نے سگریٹ کا ایک طویل کش لے کر پوچھا۔ پتہ نہیں۔ خالد بھیا۔! کسی کی سمجھ میں کچھ نہیں آیا۔ وہ یہاں سے تو اچھی بھلی گئی تھیں مگر وہاں یک بیک ان کی طبیعت بگڑ گئی۔ اور پھر بخار کے ساتھ ساتھ بیہوشی کے دورے بھی پڑنے لگے۔ سرسام شروع ہوا۔ ہذیان میں یہی کہتی تھیں۔

بتایئے۔ اس کے سوا میں کیا کرتی ہ۔

بتایئے۔ اس کے سوا میں کیا کرتی ہ۔

علاج وغیرہ سب کچھ کیا گیا۔ لیکن جب وہ اپنے آپ کو بھی بھول بیٹھیں۔ تو امی گھبرا گئیں۔ انھوں نے سید چچا کو تار دیا اور مجھ سے کہا کہ میں انھیں گھر پہونچا دوں!"

خالد نے ایک طویل اور گہری سانس لے کر سگریٹ بجھادی۔ اور دوسری سلگاتا ہوا بولا۔" خیر۔ خدا انھیں صحت دے!۔ اگر وہاں جانا ہو تو میری طرف سے بھی مزاج پرسی کر دینا۔ اب مجھے اجازت دوگے ؟!۔"

"ارے۔ آپ رات کا کھانا کھا کر۔"

نہیں۔ بھائی۔ پھر کبھی دیکھا جائے گا۔" وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ پھر کچھ سوچ کر وہ گھڑی جو نواب صاحب نے اسے سلام کرائی میں دی تھی۔ اپنی کلائی سے کھول کر شمیم کی کلائی پر باندھ دی۔! گھڑی بہت قیمتی تھی۔ شمیم متحیر سا اسے دیکھنے لگا!۔

یہ کس لئے خالد بھائی ؟" وہ متحیر بھی تھا۔ محجوب بھی!۔

تم میرے چھوٹے بھائی ہو۔ کچھ دینے کا جی چاہتا ہے!" اس نے ہنس کر اس کا شانہ تھپ تھپایا اور آگے بڑھ کر کار میں بیٹھ گیا!۔

آفس میں لنچ بریک تھا! اس کے ماتحت افسر سب گیٹ پر کھڑے خوش گپیوں میں لگے تھے۔ اچانک اپنے آفیسر کی کار دیکھ کر ان سبھوں کو سانپ سونگھ گیا۔ جلدی سے وہ دو رویہ ہو گئے۔ کار ان کے درمیان سے گزر گئی!۔ اور تھوڑی دور پر جا کر رک گئی! خالد کو اترتے دیکھ کر وہ سب کے سب تیزی سے ادھر جھپٹے!۔ اور مبارک سلامت میں لگ گئے!"

سر! آپ کی میرج سیرمنی کے موقعہ پر ہم نے خود کو چھٹی دے لی تھی!" اس کا اسسٹنٹ ڈرتا ڈرتا بولا۔"

"لیکن میں تو چھٹی پر نہیں ہوں!" خالد نے کہا اور ان سبھوں کے چہروں پر ہوائیاں اڑنے لگیں۔"

"ہم سمجھے تھے آپ اسی فیسٹول کے سلسلے میں تشریف لائے ہیں۔ ورنہ درحقیقت آپ چھٹی پر ہیں!" ایک اور افسر نے کہا۔

فیسٹول ہے!" خالد نے سوچا۔ یہ تو ان کا حق ہی ہے!۔ اس نے ایک بڑی رقم کا سادہ چیک کاٹا اور مسکرا کر اپنے ماتحت افسر کے سامنے بڑھا دیا۔
افسر نے شکریے کے ساتھ چیک قبول کر لیا۔ اور اپنے سنجیدہ آفیسر کے دونوں ہاتھ مہندی سے سرخ دیکھ کر زیر لب مسکرایا۔ لیکن خالد نے اس کی مسکراہٹ نہیں دیکھی۔ بڑی نرم اور حوصلہ افزا آواز میں کہا۔
"معاف کیجئے گا۔ میں خود آپ کے ساتھ شریک نہیں ہو سکتا!۔ مجھے کچھ کام ہے!"
وہ خود چاہتے تھے کہ خالد شریک نہ ہو۔ اس کی موجودگی میں وہ آفس میں بے تکلف نہیں ہو سکتے تھے۔ پھر جب اسے پتہ چلا کہ وہ چھٹی پر ہے۔ تو وہ اپنی کار میں جا کر بیٹھ گیا!۔ کار بیک کی اور گیٹ سے نکلا چلا گیا۔!!

○

روبینہ نے خود کو بہت سنبھالا۔ اس سے کوئی ایسی حرکت سرزد نہ ہو۔ جس سے اس کے وقار پر حرف آئے۔ کیا وہ اتنی کمزور اور بودی تھی۔ جو اتنا سا غم بھی نہ سہہ سکتی لوگوں پر غم کے پہاڑ ٹوٹ پڑتے ہیں۔ لیکن وہ اف بھی نہیں کرتے۔! اگر اسے مرنا ہوتا تو وہ جبھی مر جاتی۔ جب اس نے بڑی سفاکی سے اپنی محبت کی تردید کی تھی! اب تو وہ جئے گی اور تقدیر کے تماشے دیکھے گی!۔۔۔۔
لیکن اس کے تصورات جو اس سے بڑی دور کسی اور ہی جہاں کے چکر لگا رہے تھے!۔۔۔۔ وہ جہاں جہاں شہنائیوں کی گونج تھی!۔ ہار سنگھار تھے۔ خوشیاں تھیں شادی کے شادیانے تھے!!۔
پھر وہ پاگل ہوتی گئی۔ اب وہ اسے کبھی نہ مل سکے گا۔ کبھی نہیں!!۔

کیسی اندھا دھند محبت تھی۔ آندھی اور طوفان جس میں سب کچھ تہس نہس ہو جائے!
اور کھنڈروں کے سوا کچھ بھی باقی نہ بچے!۔ صرف ایک ہولناک سناٹا رہ جائے اور بس!!۔
اپنے ان روح فرسا خیالوں میں گھری گھری وہ موت سے ہمکنار ہونے لگی۔ اسپر
غشی کے دورے پڑنے لگے!۔ عجیب بہکی بہکی باتیں کرنے لگی اور گھبرا کر وطن بھاگی۔ سارے
راستے وہ دل کو سمجھاتی آئی تھی۔ وہ اپنے باپ کے گھر جا رہی ہے۔! وہ باپ جس نے اسے
ماں بن کر پالا ہے۔ وہ اس شفیق سینے سے لگ جائے گی۔ اور ان کے پیار کے سہارے
جیئے گی!۔ وہ اس سے کتنی محبت کرتے ہیں!۔ ساتھ ہنسنے پر تیار۔ ساتھ رونے پر تیار۔!!
لیکن پھر ایک عجیب بات ہو گئی۔ جہاز کے زمین پر ٹکتے ہی اس نے کہر میں لپٹے ہوئے
خالد کو دیکھ لیا۔ جس کی صرف ایک رات پہلے شادی ہوئی تھی۔ اسے تو اپنی حسین دجوان
دلھن کے پاس ہونا چاہیئے تھا۔ وہ ایروڈرم کیوں بھاگا آیا تھا۔ کیوں؟؟!۔
کیا اب بھی اس کا دل روبینہ سے منحرف نہیں ہوا تھا۔ کیا وہ اب بھی اس کا پرستار
تھا؟ اتنا سب کچھ ہونے کے بعد بھی؟ کیا وہ بھی مجبور رہی تھا؟۔ اور پھر یادوں کے
ہولناک بھنور میں چکراتی روبینہ شمیمؔ کی باہوں میں بیہوش ہو کر گر پڑی۔!
اس کی آنکھیں اپنے گھر میں کھلیں۔ آس پاس کرنل صاحب۔ سید صاحب۔ اور
سیفی تھے!۔ کرنل صاحب نے بڑی محبت سے اسکے بھیگے بھیگے بال پیشانی پر سے ہٹا کر اس کی جلتی
ہوئی سرد پیشانی پر بوسہ دیا تھا!۔ خیریت پوچھی تھی!۔ اور پھر ڈاکٹر کو فون کرنے
اٹھ گئے تھے!۔ سید صاحب اپنے آنسو ضبط کر کے مسکرا رہے تھے۔ سیفی اس کے ارد گرد پھر رہا
تھا!۔ اس کے اپنے۔ اس کے سب کچھ!۔ روبینہ کا دل بھر آیا۔ اور وہ جانے کیا کچھ
سوچ کر خاموش آنسوؤں سے رونے لگی!۔
وہ سمجھی تھی۔ اس نے جہاز پر کوئی خواب دیکھا تھا! لیکن سیفی نے اسے بڑی
محبت سے اطلاع دی تھی!۔ یقیناً خالد ایروڈرام پر آیا تھا۔ اور۔ ان سب کے

پہونچنے سے پہلے ہی پہونچا تھا!۔ روبینہ کے زخم پھر سے ہرے ہو گئے۔!

ڈاکٹر نے اسے مکمل آرام کا مشورہ دیا تھا۔!

مسہری پر پڑی وہ دریچے سے باہر پھیلے ہوئے نیلے آسمان کو تکا کرتی! زمینوں آسمانوں میں اسے سناٹا محسوس ہوتا!۔ جیسے ساری دنیا مفلوج ہو چکی ہو۔ ساری دنیا میں ویرانی چھا گئی ہو!۔ ابدی اور لا مختتم سناٹا۔

وہ رہ رہ کر دیوار گیر بڑا کلاک آہنگ دار آواز میں گئے ہوئے وقت اور آنے والی ساعتوں کا اعلان کرتا۔ اور پھر لمحوں کا دل دھڑک اٹھتا ٹک۔ ٹک۔ ٹک!۔

یہ کیا ہے زندگی ہے۔ بے معنی۔ بے مصرف۔ بے کار۔!

الماس کے گھر کے ہنگامے سرد پڑ چکے تھے۔ وہ سسرال واپس آ چکی تھی۔ دن بھر بیٹھی وہ روبینہ سے شادی کے واقعات اور بعد کے حالات بیان کیا کرتی!۔

"کیا بتاؤں۔ رعنی! تم تو یہاں نہیں تھیں۔ ورنہ تم بھی تماشہ دیکھتیں!۔ سبھی کو حیرت ہے!۔ ناہید ایسی لڑکی تو نہیں ہے جس کی شکل دیکھنے کا بھی کوئی روادار نہ ہو۔ لیکن بھائی جان کی عقل پر پتھر پڑ گئے ہیں۔ وہ بہت بدل گئے ہیں۔ پہلے تو وہ کسی سے اونچی آواز میں نہیں بولتے تھے۔ کسی کو آج تک انھوں نے ڈانٹا نہیں تھا۔ کسی سے نظریں ملا کر بات نہیں کرتے تھے۔ مگر اب۔۔۔۔ جیسے کسی نے ان پر سحر کر دیا ہے!۔ اتنے بد مزاج اور ایسے غصہ ور ہو گئے ہیں کہ ان سے بات کرنے کی بھی ہمت نہیں پڑتی۔ اب میں تم سے کیا کہوں۔ بہنا۔ مجھے شرم آتی ہے!۔ شادی کے بعد سے اب تک وہ ایک بار بھی ناہید کے پاس نہیں گئے۔ گھر سے صبح کے گئے ہوئے رات کو آٹھ نو بجے آتے ہیں۔ اور اپنے میوزک روم میں جا کر سو جاتے ہیں!۔ کوئی کہے تو کیا کہے۔ کیسے کہے۔ شرم کے مارے سب کی زبانیں بند ہیں!"

روبینہ کے جسم میں سنسنی پھیل جاتی۔ اور دل دھڑک اٹھتا۔

"ناہید بے چاری اپنی تقدیر کو روتی ہو گی۔ لیکن اس نے اپنی زبان سے کچھ بھی نہیں کہا۔ نہ گلہ نہ شکوہ۔ وہ بے زبان اتنی سہمی ہوئی رہتی ہے کہ بھائی جان کی گرجتی ہوئی آواز ہی سن کر سفید پڑ جاتی ہے!"

"شادی کے تو بہت دن گزر گئے۔ امی۔!" روبینہ نے پوچھا۔

"جب تک میں وہاں رہی یہی رنگ دیکھا۔ اب کا حال خدا جانے" الماس نے ٹھنڈی سانس بھر کر پیشانی تھام لی!۔

وہ خاموش پڑی سوچ رہی تھی۔ انتقام۔ بدلہ۔ ایک ناکردہ گناہ معصوم لڑکی سے؟ کیا یہ مرد سچ مچ ایسے ہی بے درد اور ظالم ہوتے ہیں؟ کسی پر بس نہ چلا کسی اور پر اپنا غصہ اتارا۔؟ پھر وہ سوچنے لگی۔ یہ سب کچھ اسی کی وجہ سے ہو رہا ہے۔ وہ کب تک سب کی الجھنوں کا باعث بنی رہے گی؟!

پھر سید صاحب آگئے۔ روبینہ ان کی خاطر سے مسکرائی۔

"اب کیسی طبیعت ہے۔ بیٹی۔!" انھوں نے پوچھا" ڈاکٹر نے کہا ہے تم جسقدر سو سکو۔ اسی قدر اچھا ہے!"

"ابا جان۔ کاش! میں ہمیشہ کے لئے سو جاتی!"

وہ سسک سسک کر رو پڑی۔

O

ناہید کے صبح و شام بڑی کسمپرسی میں گزر رہے تھے۔ دن تو جیسے تیسے کٹ جاتا لیکن جیسے ہی رات آئی۔ اس کے سر پر بلا آتی۔ وہ ابھی تک سمجھ نہ سکی تھی۔ اس کی تقدیر پر اچانک کیسے مہر لگ گئی تھی؟ وہ تو کیسے کیسے ارمان سجا کر لائی تھی۔

اس نے بھی اپنے ہونے والے شوہر کی تعریف سنی تھی۔ اس کی شہرت کے چرچے سنے تھے۔ اخباروں میں پڑھے تھے۔ تصویریں دیکھی تھیں۔ اس کے کانوں میں بچپن ہی سے اپنے شوہر کا نام پڑا تھا۔ جب وہ صرف چھ سال کی ننھی سی بچی تھی۔ اس کے دل میں صرف ایک ہی تصویر تھی۔ وہ روز بروز اس کی نادیدہ پرستار بنتی گئی۔ بچپن کے بھولے بھالے خیالوں نے جوانی کے شوخ ارمان کا روپ دھار لیا تھا!۔ پھر اس کی محبت جنون بن گئی۔ وہ اپنی تقدیر پر آپ نازاں تھی۔ ایک بہت بڑا آدمی۔ ایک بہت بڑا فن کار..... اس کا شوہر ہے!۔ اسے اپنے آپ پر رشک ہوتا۔ جانے کیا کچھ آرزوؤں کی سوغات وہ اپنے شوہر کے لئے لائی تھی!۔ لیکن اس کے ارمانوں کے جگمگاتے دیئے اچانک ایک ایک کر کے بجھتے چلے گئے۔ اور وہ گھنی تاریکی میں تن تنہا کھڑی رہ گئی۔ اس کے لبوں پر تالے پڑے تھے۔ دل اتھاہ مایوسیوں میں ڈوب چکا تھا۔ آنکھوں میں بادل اکٹھا ہو گئے تھے :

ساری ساری رات وہ اس کے انتظار میں جاگتی رہتی۔ اس کی آوازیں سنتی لیکن وہ کھڑی رہ جاتی۔ اور میوزک روم کے دروازے دھماکے سے بند ہو جاتے! تنہائی اور وحشت۔ اپنی توہین کا احساس..... !پھولوں سے سجی سیج اسے کانٹوں بھرا بستر لگتی۔ اسے اپنی ذات سے آپ نفرت ہونے لگی تھی!۔

لیکن اسے سزا کس خطا کی مل رہی تھی ؟۔ وہ پھر بھی نہ سمجھ سکی!۔ اور اس دن اس نے تہیہ کر لیا تھا۔ وہ ایک فیصلہ کر کے رہے گی!۔

رات کے تقریباً دس بج چکے تھے! خالد اپنے کمرے میں آیا۔ ناہید اپنی مسہری پر بیٹھی تھی!۔ اسے دیکھ کر اس نے سر پر آنچل اوڑھ لیا!۔ پھر اس کے ہاتھوں سے کوٹ لیا۔ اور ہینگر پر لٹکا دیا۔ ٹائی لی۔ بیگ لیا۔ اور سب کچھ مسہری پر رکھتی گئی۔ وہ اب بھی خاموش تھی۔ چھوٹے سے قد کی خوب صورت سی گڑیا۔ سب سے زیادہ جو چیز

اس کے چہرے میں نمایاں تھی وہ اس کا بھولا پن اور معصومیت تھی۔ جسے دیکھ کر خواہ مخواہ پیار آئے۔ لیکن خالد نے اسے دیکھا بھی نہیں!۔ کرسی پر بیٹھ کر جوتے کی ڈوریاں کھولنے لگا۔ دفعتہً اس کے ہاتھوں پر دو چھوٹے چھوٹے سفید ہاتھ آکر رکے!۔۔۔ خالد نے اپنے ہاتھ ہٹا لئے اور پاؤں بھی کرسی کے نیچے سرکا لئے!۔

"اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے!" اس نے درشت لہجے میں کہا۔ اور کرسی کی پشت گاہ پر سر ٹیک کر آنکھیں بند کر لیں!۔ اس کے انداز سے معلوم ہوتا تھا وہ بہت مجبور کر کے یہاں بھیجا گیا تھا!!۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا، ناہید سے کیا باتیں کرے؟"

ناہید اب بھی کچھ نہیں بولی۔ البتہ اس کی آنکھیں آنسوؤں سے لبریز ہو گئیں وہ فرش ہی پر بیٹھی رہ گئی۔ اس نے تو سنا تھا۔ اس کا شوہر بہت ہنس مکھ، پر محبت اور خوش مزاج تھا۔ لیکن لوگ کتنا سفید جھوٹ بولتے ہیں۔ یہ تو انتہائی سنگدل، بے رحم اور غصہ ور تھا!!۔

ناہید۔ یہاں سے اُٹھ جاؤ۔!" اس نے پھر سخت لہجے میں کہا: مجھے آنسوؤں سے نفرت ہے۔ مجھے ان خدمتوں سے بھی نفرت ہے۔ میرے ہاتھ پاؤں سلامت ہیں۔ میں اپاہج بھی نہیں ہوں!۔ تم سے کس نے کہا تھا کہ تم میرے جوتے اتارو:

"یہ تو میری اپنی خوشی تھی۔ میری اپنی خوشی۔۔۔!" ناہید چپکے چپکے اب بھی رو رہی تھی!۔

"خوشیوں کی تلاش میں آئی ہو۔" خالد نے ہنس کر طنزیہ لہجے میں کہا "لیکن یہاں خوشیاں کہاں ہیں؟۔ جب سے آئی ہو۔ مسلسل رو رہی ہو؟۔ یہاں تو یہی سب کچھ ملے گا۔ آہیں اور آنسو۔ میں بھی روتا رہا ہوں! میں نے بھی تمھاری طرح خوشیوں کی تلاش میں سر مارا تھا۔ لیکن مجھے کچھ بھی نہیں ملا۔ میں نے بھی اپنی آرزوؤں کے ایوان

سجائے تھے لیکن کسی نے اس ایوان میں آگ لگا دی۔ . . . مجھے تو اپنی حرماں نصیبوں کے ماتم سے فرصت نہیں ملتی۔ تمھاری اشک شوئی کیسے کروں گا؟!"

آپ کو مجھ سے نفرت کیوں ہے۔" وہ اٹھ کر کھڑی ہو گئی لیکن اس کا رخ خالد کی طرف تھا: اگر آپ کو مجھ سے محبت ہوتی تو آپ میری خوشیوں کا سامان کرتے؟!۔"

میں نہیں جانتا۔ خوشی کیا چیز ہوتی ہے۔ البتہ تمھیں مکمل اجازت ہے۔ جہاں سے ملے۔ جس قیمت پر ملے۔ اپنی خوشیاں خرید لو۔ میں تمھیں نہیں روکوں گا!"

اسے یوں لگا جیسے اسے کسی نے اچانک کوئی بری سی گالی دے دی ہو۔ رونا بھی بھول گئی اور بڑی حیرت سے خالد کا چہرہ تکنے لگی!۔

اچانک دروازے پر عشرت نے آواز دی۔ وہ ابھی تک یہیں تھی!۔ ناہید کی محبت میں وہ سسرال نہیں جا رہی تھی۔ اکسی نے اسے مجبور بھی نہیں کیا تھا!۔

خالد کا جواب سن کر وہ اندر آئی۔

آپ لوگوں نے ابھی تک کھانا نہیں کھایا۔ یہیں لے آؤں؟!" اس نے پوچھا۔

جی نہیں۔ آپ مہربانی کیجئے۔ میں کوئی مہمان نہیں ہوں۔ جب بھوک لگے گی منگوالوں گا۔!" خالد نے بڑی رکھائی سے کہا۔

اس جواب پر عشرت پر گھڑوں پانی پڑ گیا۔ اس نے تو بارہا ناہید کے سامنے خالد کی تعریفیں کی تھیں۔

کافی۔ ؟!" وہ بمشکل تمام بول سکی!۔

جی نہیں۔ شکریہ!" اس نے پھر کہا۔ اور عشرت اپنی ناہید کو اس سنگدل کے رحم و کرم پر چھوڑ کر چلی گئی!۔ اور خوب خوب نمک مرچ لگا کر بیگم صاحبہ سے خالد کی شکایتیں کیں!۔

ذرا دیر بیٹھا وہ بامقصد انداز میں ادھر ادھر دیکھتا رہا پھر اٹھ گیا۔

اور اسی وقت ایک سسکی لے کر ناہید نے اپنی مہکتی دہکتی باہنیں خالد کے گلے میں ڈال دیں اور اس کے سینے سے لگ گئی!۔ اس کے دل کی دھک دھک بے ترتیب سانسوں کا ہجوم۔ خالد کے قدم زمین میں گڑ گئے۔!

"آپ نے مجھے کس خطا کی سزا دی ہے؟ آپ چلے جاتے ہیں۔ میری اکیلی راتیں مجھے ڈستی ہیں۔ ساری ساری رات مجھے نیند نہیں آتی۔! مجھے تنہا مت چھوڑیئے میرے پاس آیئے!" پھر اس کے گریباں کو بے پناہ آنسو تر کرنے لگے!۔

"اتنی عجز باقی نہ ہو۔ ناہید!" اس نے اس کے ہاتھ اپنے گلے سے ہٹا دیئے اور آہستگی سے اسے اپنے سینے سے الگ کرتا ہوا باہر نکل گیا!!۔

اپنے بستر پر گر کر ناہید پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی!۔

ناصیہ شاید تھوڑی دیر قبل ہی آئی تھی۔ اور اپنی ماں سے سب حال سن کر بیٹھی پیچ و تاب کھا رہی تھی۔ اب خالد کو لمبے لمبے ڈگ بھرتے جاتے دیکھا تو اس کا خون کھولنے لگا۔

"کہاں جا رہے ہو؟" اس نے اسے ٹوک دیا۔

"کیا تم پاگل ہو گئے ہو" فیروز بھی برس پڑے "تمہارا یہ سلوک ہماری سمجھ میں نہیں آیا۔ تمہاری ان حرکتوں کا مقصد کیا ہے؟؟"۔

"ہم تو کسی کو منھ دکھانے کے قابل نہیں رہ گئے" ناصیہ نے غصے سے لرزتے ہوئے کہا "زہر کھا کر سونے کا وقت آگیا ہے!"۔

"آپ نے شادی کر دی۔ آپ کی بھاوج آگئی" خالد نے نہایت تلخ لہجے میں کہا "ممی کی جان بچی۔ ممی نے لاکھوں پائے۔ اب اپنی بہو کا دل بہلایئے۔ مجھ پر یہ جبر مسلسل کیوں ہے۔ خدا غارت کرے!!"

"تم سمجھتے ہو۔ تم مرد ہو۔ تمھیں سب کچھ سزاوار ہے۔ لیکن وہ بے بس دل بے کس

ہستی جو تمہارے رحم و کرم پر ہو۔ اسے یوں ستانا جلانا اور رلانا مردانگی نہیں۔ کمینگی ہے۔ تم کمینے ہو۔ ذلیل کہیں کے!" ناصیہ اور بھڑک اٹھی "اگر تمہیں یہی سب کچھ کرنا تھا تو تم نے سعادت مندی کا ڈھونگ کیوں رچایا تھا!"

"کبھی نہیں رچایا" خالد کے ہونٹوں پر استہزائیہ مسکراہٹ بکھر گئی "میں تو ہمیشہ یہی کہتا رہا۔ میں شادی نہیں کروں گا۔ نہیں کروں گا۔ لیکن آپ نے دیکھا کتنا ہڑبونگ مچا۔ باپ کی عزت پر ماں کی جان پر بن گئی۔ اس غریب کی آبرو پر بن گئی جس کے لئے دوسرے مرد کا نام بھی گالی تھا!۔ پھر میں کیا کرتا۔ سر جھکا دیا!"

"یہی جھکایا کہ سب کو خون کے آنسو رلا رکھے ہیں؟!" ناصیہ کی آواز بھرا گئی "خالد۔ تم سوچو۔ تم گناہ کر رہے ہو!"

"آپا بی" خالد نے سنجیدگی سے کہا "مجھے اپنے دل پر اختیار نہیں ہے۔ لیکن میں اپنے جسم پر قابو رکھتا ہوں!۔ میں نہیں چاہتا۔ میری کسی جذباتی غلطی کی بنا پر ناہید کسی دوسرے مرد کے قابل نہ رہ جائیں۔ میں انھیں طلاق ۔۔۔!"

"چٹاخ ۔۔۔!" ناصیہ کا بھرپور تھپّڑ اس کے گال پر پڑا اور وہ یکبارگی اپنا گال تھام کر رہ گیا!۔ سب ہی بوکھلا گئے تھے۔ لیکن ناصیہ نے کئی ایک دوہتّڑ اس کی پیٹھ پر رسید کر دیئے اور خود ہی خالد سے لپٹ کر رونے لگی!۔

خالد کے ہونٹوں پر اب بھی مسکراہٹ بکھری ہوئی تھی!۔ اس نے بے حد محبت سے ناصیہ کو لپٹا لیا۔ اور اس کے بالوں میں اپنا چہرہ چھپا لیا۔

"آپا بی" پھر اس نے کچھ ہنستے کچھ روتے ہوئے کہا ؎

ناکردہ گناہوں کی بھی حسرت کی ملے داد

یارب! اگر ان کردہ گناہوں کی سزا ہے

مگر سب دم بخود تھے۔ اور ناصیہ مسلسل روئے جا رہی تھی!!۔

O

ایک دن یہ خبر بجلی بن کر سب پر گری کہ روبینہ اسپتال پہونچا دی گئی۔ اسے مسلسل ٹریٹمنٹ کی ضرورت تھی۔ اور گھر پر یہ سہولت میسر نہ تھی!۔ اسپتال میں اس کا ذاتی کمرہ سب سے الگ تھلگ تھا!۔ یہاں اسپتال کے اصولی قید و بند بھی نہ تھے!۔ صرف مکمل آرام کی خاطر وہ یہاں پہونچائی گئی!۔ اس کی بات چیت پر قدرے پابندی تھی!۔ اور جب مسعود اس سے ملنے گیا تو اس نے ہنس کر کہا تھا:

"مسعود بھائی۔ وہ گویائی جو ابھی بند نہ ہوتی۔ ان لوگوں نے بہت پہلے بند کر دی۔!"

فضول باتیں نہ کرو۔ بہن۔ بس جلدی سے اچھی ہو کر گھر چلو!"

صرف مسعود ہی کو اجازت تھی کہ وہ اس سے مل سکے!۔ اور سیفی کے ذریعہ سید صاحب نے سخت تاکید کرا دی تھی اس سے کوئی مل نہ سکے!۔ اسی سے دوسروں کو اس کی خیریت کی خبر مل جاتی تھی!۔ ویسے نوید اور میجر اقبال بھی پیچ و تاب کھا کر رہ گئے!۔ لیکن سیفی نے معذرت کر دی۔!

خالد خود ہی نہیں آیا۔ اس کا پیغام شمیم نے جاتے جاتے روبینہ کو سنا دیا تھا اس نے تفصیل سے کہہ دیا تھا۔۔۔ کس طرح وہ صرف اسی کی خیریت پوچھنے شمیم کے ہاں گیا تھا!۔۔۔ اس نے بڑے شوق اور محبت سے روبینہ کو وہ بیش قیمت گھڑی بھی دکھائی تھی۔ جو خالد نے خواہ مخواہ کسی موہوم سے جذبے سے متاثر ہو کر اسے

تحفتہً دے دی تھی!۔

پھر وہ تمام یادوں کو اکٹھا کئے اپنے ساتھ اسپتال لیتی چلی گئی اور مسعود نے خالد سے اُس کی کیفیت بیان کر دی۔!!

"تم خود کیوں نہیں ملتے۔ تم پر تو سید صاحب نے کوئی پابندی عائد نہیں کی ہے۔" مسعود نے کہا۔ "ویسے المی کے سلسلے سے تو تم اور وہ آپس میں عزیز بھی ہوا!۔"

مل لوں گا۔ کبھی نہ کبھی۔!" وہ اس سے رخصت ہوکر کوٹھی پہونچا......

سب اس سے بد دل تھے اور وہ سب سے برگشتہ۔ سیدھا جاکر اپنے کمرے میں لیٹ گیا۔! اس کی آنکھوں کے گرد سیاہی مائل حلقے پڑے ہوئے تھے۔ چہرے سے بے چینی مترشح تھی!۔ ناہید دور بیٹھی دیکھ رہی تھی۔ اب اسے اس سے خوف محسوس ہوتا تھا۔ جانے کیا کہدے۔ اسے تو یہ بھی پتہ تھا۔ صرف اسی کے سلسلے میں ناصیہ نے اسے پیٹ کر رکھ دیا تھا!۔ وہ تو کانپ کر رہ گئی تھی۔ جانے خالد کیا جوابی کارروائی کرے۔ لیکن وہ تو الٹا اپنی بہن کو منانے سمجھانے بیٹھ گیا تھا۔! مگر کیا پتہ۔ اب بھی اس کے دل میں کوئی بات رہ گئی ہو!۔ اور وہ پھر اسی پر بدلہ نکال دے!!۔

خالد کی نگاہیں دفعتہً اس کی طرف اٹھ گئیں۔ شاید اس نے پہلی بار ہی اسے دیکھا تھا۔ اب تک غور سے دیکھنے کی نوبت ہی نہیں آئی تھی!!

کیا سچ مچ۔ وہ اتنی معصوم اور بے زبان تھی!... جس نے اس کی خاطر اپنی طرف سے کوئی بات ہی نہیں کی تھی۔ بلکہ اس کی توجہ اور دلدہی کی منتظر رہتی تھی!۔ پھر سوچتے سوچتے اسے محسوس ہوا۔ صرف اسی کی خاطر وہ اپنی محبت سے دور کر دیا گیا تھا۔ اسی کی خاطر۔ اس نے اپنی بہن کی مار کھائی تھی۔ اسی کی خاطر۔۔۔ شدید ترین غصّے کے عالم میں اس نے اپنی آنکھیں بند کرلیں!۔

ناہید اس کے بیدردانہ سلوک کی عادی ہو چکی تھی۔ اس کا احساس صرف اسی فرحت سے لبریز رہتا تھا۔ وہ اس کا شوہر تھا! وہ اس سے وابستہ تھی۔ اور بس!!!"

"مجھ سے کہیئے نا۔ آپ کیا سوچ رہے ہیں۔ کیا میں آپ کی کوئی مدد نہیں کر سکتی؟"

"کیا کہوں تم سے؟" وہ طنزیہ ہنس پڑا۔ کہنے کی کوئی بات بھی تھی؟!

"جو کچھ بھی آپ کے دل میں ہو۔ کہہ دیجیے" ناصیہ نے پھر کہا: "میں کوئی غیر تو نہیں ہوں!"

کوئی بات نہیں ہے!۔

کیا آپ دل کے ہاتھوں مجبور ہیں؟" اچانک ناہید نے دل کڑا کر کے دکھتی رگ پکڑ لی: "آپ کو کسی سے محبت ہے؟!

محبت؟" خالد کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ اچانک اپنی حیرت کی تردید میں اس نے ایک جلا جلا قہقہہ لگایا "نہیں!۔ ناہید! نفرت برگشتگی۔ تم نہیں جانتیں۔ میں جانتا ہوں۔ ایسی حماقت آمیز چیز نہ سوچا کرو۔ نہ کیا کرو۔ بہت پچھتاؤ گی۔ میری طرح۔ تمھاری زندگی بھی اجڑ کر رہ جائے گی! تمھارے شباب کو یہ آگ جلا دے گی۔ تم میرا قرب چاہتی ہو۔ میں نے بھی کبھی چاہا تھا!۔ اب تو میں بدلہ لے رہا ہوں!"

مجھ سے بھی؟!۔

سب سے۔ اپنے آپ سے بھی!۔ یہ بہت زیادہ ہولناک ہے۔ جیسے کوئی قطرہ قطرہ کر کے زہر پیئے!۔ میں یہی کر رہا ہوں"

"اگر مجھ سے بدلہ لے کر آپ کو سکون پہونچے۔ آپ کو اپنی خوشیاں واپس مل جائیں۔ تو آپ مجھے اور زیادہ ستائیے۔ تڑپائیے۔ ٹھوکریں لگائیے۔ مار ڈالیے۔

یہ تو کچھ بھی نہیں ہے!"

میں نے یہ چاہا تو نہیں تھا!" وہ اس کے طنز پر تلملا گیا۔

میں نے تو چاہا تھا!" ناہید بولتی چلی گئی "مگر مجھے پتہ نہیں تھا۔ آپ کو کسی اور سے محبت ہے!۔ یہ تو مجھے آپ کے سلوک سے معلوم ہوا!"

مجھ سے بیکار باتیں مت کرو۔!" اس نے پھر بات کاٹ دی اور تکئے کے نیچے سے سگریٹ نکال کر سلگائی۔ اور لاپروائی سے دھوئیں کے چھلے بنانے لگا۔!۔

میں آپ سے سچ کہتی ہوں!" ناہید اٹھ کر اس کے پاس آ بیٹھی "یوں آپ خود کو زیادہ برباد نہ کیجیے۔ آپ جسے چاہتے ہیں۔ اس سے شادی کر لیجیے۔ میں اپنے ہاتھوں اسے سہاگ کا جوڑا پہناؤں گی۔ آپ کی خدمت کرتی ہوں۔ اس کی بھی کروں گی۔ آپ کی کنیز ہوں۔ اس کی بھی بن جاؤں گی!"

خالد حیرت سے اس کی شکل تکنے لگا۔ وہ مسکرائی اور یوں اپنے آنسو پی گئی۔

"اتنے پریشان ہیں۔ اتنے از خود رفتہ۔ آخر کیوں؟"

یہ ناممکن ہے!" بالآخر خالد نے کہا۔

میں اتنی ناسمجھ تو نہیں ہوں!۔ ناہید اس کے لائٹر سے کھیلتی ہوئی بولی "آپ ہی نے تو کہا تھا۔ آپ نے کسی کا قرب چاہا تھا۔ وہ آپ کو نہیں ملا۔ کیا میں تب بھی نہ سمجھتی؟!۔ شاید آپ کو یاد نہ ہو۔ لیکن میرے دل پر آپ کے الفاظ پتھر کی لکیر بن گئے ہیں۔ مجھے اگر پہلے ہی معلوم ہو جاتا تو میں یہ بربادی نہ ہونے دیتی!۔ آپ تباہ ہوئے اور اس حسرت نصیب کو بھی کچھ نہیں ملا"

نہیں!۔ ناہید" اس نے ہلکی سی سانس لے کر کہا "تم غلط سمجھیں۔ درحقیقت آنکھیں بند کر کے میں خود بھی تباہی کے غار میں گر پڑا۔ اور تمھیں بھی اپنے ساتھ تباہ کیا۔ کاش!۔ تمھاری تقدیر میں میرا ساتھ نہ لکھا ہوتا۔ آج تم کسی خوش نصیب کی بیوی

ہوتیں اور اپنی زندگی ہنسی خوشی گزار سکتیں!۔ میں تو تہیدست ہوں!۔ میں تمھیں کچھ بھی نہیں دے سکتا!"

اب تو میں آپ سے کچھ بھی نہیں مانگتی!۔ بلکہ میں تو بہت کو کچھ دے رہی ہوں" ناہید مسکرائی "میں تو تہیدست نہیں ہوں۔ میرے پاس میری زندگی بھی ہے!۔ وہ آپ کی ہے۔ لے لیجئے۔؟!۔

اتنے حوصلے ہیں ؟!" خالد کھو کھلی ہنسی ہنس پڑا "نہیں! ناہید تمھیں اپنی زندگی مبارک۔! میں محبت مانگتا ہوں۔ زندگی نہیں مانگتا!!"

مجھ سے کہہ دیجئے۔ وہ کون ہے ؟۔ کہاں ہے ؟۔

اب تو کوئی نہیں ہے۔ کہیں نہیں ہے!" خالد نے کہا۔

آپ تو کہتے تھے کہ آپ کبھی جھوٹ نہیں بولتے!"

"کبھی نہیں بولتا۔ بڑی سے بڑی مصیبت میں بھی نہیں بولتا۔ میں اب بھی سچ کہہ رہا ہوں یقین کرو۔!"

تو پھر آپ کا یہ اجتناب کیوں ہے ؟!"

یہ ایک پچھتاوا ہے۔ ناہید!!۔ اور کچھ نہیں!" خالد نے ٹھنڈی سانس بھر کر کہا "ویسے تم یقین کرو۔ میں تمھارا ہوں۔ اور غالباً تمھارا ہی رہوں گا۔!

پھر جب تک وہ اسے روک سکتی۔ وہ اٹھا اور باہر نکل گیا۔ ناہید کسی گہری فکر میں ڈوب گئی!!۔ بند بند وہ اپنی کسی محبت کا اظہار تو کر ہی گیا تھا! اب اور کیا سننا باقی تھا ؟۔ اس افسانے میں اس کی ہنسی سب سے زیادہ بے مصرف اور بیکار تھی۔! اگر خالد اس سے یہ نہ کہتا تو شاید وہ خود کو اس قدر پست اور بیکار نہ سمجھتی۔ لیکن اب اسے اپنی ذات ہی سے نفرت ہو گئی۔ جس کے لئے اس نے خواب دیکھے تھے جس کے لئے اس نے خود کو پیش کیا تھا۔ وہ یوں ٹھکرا دی گئی۔ ایک عورت کے لئے اس سے

بڑھ کر ذلت و رسوائی اور کیا ہو گی۔ اس کا شوہر اسے یوں دھتکار دے!۔ اپنے عشق و محبت کے افسانے سنائے۔ اور یوں سنگدلی سے اپنی محبت کا امین بنائے! جیسے اس غریب کے پاس نہ نفس ہے نہ دل!۔

عورت اپنا شریک کسی صورت میں گوارہ نہیں کرتی!۔ وہ کتنی بے مقصد ہستی ہے اس سے کہیں زیادہ خوش نصیب تو اس کے اپنے نوکر چاکر ہیں۔ اپنے گھر بار کے خوش و خرم۔ ہر قسم کے دلشکن آزار سے معریٰ!!۔

پھر وہ سوچنے لگی۔ وہ کون لڑکی ہے۔ جو سب سے پہلے اس کے شوہر کی زندگی میں آئی تھی۔ یہاں کی ہے یا کسی باہر ملک کی؟... اس نے سامنے دعویٰ تو بڑی بے جگری سے کیا تھا۔ لیکن اب اس کے حوصلے پست ہو رہے تھے!... اگر واقعی کوئی موقع ایسا آپڑا تو کیا وہ یوں جی داری سے اپنی قربانی دے سکے گی؟!

ماھیہ کا ارادہ اپنے گھر جانے کا تھا۔ اس نے سوچا کر وہ روبینہ سے ملتی ہوئی جائے اس نے ناہید سے تذکرہ کیا۔ اور اسے بھی اپنے ساتھ ہی لیتی گئی!!۔

○

روبینہ اب چند دن بعد ہی گھر جانے والی تھی! ناہید کو دیکھ کر اس کی عجیب حالت ہو گئی! ماھیہ اِدھر اُدھر کی باتیں کرنے کے بعد رخصت ہو گئی اور وعدہ کرتی گئی کہ گھر جا کر اس کی واپسی کے لئے گاڑی بھجوا دے گی!۔ ناہید مسکراتی شرماتی اس کے پاس آ بیٹھی!۔

روبینہ کے منہ سے تو کوئی بات ہی نہیں نکلی! اسے دیکھ کر الماس کی ایک ایک بات یاد آنے لگی تھی!۔ وہ ناہید کو دیکھتی کی دیکھتی رہ گئی! صبح صادق کے اجالے کی طرح

نکھری ستھری۔ بے داغ۔ معصوم اور بھولی بھالی!۔

آج تمھیں میری یاد کیسے آ گئی۔ نبی!۔" روبینہ نے دھڑکتے دل سے پوچھا۔ "تم تو میری شادی میں بھی نہیں آئیں۔ بس بھاگ گئیں ڈیرہ دون!۔" ناہید نے کہا اس کے لہجے میں سادگی تھی!۔ "میں نے سوچا۔ میں ہی اپنی روبی سے مل آؤں۔ اب کیسی ہو؟!۔

ناہید۔ تم تو فرشتہ ہو۔!" روبینہ نے اس کے بھولے بھالے چہرے سے نظریں ہٹا لیں وہ تو سب کچھ جانتی تھی۔ شوہر کی محبت کی متلاشی۔ پیاسی اور نامراد لڑکی۔!

فرشتوں سے کچھ چھپا نہیں ہوتا۔ ہے نا؟" ناہید ہنسنے لگی۔ روبینہ بھی ہنس دی لیکن وہ دل ہی دل میں خوفزدہ بھی تھی!۔

تو ہم آپ کے عجیب و غریب مرض کی تشخیص کر دیں؟!" ناہید بولی۔

پاگل پن!" روبینہ مسکرائی۔

نرا پاگل پن۔!" ناہید بھی مسکرائی "جسے محبت بھی کہتے ہیں!"

محبت؟!" روبینہ کا چہرہ سفید پڑ گیا۔ کیا خالہ ہی نے یہ بات اس سے کہی تھی؟ اس نے سہمے ہوئے انداز میں ناہید کا چہرہ دیکھا۔ لیکن وہ بے خبر تھی۔ البتہ روبینہ کے سہم جانے پر مسکرا اٹھی تھی!۔

اب تم بھی پاگل پن کا ثبوت دینے لگیں۔ نبی؟" روبینہ نے کہا "اچھا۔ یہ بتاؤ کیسی گزر رہی ہے؟!۔

اتنی اچھی گزر رہی ہے کہ آج تک کسی کی بھی نہ گزری ہو گی۔" ناہید کے چہرے پر کرب و تکلیف کا ہلکا سا سایہ چھا گیا۔ "خیر۔ روبی۔ تم نے میری بات ٹال دی۔ سچ بولو۔ تمھاری ایسی حالت یکبارگی کیسے ہو گئی؟

کچھ بھی تو نہیں ہوا۔

میں نہیں مانتی۔ روبی۔ کون ہے وہ خوش نصیب جسے تمھاری محبت حاصل

ہے ہ ۔ کیسے تم دل دے بیٹھی ہو ؟!۔

دل ایسی قیمتی چیز کسی کو دی نہیں جاتی ۔ ناہید !"

جانے ۔ تمھاری جدائی میں اس بے چارے کا کیا حشر ہوا ہوگا ۔ ؟

آج تم کیسی بہکی بہکی باتیں کر رہی ہو ۔ ناہید !" روبینہ پھر سہم گئی " نہ مجھے کسی سے محبت تھی اور نہ ہے !۔ مجھے تو یونہی دل کے دھڑکنے کی بیماری تھی ۔ شمیم بھائی نے افسانہ بنا دیا ۔"

میری قسم ۔ ؟؟!" ناہید مسکرائی ۔

دفعتہً روبینہ کی نگاہیں جھک گئیں " اپنی قسم نہ دو ۔ ننی !۔ حماقت تھی جو ختم ہو گئی ۔" میری پہلی محبت !۔ جو جان کا عذاب بن گئی ۔ نہ انکار کرتے بن پڑا نہ اقرار پھر کچھ مجبوریاں ہمارے بیچ میں آگئیں ۔ میں نے سوچا ۔ جو اپنا نہ ہو سکے !۔ ۔ ۔ ۔ اس کے لئے غم بیکار ہے ۔ میں جسے چاہتی تھی ۔ اس کی بربادی کی خواہاں تو نہ تھی ۔ چاہے میں اپنی جان سے گزر جاتی ۔ پھر میں نے یہی کیا ننی ! انھیں بخش دیا ۔ ان کے لوگوں کو ۔ میں نے اپنی زبان سے انھیں اپنی نفرت کا پیغام سنا دیا ۔ انھیں مایوس کر دیا ۔ لیکن میں بھی انسان ہوں ۔ ننی ! میرے سینے میں بھی دل ہے !۔ میں انھیں بھلا نہ سکی !۔ ویسے ہزار بھلانا چاہا تھا !"

اب تمھیں ان سے محبت نہیں ہے !" ناہید نے ڈوبتے دل سے پوچھا ۔

"یہ عورت کی محبت ہے ۔ ننی !۔ ایک سمندر ۔ بے تہہ و بے کنار ۔ جس کی تہہ میں لاکھوں طوفان چھپے ہوتے ہیں ۔ لیکن اس کی سطح ہمیشہ پرسکون رہتی ہے !"

"روبی ۔ وہ کون ہیں ۔ کہاں ہیں ؟!"

یہ نہ پوچھو ۔ میری ناہید ۔ ادھر ہونٹوں سے ان کا نام نکلے گا ۔ ادھر جسم سے جان بھی نکل جائے گی !؟"

"پھر میں انھیں کیسے ڈھونڈوں گی ؟!"

"تو انھیں مت ڈھونڈ - میری نمی! - اس کی کوشش نہ کر - تو تو اپنے محبت کرنے والے شوہر کی زندگی میں رچ بس جا! - بس میری یہی آرزو ہے!"

وہ واپس جا رہی تھی - اور اتفاقاً روبینہ کی خادمہ پھل اور تھرماس لئے آ رہی تھی - ناہید کو دیکھ کر وہ خوش ہو گئی - اور راستے ہی میں رک کر باتیں کرنے لگی -"

"ارے - دلہن بی بی - آپ بھی آ گئیں - کیا آپ اکیلی آئی ہیں - آپ کے ساتھ خالد میاں نہیں آئے ؟!"

نہیں" ناہید بھی رک گئی تھی " میں اکیلی نہیں آئی تھی - آپا بی ساتھ تھیں - مگر "وہ" تو نہیں آئے!! - کیوں ؟!"

کچھ نہیں بی بی" خادمہ نے ٹھنڈی سانس بھر کر کہا " چھوٹا منھ بڑی بات - میں بھلا کس گنتی شمار میں ہوں!" پھر وہ ہنس پڑی " چلئے - میں آپ کو چھوڑ آؤں - آپ کی گاڑی آ گئی ہے -!

پھل کی باسکٹ اور تھرماس وہ وہیں بنچ پر رکھ کر ناہید کے ساتھ چلی گئی - ناہید کے دل میں کوئی کھٹک سی تھی - کار میں بیٹھتے بیٹھتے اس نے پھر پوچھ لیا -

"کونسی ایسی بات تھی جو تم کہتے کہتے رک گئی تھیں - میں کسی سے نہیں کہوں گی - تم مجھ سے کہدو -"

"بی بی - ہم غریب آدمی ہیں - ہمارے پاس دولت نہیں ہے - مگر آپس کی محبت ہمارے لئے سب سے بڑی دولت ہے - مگر امیر آدمیوں میں یہی بات نہیں ہے! - میرا دل کھٹا ہو گیا - میری روبینہ بی بی اتنی شدید بیمار ہو گئیں - المنٹر کے گھر سے پلیٹس - مگر خالد میاں نے انھیں جھوٹوں نہ پوچھا - اپنے پرائے سب ہی ملنے آئے!

دہی نہیں آئے !۔ کیا وہ اپنی پرانی محبت یوں بھول گئے۔ یا تو یہ حال تھا۔
بھاگ بھاگ کے آتے تھے۔ آندھی پانی نے ان کا راستہ نہیں روکا تھا۔ دن رات
ہنسی مذاق۔ گانا بجانا۔! مگر اب یہ حال ہے کہ وہ جانتے ہی نہیں۔ میری بیوی دنیا
میں ہیں کہ خدانہ کرے دنیا سے چلی گئیں۔! میں تو خود ہی خالدمیاں سے شکوہ کرنے
والی تھی۔ پھر سوچا۔ میں ایک نوکرانی۔ مجھے یہ سب کچھ کہنا زیب نہیں دیتا!۔
میں تو اپنی بچی کی محبت سے مجبور ہوکر آپ سے کہہ رہی ہوں۔ اب میری لاج اور نوکری
آپ کے ہاتھ ہے!!۔

پھر وہ اسے سلام کر کے اوپر چل دی۔ ابو ظفر بڑی دیر سے انتظار کر رہا تھا!۔
اس کے جانے کے بعد پوچھا۔

اب چلوں۔ سرکار۔ ؟!۔

ناہید نے کیا جواب دیا۔ کیا بولی۔ اسے خود پتہ نہ چلا۔ وہ تو کسی اور ہی جہاں
میں تھی!۔ سارا معاملہ خود بخود کھلی کتاب کی طرح اس کے سامنے تھا!۔

خالد کے کہے ہوئے الفاظ اس کے کانوں میں گونج رہے تھے!۔

میں محبت مانگتا ہوں۔ زندگی تو نہیں مانگتا۔

میں نے کسی کا قرب چاہا تھا!۔

اور روبینہ بھی کہہ رہی تھی: میری پہلی محبت جو جان کا عذاب بن گئی۔
میں نے اپنی زبان سے انھیں نفرت کا پیغام سنا دیا۔
انھیں واپس کر دیا۔ ان کے اپنوں کو۔
ادھر ہونٹوں سے ان کا نام نکلے گا۔ ادھر جسم سے جان بھی نکل جائے گی۔
اور ملازمہ کہہ رہی تھی: خالدمیاں اپنی پرانی محبت یوں بھول گئے۔
بھاگ بھاگ کے آتے تھے۔ آندھی پانی نے ان کا راستہ نہیں روکا تھا۔

دن رات ہنسی مذاق۔ گانا بجانا۔! اب وہ بھول کے بیٹھ گئے !"

جب وہ گھر پر اتری تو یوں لڑکھڑا رہی تھی جیسے ڈھیروں شراب پی رکھی ہو۔ مدہوش و بے خبر سی۔ اسے یقین ہو گیا تھا۔ اس کا شبہہ پختہ ہو رہا تھا!۔ یہ اور بات تھی۔ نہ خالد نے روبینہ کا نام لیا تھا نہ روبینہ نے خالد کا۔ لیکن وہ اتنی نادان اور احمق تو نہ تھی !!۔

سب ہی خالد کے سنگدلانہ سلوک سے واقف تھے۔ لیکن بات اس قدر بڑھ چکی تھی۔ یہ کسی کو معلوم نہ تھا۔ بہت سی شادیاں ناپسندیدگی کی ہوتی ہیں۔ لیکن رفتہ رفتہ میاں بیوی میں محبت ہو جاتی ہے۔ یوں ضد باندھ کے کوئی نہیں بیٹھ رہتا۔!۔

خالد کی حرکتوں نے سب کو اس سے برگشتہ کر دیا تھا۔ ویسے ناہید سب سے قریب آ چکی تھی !۔ جب بھی کرنل صاحب گھر پر نہ ہوتے۔ وہ ہنستا مذاق اڑاتا تھا!۔ نہ اسے کسی کی گھرکیوں کی پرواہ تھی نہ خفگی کی !۔ اس وقت بھی جب ناہید اپنے کمرے میں آ گئی۔ سب میں یہی باتیں ہو رہی تھیں !۔ اتفاق سے وہاں سعید صاحب بھی بیٹھے تھے۔ انہی سے بیگم صاحبہ رونا رو رہی تھیں !۔ خالد بھی تھا۔ لیکن سفاک اور گستاخ! اس کے انداز سے کسی قسم کی ندامت یا پشیمانی ظاہر نہیں ہو رہی تھی۔ وہ بے حد مسرور تھا!۔

"ساری دنیا کے لئے تمہارا سلوک اچھا ہے" ممی کہہ رہی تھیں !" بے چاری ناہید کی قسمت میں تمہاری جھڑکیاں لکھی ہیں۔ تم یہ بھول ہی گئے ہو کہ اس کی دلجوئی بھی تمہارا فرض ہے !!

"کرنل صاحب سے کہیئے۔ ان کا دل بہلائیں گے !" خالد نے کہا۔

"کیا بک رہا ہے۔ بے شرم !" ممی نے للکارا: "ابھی ناہید کے باپ کو پتہ چل جائے تو کیا حشر ہو تمہارا"۔

میرا جنازہ: اس نے بے باکی سے قہقہہ لگایا: "اب ان بالیوں سے ڈرنے کا وقت گیا۔ ممی! ۔ اب تو انھیں خود ہی مجھ سے ڈرنا چاہیئے۔ میری زبان کی جنبش سے نواب صاحب کی صاحبزادی کا اور کرنل صاحب کی بہو قید نکاح سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے آزاد ہو جائے گی!"

"چپ رہ۔ دل آزار سنگدل۔ بے ادب"۔۔۔ ممی نے اس کی پیٹھ پر دو تھپڑ رسید کرتے ہوئے کہا: "گھنٹہ بھر سے بک بک کئے جا رہا ہے۔ بس اب چلا جا میرے سامنے سے۔ گستاخ کہیں کا!"

"بہت بہتر۔" وہ سر جھکا کر بولا اور اٹھنے لگا۔

"ٹھہرو!" اچانک کرنل صاحب کی دہاڑ گونجی۔ وہ دروازے میں کھڑے تھے ــــ!

"میں چاہتا ہوں۔ تم اپنی دھمکی کو سچ کر دکھاؤ" وہ گرجے "میں پچھتا رہا ہوں میں نے ایک معصوم بچی کا صبر سمیٹا۔ خالد۔ کہو کہ۔ تم نے اسے طلاق دے دی!"

وہ زیرِ لب مسکرایا: "پھر پچھتائیے گا تو نہیں۔ ڈیڈی!"

"پچھتاؤں گا تو نیکی کے فرشتے مجھ پر لعنت بھیجیں گے!" کرنل صاحب نے شدید ترین غصے سے لرزتے ہوئے کہا:

"میرے حکم کی تعمیل کرو۔ کیا تم سن نہیں رہے ہو؟!" دفعتہً وہ مرنے اور مارنے پر تل گئے تھے!۔

"جی بہت اچھا" خالد نے کہا: "تو پھر سن لیجیئے کہ میں نے ناہید کو ـــ!"

"خبردار۔ خالد۔ تمھاری زبان سے اب ایک لفظ نہ نکلے" دفعتہً سید صاحب نے للکارا: "سلمان کیا تم اپنے ہوش میں نہیں ہو! ۔ تم جاؤ یہاں سے!"

"ایک فیصلہ ہو جانے دو۔ معاف۔ اب پانی سر سے اونچا ہو گیا ہے!" کرنل صاحب

بولے۔ لیکن سید صاحب نے انھیں وہاں سے ہٹا دیا۔ اور پھر خالد پر گرجنے برسنے لگے۔!

ناہید نے یہ سب کچھ سنا تھا۔ اس کا جی چاہ رہا تھا وہ ابھی ابھی باہر نکل کر کہدے۔ کہ اسے قید نکاح سے آزاد کر دیا جائے۔ لیکن وہ یہ بھی نہ کہہ سکی!۔ شریف لڑکی جس کی زبان سے قیامت تک طلاق کا نام نہ نکلتا!۔

کچھ سوچکر وہ باہر آئی۔ ڈرائیور کار گیرج میں لے جا رہا تھا۔ اس نے اسے روک دیا۔ کار منگوائی اور پھر اپنے گھر چلی گئی!!۔ یہ سوچ کر ابھی یا صبح تک طلاق کی خوشخبری اس تک پہونچ ہی جائے گی!۔

یہ تو بہت دیر بعد پتہ چلا کہ ناہید گھر پر نہیں تھی!۔ کرنل صاحب کا پارہ آسمان سے باتیں کر رہا تھا۔ ممی کے حواس گم تھے!۔ اس وقت سید صاحب کے سوا گھر پر اور تھا ہی کون۔ انھیں واقعی خالد پر غصہ تھا! لیکن وہ کرنل صاحب نہیں تھے۔ خالد کو الگ ہٹا لے گئے اور اسے سمجھانے لگے!۔

"کرنل کا خیال ہے کہ تمھارے اور ناہید کے درمیان کوئی لڑکی ہے"۔ انھوں نے کہا۔ "اگر یہ سچ ہے تو اس لڑکی کو مر جانا چاہیئے۔ جس نے یہ گھر برباد کر رکھا ہے!"

خالد ... کر ان کا چہرہ دیکھنے لگا۔

عمر بھر میں پہلی بار اس نے جھوٹ بولا۔ اور جھوٹی قسم کھائی۔

نہیں۔ ابّا جان۔ ایمانًا۔ کوئی لڑکی ہمارے درمیان نہیں ہے!"

تو پھر چلو۔ اسی وقت چل کر ناہید کو لے آؤ! انھوں نے اسے مجبور کیا۔

مجھے شرم آتی ہے۔!" اس نے کہا "میں نہیں جاؤں گا"

چلو بیٹے۔ ضد نہ کرو۔ میں بھی ساتھ چلتا ہوں!" سید صاحب نے کہا اور انھیں لیکر جب نواب صاحب کے ہاں پہونچے تو وہ اپنی بیٹی کو جانے کیا سمجھا رہے تھے!

ان دونوں کو دیکھ کر ناہید اٹھی اور کمرے میں چلی گئی !۔ اسے بالکل توقع نہ تھی خالد یوں اس کے ہاں آئے گا۔۔۔ پھر اس کے دل میں پیار کا چشمہ پھوٹ پڑ تو۔

دونوں بزرگ آپس میں باتیں کرنے لگے۔ رہ رہ کر سید صاحب کی نظریں خالد پر پڑی تھیں۔ کہ وہ جاکر ناہید کو منالائے لیکن وہ اپنی جگہ سے نہیں اٹھا۔" بالآخر انھوں نے خود ہی کہا۔

اچھا۔ اب ہم چلتے ہیں۔ ناہید بی بی کو ہمارے ساتھ کر دیجئے !۔

نواب صاحب کے بار بار بلانے پر ناہید آئی۔ لیکن کھنچی کھنچی سی۔ اکتائی ہوئی اور بیزار۔

چلو۔ بیٹی !۔" سید صاحب نے بڑھکر اسے گلے سے لگالیا۔ اور چپکے سے سرگوشی کی :" اگر اپنی سسرال جانا نہیں چاہتیں تو میرے گھر چلو۔ ! یوں خفا نہیں ہوتے !!۔

چچا جان۔ میں نہیں جاؤں گی :" ناہید بھبک اٹھی !۔

"نادانی کی باتیں نہیں کرتے۔ بیٹی :" نواب صاحب نے ایک شکست خوردہ سی سانس لے کر کہا :" اب وہی تمھارا گھر ہے۔ یہاں سے تو ناطہ ٹوٹ چکا۔ یوں چھوٹی چھوٹی باتوں پر اس گھر سے بھی ناطہ توڑلوگی تو پھر کہاں جاؤ گی ؟۔ ناہید !"۔۔ تک میکہ تمھارا گھر تھا۔ تمھاری جنت تمھاری ماں کے قدموں کے نیچے تھی !۔ اب سسرال تمھارا گھر ہے !۔ تمھاری جنت تمھارے شوہر کے قدموں کے نیچے ہے۔ بیٹی ! ایک لڑکی میکے سے سرخ جوڑا پہن کر جاتی ہے۔ اور سسرال سے سفید جوڑا پہن کر نکلتی ہے۔" اسے اچھی طرح یاد رکھنا۔ بس اب جاؤ۔ !۔ الوداع !!:"

وہ فوراً وہاں سے چلے گئے !۔ ناہید نے بڑے صبر سے یہ نصیحت سنی ! اور چپکے سے سید صاحب کے ساتھ آگے بڑھ گئی !۔

پھر کسی مصلحت سے سید صاحب نے انھیں بھیجدیا اور خود نواب صاحب کے

گھر ہی سے واپس پلٹ گئے۔ خالد اور ناہید پچھلی سیٹ پر پاس پاس ہی بیٹھے تھے لیکن اپنے اپنے خیالوں میں کھوئے ہوئے!۔ ناہید کو اپنی ہار کا غم ستا رہا تھا اور خالد کو اپنی بدسلوکی پر افسوس ہو رہا تھا!۔ جو کچھ نواب صاحب نے ناہید کو نصیحت کی تھی۔ وہ خالد کے دل میں گونج رہی تھی!!۔

ناہید!۔ مجھے معاف کر دو!" پھر خالد نے بڑے پشیمان لہجے میں کہا۔

ناہید اپنے غم کی اس منزل میں تھی جہاں اس سے رویا بھی نہیں جا رہا تھا! لیکن اس نے خالد کی طرف سے چہرہ پھیر لیا۔ دل میں کچھ۔ منہ پر کچھ۔ اور اب تو اسے خود بھی گوارہ نہ تھا۔ ایک مرد کے بہلنے اور بچلنے پر وہ اپنی خودداری اور آن قربان کر دے!۔ یہی تو یہی سہی!۔ اگر وہ مرد ہو کر اس قدر ضابط و صابر ہو سکتا ہے!۔ تو وہ تو عورت تھی۔ اس سے کہیں زیادہ صابر اور قانع!!۔

دونوں کو واپس آتے دیکھ کر کرنل صاحب پاؤں پٹختے ہوئے وہاں سے چلے گئے۔ البتہ بیگم صاحبہ نے دعاؤں کے پھول برسا دیئے!۔

"بیٹی۔ یوں روٹھ کر اب کبھی نہ جانا۔ میرا اب تم لوگوں کے سوا اور کون ہے اللہ تمھیں شاد و آباد رکھے۔ چاند سا بیٹا دے!۔ دودھوں نہاؤ پوتوں پھلو!۔ یہی میری دعا ہے!!"

دفعتہً خالد کی نظریں ناہید کی نظروں سے ملیں۔ اس کے چہرے پر ایسی عجیب و غریب استہزائیہ مسکراہٹ تھی کہ خالد پر گھڑوں پانی پڑ گیا!۔

○

اسی رات روبینہ اپنے گھر جانے والی تھی۔ ابھی ابھی سیفی اور الماس اس سے رخصت ہو کر اور اس کا تھوڑا بہت اسباب لے کر جا چکے تھے!۔ ان کے جانے کے بعد روبینہ تھکی تھکی سی گاؤ تکیے کے سہارے نیم دراز ہو گئی اور آسودگی کی سانس لیتی آنکھیں بند کر لیں!۔

دفعتہً دروازہ کھلا اور پھر بند ہو گیا!۔

روبینہ نے دیکھا اور پھر اس کی آنکھیں جھپکنا بھول گئیں!۔

سید صاحب کے ساتھ خالد کو بھی دیکھ کر اس کا دل حلق میں دھڑک اٹھا اور وہ جلدی سے سیدھی ہو بیٹھی۔ اسفید شیروانی سفید پاجامہ میں ملبوس، گھنگھریالے بال پیشانی پر بکھرے ہوئے۔ سنجیدہ اور گہری آنکھیں۔ ہونٹوں پر پشیمان سی مسکراہٹ۔ شہزادہ حسن!۔

"یہ اب تک تم سے ملنے نہیں آئے تھے۔ آج میں کھینچ لایا!" سید صاحب بےچارے بھولے بھالے بزرگ دونوں کو باری باری دیکھتے ہوئے ہنسنے لگے!۔

"آداب!۔" روبینہ کے ہاتھ پاؤں سرد تھے!۔ دل کی دھک دھک اسے پریشان کر رہی تھی۔ لیکن سید صاحب کی موجودگی میں اسے ان رسمی باتوں کا خیال تو کرنا ہی تھا۔

"آداب!!" خالد نے جواب دیا اور دیوار سے پیٹھ ٹیک کر کھڑا ہو گیا۔ بکھری ہوئی جگمگاتی صبح دریچے سے جھانک رہی تھی۔ اپنے چکنے پھلکے سفید لباس

ستم کے سہارے

میں روبینہ اس حسین صبح کا ایک حصہ لگ رہی تھی!۔

بیٹھو۔ بیٹیا؛ سید صاحب اس کی دلجوئی کر رہے تھے۔ شاید باپ کی تختیوں کا اثر ابھی تک اس کے دل پر ہو۔!۔ انھوں نے اس کا ہاتھ پکڑ کر کرسی پر بٹھادیا۔ اور پھر اِدھر اُدھر کی باتیں چھیڑ دیں!۔۔۔۔

پھر ان کے لئے چائے آگئی!۔ اور چند منٹ کے لئے سید صاحب بھی خاموش ہو گئے!۔

آخری میڈیکل چیک اپ کے لئے ڈاکٹر اندر داخل ہوا۔ تھوڑی دیر معائنہ کیا پھر اس نے سید صاحب سے پوچھا۔!۔

"جناب!۔ بل آپ کو دے دیا جائے یا گھر پر بھجوا دیا جائے؟"

ہاں بھائی۔ گھر ہی پر بھجوا دو۔ یا ممکن ہے کہ سیفی آکے دے جائیں!" سید صاحب نے کہا۔ "میں نے انہی سے کہدیا تھا!۔

ڈاکٹر کے ساتھ ہی خالد بھی باہر نکل گیا۔

بل مجھے دے دیجئے!" اس نے کہا۔

ڈاکٹر نے انچارج سے بل بنوایا اور اسے تھمادیا!۔ جب وہ بل لے کر کے آیا تو شاید سید صاحب اسی رقم کی ادائیگی کے سلسلے میں جا چکے تھے!۔ روبینہ بھی اپنے کمرے میں نہیں تھی!۔

"جناب! مس سیّد باغ میں ہیں!" وارڈ بوائے نے بتایا!۔

روبینہ کے دل میں ہلکی سی کسک پھر اٹھ کھڑی ہوئی۔ گم صم سی وہ باغ میں حوض کی منڈیر پر آبیٹھی۔ کتنے دنوں بعد اس نے خالد کو دیکھا تھا۔ اب وہ بہت بدلا ہوا لگ رہا تھا۔ وہ شوخی اور اچپلاہٹ کہیں کھو گئی تھی۔ اس کے چہرے پر دکھوں کے نشانات تھے۔ گہری سنجیدگی کے پس منظر میں وہ کچھ

اور بھی نکھر گیا تھا!۔

روبینہ بے خبر سی پانی پر جھکی سوچے جا رہی تھی!۔ یک بیک اسے اپنے دو چہرے دکھائی دینے لگے۔ مل جل کر جدا ہونے اور جدا ہو کر پھر مل جانے والے! مخصوص پر ہیجان خوشبو پر چونک کر روبینہ نے سر اٹھایا اور اپنے بالکل قریب خالد کو دیکھ کر پھر اس کے پھولوں کے سے چہرے کا رنگ اڑنے لگا۔۔۔۔۔ دھیرے دھیرے اس کی پلکیں جھکتی چلی گئیں!۔ دیر تک خاموشی میں دل دھڑکتے رہے! پھر خالد ہی نے سنبھالا لیا اور اپنی مخصوص مدّھم آواز میں پوچھا!۔"

"اب تمھاری طبیعت کیسی ہے۔ روبینہ ؟!"

وہ خاموش خاموش سی مرجھائے ہوئے ٹیبل روز پر ہاتھ پھیرتی رہی!۔

"میں تم سے مل نہ سکا۔ آج عید گاہ میں جمعہ کی نماز پڑھنے آیا تھا۔ وہاں ابّا جان مل گئے۔ وہ مجھے لے آئے۔ روبی!۔ میں خود سے نہیں آیا کہ کہیں تم پھر نہ خفا ہو جاؤ!"

روبی ؟!..... روبینہ پھر کسی ہیجان میں کھو گئی۔

"بینا۔ تم خفا ہو۔ اور میرا حال یہ ہے ۔" وہ ہولے سے ہنسا۔

پھر پرسشِ جراحتِ دل کو چلا ہے عشق
سامانِ صد ہزار نمکداں لئے ہوئے!

شاید یہ غالبؔ کا تصور ہی تصوّر ہو۔ مگر تم نے اور ہم نے اسے سچ کر دکھایا!"
پھر خاموشی چھا گئی۔

"اتنی خفا ہو بینا کہ مجھ سے بولنے کی بھی روادار نہیں ؟"

کیوں خفا ہوتی آپ سے ؟!" وہ ہولے سے بولی۔ اس کی سمجھ میں نہیں

سم کے سہارے

آ رہا تھا۔ کیا باتیں کرے۔ وہ تو اس کے قرب سے گھبرا رہی تھی!۔

"میری نادانستہ غلطی پر۔" خالد نے پھر پرانی باتیں چھیڑ دیں۔

"آپ نے کوئی غلطی نہیں کی۔" روبینہ رفتہ رفتہ خود کو ہینڈل کر سکی۔

"تم نہیں جانتیں۔ بینا!" ہ

چھوڑا تھا تمہارا ہاتھ جہاں بگڑی تھی وفا کی بات جہاں

دل آج بھی بھٹکا بھٹکا سا پھرتا ہے انہی ویرانوں میں

یا خدا۔ یہ سب کیا ہے۔ یہ چلے کیوں نہیں جاتے۔ اب کیا باقی رہ گیا ہے۔ جو پھر اپنے دل کا دکھڑا لے بیٹھے۔ روبینہ کے رہے سہے حواس گم ہو رہے تھے۔

"یقین مانو۔ روبی۔ جو کچھ ہوا۔ وہ سب مجبوری کا سودا تھا۔ لیکن خدا گواہ ہے۔ میں جیسا پہلے تھا۔ ویسا ہی اب بھی ہوں۔ اپنی روح اپنا جسم میں نے اپنی خواہش پر قربان نہیں کیا۔۔۔! اور نہ کبھی کروں گا۔!"

روبینہ کے کان جلنے لگے۔ شرم کے مارے چہرے پر آگ بھڑک اٹھی۔ اس کا سر جھک گیا: "آپ بہکنے کیوں لگتے ہیں۔" روبینہ یہی کہہ سکی: "گئی گزری باتیں دوہرانے سے کیا فائدہ۔ کیا وہ وقت پھر سے پلٹ آئے گا!۔

"نہیں۔ روبی۔ وہ وقت کہاں پلٹے گا۔ اور نہ میرا جسم دوسرا ہو گا۔"

"اب سب کچھ بھول جائیے۔" روبینہ نے کہا: "آپ سوچئے۔ آپ کسی کے لئے کتنے بے درد بن گئے ہیں۔ وہ ناشاد آپ کی محبت کو ترستی ہے۔۔۔ آپ کو پوجتی ہے۔ آپ کی پرستش کرتی ہے۔ لیکن آپ نے اسے کیا دیا ہے؟۔ تنہائی۔ دکھ۔ آنسو!۔

"میں بھی تمہیں پوجتا تھا۔ تمہاری پرستش کرتا تھا۔ تم نے مجھے کیا دیا ہے۔ جلن نامرادی۔ بے چینی۔ زندگی بھر کی!۔

"نہ آپ میرے کوئی تھے نہ میں آپ کی تھی۔ ناہید تو آپ کی بیوی ہے!"

"وہ میری بیوی نہیں ہے۔ وہ صرف کرنل صاحب کی بہو ہے اور بس!"

مجھے نہیں معلوم تھا۔ آپ سچ مچ ایسے سنگدل ہیں!" روبینہ حیرت سے اس کا چہرہ دیکھنے لگی۔

"روبینہ!۔ تم نے مجھے ہمیشہ غلط سمجھا ہے۔ میں سنگدل نہیں ہوں۔ مجھے صرف یہ منافقت اور ریاکاری پسند نہیں ہے۔ میں دل سے کسی اور کو چاہوں۔ اور زبان سے کسی اور کی محبت کے گیت گاؤں ــــ اور یہ تو تمھاری مشرقی محبت ہے! بے غرض۔ بے لاگ۔ تم ہی نے تو مجھے اس کا سبق سکھایا تھا...... ہندوستان کے لوگ۔ جسے اپنے خیالوں میں اپنا مان لیتے ہیں۔ تن من سے اسی کے ہو جاتے ہیں ــــ!"

"آپ کے لئے تو نہیں کہا تھا۔ اپنے لئے کہا تھا!" روبینہ کٹ کر رہ گئی۔

واہ روبی واہ" خالد نے ہنستے ہوئے کہا" مجھے نہیں معلوم تھا۔ محبت کے اصول مرد اور عورت پر الگ الگ منطبق ہوتے ہیں!۔ خیر۔ بہرحال۔ میرا دل بھی کچھ اسی قسم کا ہے۔ جس کا ہو گیا۔ بس ہو گیا!!۔

آپ کو ناہید پر ترس نہیں آتا؟۔

"ترس تو مجھے اپنے آپ پر آتا ہے۔ راندۂ درگاہ۔ ٹھکرایا ہوا۔ بدنصیب بدقسمت۔ جسے کچھ بھی نہیں ملا۔ لیکن بینا۔ اب۔ ایسی باتیں مت کرو۔ مجھے سب کچھ معلوم ہے۔ میں نے شمیم سے بھی پوچھا تھا۔ خود بھی سوچا تھا۔ کچھ ایسی مجبوریاں تھیں۔ جنھوں نے تم سے ایسا ہولناک ایثار کروایا۔ اب اگر تم چاہو۔!

خدا کے لئے آپ پرانی باتیں نہ کیجئے۔ میں نے کسی کے لئے کوئی ایثار نہیں کیا۔ یہ سب آپ کی غلط فہمی ہے!"

"اچھا۔ بینا۔ ایک بات کا جواب دو۔ اگر میں آج مر جاؤں تو تم کیا کرو گی؟"

آپ کی دی ہوئی قسم توڑ دوں گی !۔

ساتھ مرنے کے لئے تیار ہو۔ ساتھ جینے کے لیے تیار نہیں ہو ؟ !" خالد کو پھر ہنسی آ گئی ۔

سمجھئے یہ سب کچھ ایک کھیل تھا۔ ڈراپ سین ہوا ۔ اور تماشائی اپنی اپنی راہ لگے" روبینہ اس کی بے ساختہ ہنسی پر متحیر رہ گئی تھی !۔

لیکن خالد اپنی خواہشات کی اس طوفانی منزل میں تھا۔ جہاں ذرا سی ترغیب اس کے ضبط کے قدم اکھاڑ دیتی ہے !۔ اس نے منڈیر جکڑ لی اور اتنی سختی سے ہونٹ دانتوں تلے دبائے کہ خون چھلک اٹھا :

روبینہ دعا مانگ رہی تھی کہ کاش کوئی آ جائے ۔ یا وہ خود ہی چلا جائے۔ پھر اس کی دعا قبول ہو گئی اور سید صاحب اور سیفی ادھر ہی چلے آئے !۔

کیوں۔ جناب ۔ یہ کیا حرکت ہے ؟" سیفی اس کے لپٹ ہی گیا :" آپ نے چوری چوری بل کیوں ادا کر دیا ۔! دیکھی ۔ بینا۔ تم نے ان کی حماقت ؟ !۔

ہاں ۔ بیٹا ۔ میں تو لانے گیا ہی تھا !" سید صاحب بھی ہنسنے لگے !۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ کسی کو یہ سب کچھ معلوم ہو ۔! پھر سید صاحب نے جیب سے کچھ رقم نکال کر اس کی طرف بڑھائی ۔

کیا میں آپ کا کچھ بھی نہیں ہوں ابا جان ؟ !" خالد اداس ہو گیا ۔

تم میرے بیٹے ہو ۔ مگر ۔ !" سید صاحب کچھ کہتے مگر اس نے بات کاٹ دی ۔

مگر سیفی کے برابر نہیں ہوں !" اس نے گلوگیر لہجے میں کہا :" مجھے ایسا کرنے کا کوئی حق حاصل نہیں ہے ۔ اچھی بات ہے ۔ لائیے ۔ دے دیجئے !"

بندہ خدا ۔ تم تو بات بات پر عورتوں کی طرح رونے بیٹھ جاتے ہو :"

سیفی الگ شرمندہ ہو گیا :" ابا جان ۔ آپ ہی منائیے اپنے روٹھے ہوئے بیٹے کو !"

پھر نہ سید صاحب نے اصرار کیا نہ سیفی نے۔ روبینہ دل ہی دل میں پھولی نہیں سما رہی تھی۔ خواہ مخواہ۔ اس کی کچھ رقم اس پر صرف ہوئی تھی۔ جیسے یہ اس کا حق ہی تھا۔! "سید صاحب نے الٹی خوشامد شروع کر دی تھی!۔ دونوں روبینہ کو ملنے آئے تھے!۔

وہ ان سے بہت مخلصانہ انداز میں ہاتھ ملا کر چلا گیا۔

روبینہ کو صبح ہی کو ڈسچارج کر دیا گیا تھا۔ دونوں اسے لے کر چلے گئے۔

○

ناہید کے دل میں آگ بھڑک رہی تھی!۔ لیکن لبوں پر تالے پڑے تھے۔ اس نے اب تک اپنے شوہر کی عزت بچائی تھی۔ صرف اس لئے کہ وہ اس کا شوہر تھا۔ اگر اس کی زبان بھی ہل جاتی تو۔۔۔ لیکن وہ اتنی بے شرمی بھی کیسے گوارہ کرتی۔ وہ اپنے آپ پھنکتی رہی۔ وہ لعنت ملامت۔ ڈانٹ پھٹکار۔ گھڑکیاں جھڑکیاں جو اس کی محبت میں اس کے شوہر پر پڑ رہی تھیں۔ وہ سب سنتی تھی! لیکن یکایک کرنل صاحب یوں بھڑک اٹھیں گے!۔ یہ تو اس نے اسی دن دیکھا تھا! وہ تو اس سے بے پناہ محبت کرتے تھے۔ اسے گلے لگاتے۔ اس کی پیشانی چومتے تھے!۔

اور پھر ایک طرف روبینہ کی یاس انگیز باتیں بھی اس کے دل میں گونج رہی تھیں۔ وہ تو اسے پوجتی تھی۔ اپنی زندگی دے کر اس کا سہاگ بخشا تھا لیکن اسکے باوجود تینوں اپنی اپنی جگہ مضطرب تھے۔ اسے اپنی زندگی بے کار لگ رہی تھی۔ اگر روبینہ درمیان سے ہٹ بھی جائے۔ تب بھی وہ اپنے شوہر کی محبت نہیں پا سکتی عمر بھر نہیں!۔ وہ تو یقیناً اپنی ہولناک دھمکی سچ کر دکھائے گا۔ کوئی اس کا کیا بگاڑ

لے گا ؟۔ اب تو وہ باپ کی عزت بنھا رہا تھا !!۔ اگر یہ حجاب بھی درمیان سے نکل جائے تو کیا ہو گا ؟!۔

پھر اس نے ایک فیصلہ کر لیا!۔

اور جب خالد آیا تو وہ پرسکون تھی ! اس نے ایک نظر اس پر ڈالی۔ یقیناً وہ اس سے جدا ہو کر نہیں رہ سکتی ۔ ؟ نہ کہ ہمیشہ کی جدائی ۔ ! ہولناک اور بھیانک! وہ اس سے الگ رہ ہی نہیں سکتی !۔

خالد خود بھی پشیمان تھا۔ سید صاحب کی طویل نصیحت کا اس پر بہت اثر ہوا تھا۔"

کیا سوچ رہی ہو۔ ناہید !" وہ اسے بغور دیکھ رہا تھا۔ ناہید چونک پڑی۔

کچھ نہیں" وہ مسکرائی ۔

یقیناً تم میری حیوانیت سے متاثر ہو" خالد نے کہا" لیکن مجھے اس دن غصہ آگیا تھا۔ میں بھی انسان ہوں۔ ڈیڈی اور آپا بی نے تو ایک بار مجھے مار پیٹا بھی تھا وہ بڑی بہن ہیں ۔ مار بھی سکتی ہیں ۔ لیکن یہ کیا۔ کہ ہر وقت کی بے جا کڑی سختیاں ۔۔ پابندیاں !۔ استغفراللہ"

دوسروں کا غصہ آپ مجھ پر کیوں اتارتے ہیں ۔

تمھارے سوا اور کون ہے میرا ۔ ؟!" بے ساختہ اس کے منہ سے نکل گیا۔

اچھا۔ آپ سوچنے لگے ایسا بھی ؟!" ناہید کی طنزیہ مسکراہٹ اسے کھل گئی۔ لیکن اس نے اپنے طیش پر تبسم کا مصنوعی پردہ ڈال دیا۔

"ایک وقت ضرور آئے گا جب میں تمھارا ہو جاؤں گا۔ لیکن پتہ نہیں وہ وقت کب آئے ۔ وہ میرے اختیار میں نہیں ہے !"

ایسا وقت کبھی نہیں آئے گا !" ناہید نے دبے ہوئے غصے سے کہا" اور نہ

میں آنے دوں گی۔ اگر اپنا دل اور نفس آپ کے بس میں ہے تو میرے بس میں بھی ہے!۔ آپ تو مجھے چھوڑ چکے۔ اب آپ میرے کون ہیں؟!" یہ کہتے کہتے اس کی آواز بھرّا گئی۔

"یہ تو بہت اچھی بات ہے" خالد ہنس دیا "ہم تم عمر بھر دوستوں کی طرح رہیں گے۔ ایک دوسرے کے دکھ سکھ کے ساتھی۔

لیکن پھر بھی ایک دوسرے کے کوئی نہیں!" ناہید جل کر بولی۔

بہت کچھ!" خالد نے ہنستے ہوئے کہا "خیر۔ اب آؤ۔ سو جائیں۔ بہت رات جا چکی ہے!" اس نے ہنس کر اس کا چہرہ اپنی طرف پھیرا۔ لیکن ناہید نے اس کا ہاتھ ہٹا دیا۔ اور بدستور بے رخی سے بولی۔

آپ جائیے۔ میں بھی سو ہی جاؤں گی!۔

کہاں جاؤں۔ مجھے تو تنہا ڈر لگتا ہے!" خالد نے قہقہہ لگایا۔ اور ناہید کو اپنی طرف سمیٹ لیا۔ اس کی مجبوریوں کا مذاق اڑایا گیا تھا۔ ناہید شکست کے احساس پر رو پڑی!!

جانے کیا وقت تھا جب گھٹی گھٹی آہوں اور سسکیوں کی آوازیں سن کر وہ جاگی۔۔۔ بجلی جلائی اور خالد کو کسی درد سے تڑپتے دیکھ کر بلبلا گئی۔

"کسی کو آواز دو۔ کسی کو پکارو۔ بہت تکلیف ہے۔ اُف۔ میں تو مر جاؤں گا۔!" وہ پھر دونوں ہاتھوں سے سینہ دبائے پٹی پر اوندھ گیا۔

ناہید ننگے پاؤں باہر بھاگی۔ یہ پہلی بار تھی اس نے اتنی بدحواسی سے کرنل صاحب کو جگایا تھا۔ وہ خالد سے بہت خفا تھے۔ بہت ناراض تھے۔ اس کا سامنا نہیں کرتے تھے۔ لیکن اب کہاں کی خفگی کہاں کی ناراضگی۔ ننگے پاؤں دوڑے آئے!

دم کے دم میں سارا گھر اسی کے اطراف اکٹھا ہو گیا۔

"بیٹا۔ کہاں درد ہے۔ کیا تکلیف ہے؟" کرنل صاحب خود بدحواس ہو رہے تھے۔ "سینے میں درد ہے۔ ڈیڈی۔ میں مر جاؤں گا!" درد کی شدت سے اس کی چیخیں نکل گئیں۔ ممی بے قراری سے دعائیں پڑھ پڑھ کر پھونک رہی تھیں۔ لیکن اسے سکون کہاں تھا۔ کرنل صاحب نے فوراً سیفی اور فیروز کو فون کیے۔ ساتھ میں کسی ڈاکٹر کے لانے کی تاکید بھی کر دی۔ اور پھر اس کے پاس آبیٹھے۔

"ڈیڈی۔ آپ سب کی دل آزاریوں کی قدرت مجھے سزا دے رہی ہے" اس کی بے چینی لمحہ بہ لمحہ بڑھتی گئی!! کرنل صاحب نے اس کا منہ بند کر دیا۔

پھر فیروز اور سیفی اپنے ساتھ دو ڈاکٹروں کو لئے ہوئے کمرے میں داخل ہوئے! ڈاکٹروں نے دیکھ بھال کر کسی سول سرجن کو بھی بلا لیا۔ تینوں نے معائنہ کیا۔ اور پھر غافل و بیہوش خالد پر ایک نظر ڈال کر رہ گئے۔ سب کے دم سینے سے نکلے ہوئے تھے۔۔!"

"انھیں فوراً اسپتال لے چلیے" سرجن احسان نے کہا "وقت کم ہے۔ ان کا دل ڈوب رہا ہے!۔ اسپتال میں طبی امداد پہونچائی جائے گی۔ میں جاتا ہوں۔ وہاں انتظام بھی کر دوں گا اور انتظار بھی۔ ایمبولنس بھیجے دیتا ہوں!۔

انھوں نے گھر ہی سے اسپتال کو ایمرجنسی آپریشن تیار کرلے کی ہدایت کی۔ اور ان سب کو فوراً آنے کی تاکید کرتے ہوئے ڈاکٹروں سمیت چلے گئے!۔

ان لوگوں کے ہاتھ پاؤں پھولے ہوئے تھے! پھر رات کی تاریکی اور سناٹے میں کمپاؤنڈ میں ایمبولنس کا ہارن گونج اٹھا۔

"ایمبولنس؟" سیفی تھرا گیا "میں ابا جان سے کہکر اپنی گاڑی منگواتا ہوں مجھے ایمبولنس سے وحشت ہوتی ہے!۔

پھر سید صاحب بھی کار سمیت آگئے!۔ وہ بھی سخت پریشان تھے۔ خالد سے

انھیں شدید محبت تھی۔ کرنل صاحب کا شانہ تھپکتے ہوئے بولے:

اسقدر نہ گھبراؤ۔ سلمان۔ ابھی ہوش آیا جاتا ہے!"

لے چلئے۔ جلدی کیجئے!" فیروز نے کہا: وہاں ہمارا انتظار ہو رہا ہوگا۔

کرنل صاحب کا دم خم رخصت ہو چکا تھا۔ وہ کچھ کہہ ہی نہ سکے! پھر سیفی اور فیروز ہی نے مل کر اسے اٹھایا۔ اور لئے چلے گئے!۔

پھر ان کے پیچھے بھی چلے گئے!۔

ایک وارڈ بوائے نے ان کی رہنمائی کی۔ پھر وہاں سیفی آگیا۔

"وہ ابھی تک بیہوش ہیں" اس نے کہا: آکسیجن دی جارہی ہے۔ اور گلوکوز چڑھایا جارہا ہے۔ اس کے بعد۔!

اس کے بعد۔؟" کرنل صاحب نے سانس روک کر پوچھا۔

اس کے بعد انھیں آپریشن کے لئے تھیٹر لے جایا جائے گا۔ پھر کل آپ لوگ ان سے مل سکے گا۔ آپ چلئے یہاں ٹھہرنے سے کیا فائدہ۔؟!" ناصرہ بھی تھی۔ یہ سن کر خاموش آنسوؤں سے رونے لگی۔

سینے کے درد کے لئے آپریشن کیا؟۔ بیٹا؟!" کرنل صاحب نے سراسیمہ ہو کر پوچھا:

شائد اندر کوئی ٹیومر یا کینسر ہے۔ ڈیڈی: سیفی نے کہا: سرجن یہی کہتے ہیں!"

اللہ رحم کرے!" امی ضعف جانی کے عالم میں وہیں فرش پر بیٹھی رہ گئیں۔

پھر ادھر فیروز بھی آگئے۔ اور دلدہی کی خاطر بولے۔

"ہمارے آنے سے پہلے ہی سرجن احسان نے سارا انتظام کر دیا تھا۔ انھوں نے اپنا بورڈ بھی بلوایا ہے۔ انھوں نے کہا ہے کہ موسیقی کی مسلسل ریاضت سے یا کسی اور وجہ سے ان کے سینے میں خون کا ٹیومر بن گیا ہے۔ جس میں درد ہوتا ہے۔ بس۔

اسی کا آپریشن کر دیا جائے گا اور وہ بالکل ٹھیک ہو جائیں گے!" پھر وہ اٹھتے ہوئے بولے: "چلو سیفی۔ ہمارا رہنا تو ضروری ہے۔" وہ سید صاحب کی طرف مڑے۔ "ابّا جان۔ آپ سب کو لے جائیے۔ یہاں ہم کافی ہیں"!

ابھی وہ وہاں سے مڑے نہیں تھے کہ انھوں نے دیکھا۔ ایک اسٹریچر بورڈ روم سے نکلا۔ اور نیم روشن برآمدے سے گزرنے لگا۔ اس کے دائیں بائیں نرسیں تھیں، اور پیچھے سرجن احسان اور ان کا بورڈ چل رہا تھا۔ مریض پر سفید چادر سر سے پیر تک ڈھکی ہوئی تھی!۔ انھیں یہ سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ اسٹریچر پر خالد ہی تھا۔ سیفی اور فیروز نے اپنے جوتے اتار دیئے اور اسٹریچر کے پیچھے دوڑ پڑے!"

اور بہلاتے سمجھاتے ان سب کو لے کر سید صاحب گھر واپس ہو گئے!۔

روبینہ کا خالی گھر بھائیں بھائیں کر رہا تھا! سید صاحب اور سیفی معہ الماس کے جا چکے تھے۔ اس نے ان کا انتظار کیا لیکن کوئی واپس نہیں آیا۔ تب وہ خود ہی گھر سے نکل گئی۔ تمام راستے نور و تاریکی کے امتزاج میں کھوئے ہوئے تھے۔ سڑکوں پر آمد و رفت شروع ہو چکی تھی۔ ٹیکسی اندھا دھند بھاگ رہی تھی!۔ اس کے پہونچتے پہونچتے صبح ہو گئی۔ سورج کی زرد اور اداس کرنیں اونچی اونچی بلڈنگوں اور بلند بام درختوں کو منور کر رہی تھیں۔ وہ بھاگتی بھاگتی لفٹ کے پاس آ کر رک گئی"۔

فلور نمبر۔ پلیز۔!" لفٹ مین نے اسے روک دیا۔

فلور نمبر۔؟!" روبینہ چونک میں آگے گرتی گرتی بچی!۔ اس کی سانسیں پھول رہی تھیں دل دھڑک رہا تھا۔ اس نے چکراتا ہوا سر دیوار سے ٹیک دیا۔

"یہاں رات کے تین بجے ایک مریض کا آپریشن کیا گیا ہے!۔ وہ ہانپتی ہوئی بولی۔

—— بہتیرے آتے ہیں ۔محترمہ !" لفٹ مین زیر لب مسکرایا : آپ پہلے فلور نمبر۔
اور وارڈ نمبر معلوم کیجئے۔ یوں آپ ان چھ منزلوں میں کہاں کہاں بھٹکتی پھریں گی ؟"
اس نے اسے انچارج کے پاس پہونچا دیا ۔ اس نے جلدی جلدی رجسٹر کے ورق الٹے اور پھر انکاری انداز میں سر ہلا دیا ۔

خالد حسن رضوی ۔ ؟ ؟ ! ۔ یہ نام ابھی رجسٹر نہیں کیا گیا ۔ کیا آپ کو یقین ہے وہ یہیں لائے گئے ہیں ! " اس نے الٹا سوال پوچھ لیا ۔

اور پھر روبینہ مایوس ، اسٹریچرز سے ٹکراتی ۔ نرسوں اور ڈاکٹروں کے دھکے کھاتی لفٹ کے پاس آ پہونچی ۔ لفٹ مین نے سوچا ۔ وہ ناکام واپس آئی ہے ۔ ! "

نہیں ہے ؟ ! " اس نے پوچھ ہی لیا ۔

روبینہ کی شکل دیکھ کر وہ متاثر ہو گیا : سنئے ! ۔ اگر آپ ، سیدھی آپریشن تھیٹر چلی جائیے تو بہتر ہے ۔ وہیں سے پوچھ لیجئے گا ۔ آپ کے دوسرے ساتھی تو ہوں گے وہاں ! "

مجھے لے چلئے ۔ میں آپ کا یہ احسان ۔ ! "

آئیے ۔ آپ کو پہونچا دوں ! " اس نے کہا پھر لفٹ مین نے بٹن دبا دیا ۔
اور لفٹ باد پا کی طرح سرسراتی اوپر چلی ۔ منزلوں پر منزلیں . . . . ہلکا سا غنودہ دبیدار شور و غل ۔ کسی خواب میں دیکھے ہوئے مناظر کی طرح ۔ ! پانچویں منزل پر لفٹ رک گئی ! ۔ اس نے اشارے سے روبینہ کو تھیٹر کی سمت بتا دی ۔ اور پھر آہستہ سے کہا ۔

" خدا آپ کو خوشخبری سنائے ! ! "

جب تک وہ اس کا شکریہ ادا کرتی ۔ لفٹ ہلکا سا شور پیدا کرتی بہت نیچے

چلی گئی!۔

روبینہ پلٹی اور اپنے سامنے نوید کو دیکھ کر زرد پڑ گئی!۔

"آپ یہاں کیسے ؟!" نوید نے پوچھا۔ اس کا چہرہ خشک تھا۔ سُتے ہوئے گالوں پر آنسوؤں کے نشان تھے!۔ آنکھیں اب بھی سرخ تھیں۔ جیسے روتا رہا ہو۔ "والدہ صاحبہ پر ہارٹ اٹیک ہوا تھا" نوید نے خود ہی کہا: "انھیں رات یہاں داخل کر لیا گیا تھا۔

روبینہ کی جان میں جان آئی۔

"اب کیسی ہیں؟" اس نے پوچھا۔

"اب ۔ ؟!" نوید نے نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا لیا: "ان کی لاش گھر لے جا رہا ہوں!"

روبینہ دھک سے رہ گئی۔ اس کا دل خود بھی یوں دھڑک رہا تھا۔ جیسے ابھی ابھی ختم ہو جائے گا۔

"کیا آپ یہاں میجر اقبال کو دیکھنے آئی ہیں؟!" دوبارہ پھر نوید نے پوچھا۔

"میجر اقبال ۔ ؟" روبینہ سراسیمہ ہو گئی: "انھیں کیا ہوا؟"

"کل دوپہر کو ان کا ایکسیڈنٹ ہو گیا تھا۔ رات کو آپریشن کر کے ان کی سیدھی ٹانگ جسم سے علیحدہ کر دی گئی۔ بچنے کی کوئی امید نہیں ہے!۔

یا خدا۔ روبینہ کے سارے جسم میں سنسنی پھیل گئی۔ حادثے۔ بیماریاں۔ موتیں۔ اے اللہ۔ تیری دنیا میں اس کے سوا کچھ اور بھی ہے ؟!۔

"آپ کو پتہ نہیں۔ رات ہی کو یہاں خالد صاحب کو بھی لایا گیا ہے۔ ان کے سینے کا آپریشن تھا!" روبینہ بہ دقت تمام بول سکی۔!

"آپریشن ۔ خالد کا ۔ ؟!" نوید دم بخود رہ گیا۔ پھر آگے بڑھتا ہوا بولا۔

"آیئے۔ آپ کو پہونچا دوں!"! اس نے دور ہی سے ہاتھ بڑھا کر تھیٹر دکھا دیا" اور بغیر کچھ کہے سنے رخصت ہو گیا!! ۔ وہاں سناٹا پڑا تھا۔ آس پاس دو ایک ہیڈ میل تھے اور بس۔

اسے دیکھ کر ایک ہیڈ میل اس کے پاس آیا!۔ اس کی آنکھوں میں استفار تھا"!

خالد صاحب۔!" وہ صرف یہی کہہ سکی!۔

"جی۔ ان کا سپیشل وارڈ سامنے ہی ہے۔ لیکن معاف فرمایئے گا۔ نہ کسی کو دیکھنے کی اجازت دی گئی ہے نہ ملنے کی!۔ مجھے افسوس ہے!"

روبینہ پاتال میں اترنے لگی "لیکن . . . . وہ اچھے تو ہیں نا۔ آپریشن خطرناک تو نہیں تھا؟"

جی۔ جی ہاں۔ سب ٹھیک ہے!" اس نے کچھ خشک سا جواب دے دیا۔

روبینہ بوجھل قدموں سے واپس مڑی۔ اب وہ ہر احساس سے عاری ہو چکی تھی۔ جیسے خواب میں چل رہی ہو!۔ سامنے ہی سے حواس باختہ اور پاگل سی ناہید آرہی تھی!۔ وہ روبینہ کو دیکھ کر رکی جھجکی۔! روبینہ بھی جہاں کی تہاں رہ گئی!۔

بینا۔!" ناہید سسکی۔

نمی۔!" روبینہ جھپٹی —— اور دونوں روتی ہوئی لپٹ گئیں!!

○

چوتھے دن انھیں فیروز کا فون ملا۔ پل پل کی خبریں کرنل صاحب کو فون ہی پر ملتی تھیں!۔ انھیں نہ دیکھنے کی اجازت ملی تھی دروازے پر ہی ڈاکٹر نے

انھیں تنبیہ کی۔ اکسی کے چہرے پر بھی کرب یا تکلیف کی کوئی علامت نہ ہو۔ نہ کوئی ایسی بات کی جائے جس سے مریض کے قلب ودماغ پر ناگوار اثر پڑے۔ پھر اس نے حکم دیا کہ چہرے متبسم بنائے جائیں۔ ان سب کو اپنے پژمردہ چہروں پر بناوٹی مسکراہٹ طاری کرنی پڑی۔ ہنستے ہنستے رونا آسان ہے۔ لیکن روتے روتے ہنسنا بہت مشکل ہے!

دھڑکتے دل اور لرزتے قدموں سے وہ اندر داخل ہوئے!۔ سامنے ہی اپنے سفید بستر پر خالد لیٹا ہوا تھا۔ سینے پر پٹیاں کسی ہوئی تھیں۔ چہرے پر دکھوں کے نشانے تھے۔ ہونٹوں پر پپڑیاں بندھی ہوئی تھیں!۔ اگر وہ ہلکی ہلکی سانسیں نہ لے رہا ہوتا تو اسے زندہ سمجھنا مشکل تھا!۔

کرنل احسان اس کے سرہانے چارٹ میں کوئی تبدیلی کر رہے تھے۔ انھوں نے تادیبی نگاہ سب پر ڈالی۔ اور مریض پر جھکے۔ انھوں نے اپنا ہاتھ آہستہ سے اس کی پیشانی پر رکھا۔ اور اس نے آنکھیں کھول دیں!!۔

کرنل صاحب تو بہت پہلے ہی ہمت ہار چکے تھے!۔ ایک طویل نظر اپنے بیمار بیٹے پر ڈالی۔ اور چپ چاپ پیچھے ہٹ گئے!۔

بیگم صاحبہ کو اندیشہ تھا۔ وہ خود کو سنبھال نہ سکیں گی۔ ان کے منہ سے کوئی آواز ہی نہیں نکلی۔ البتہ انھیں دیکھ کر خالد کے ہونٹوں پر ایک مضمحل مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس کی چکراتی ہوئی نگاہیں ناہید کے بھولے بھالے پریشان چہرے پر رکیں۔ اور اس نے کسی تکلیف سے اپنا ہونٹ دانتوں میں جکڑ لیا۔

"میرے بچے۔ اب کیا جی ہے؟!" ممی نے بڑی مشکل سے آنسو ضبط کئے۔

"کہیئے۔ مسٹر خالد" سرجن احسان نے اس پر جھک کر کہا "جواب دیجئے۔ آپ خود کو کیا محسوس کر رہے ہیں؟!"

اب تو کسی بات کی تکلیف نہیں ہے:" اس کی آواز ڈوبی ہوئی تھی:" مگر مجھے میرا سینہ خالی خالی ۔ لگ رہا ہے۔ کیا اس میں سے ۔ کوئی چیز ۔ دل ۔ جگر نکال ڈالا ۔ ؟"

ہاہا ۔" سرجن احسان نے قہقہہ لگایا:" دات اے انٹرسٹنگ جوک! (کتنا دلچسپ نذاق) ہاؤ یو آر ڈینگ ودھ آؤٹ ہارٹ مسٹر خالد ——— (دل کے بغیر آپ زندہ کیسے ہیں مسٹر خالد) ؟!" وہ جی کھول کر ہنسے:" آپ مطمئن رہئیے۔ آپ کا دل اور جگر اپنے اپنے مقام پر ہے۔ صرف وہی کینسر آپ کے سینے سے نکال دیا گیا۔ جو آپ کی تکلیف کا باعث تھا! ۔ اب آپ ٹھیک ہو جائیں گے ۔ لیکن آئندہ سے گانا بجانا۔ سوچنا اور کڑھنا بالکل بند۔ سمجھ گئے آپ ؟ ؟! ۔

میرا علاج ۔ زہر کا ایک ۔ انجکشن بھی تھا ۔!" خالد کی آنکھوں میں نمی تیر گئی سرجن احسان فوراً ڈاکٹر کی طرف مڑے:" انجکشن فار فل سلیپ (خواب آور انجکشن) ہری اپ !" اور ڈاکٹر نے آناً فاناً تیار شدہ سرنج اس کے بازو میں گھونپ دی ۔ ! رفتہ رفتہ اس پر غنودگی طاری ہو گئی ۔ اور وہ بے خبر سو گیا ۔ !!

آپ نے دیکھ لیا۔" سرجن احسان نے کہا:" براہِ کرم تشریف لے جائیے۔ پھر وہ آہن دل کرنل سلمان کی ضعیف آنکھوں میں آنسو دیکھ کر متاثر ہو گئے:" ہمت کیجئے ۔ کرنل صاحب ! ۔ ۔ ۔ ۔ اتنے مایوس ہیں آپ ۔ ۔ ۔ لائف از اے رسک فار ڈیتھ (زندگی موت کا خطرہ ہوتی ہے) ! ۔ لیکن خالد صاحب ٹھیک ہو جائیں گے ! ۔ آئی ہوپ اینڈ پرامس فار دِس (مجھے امید ہے اور میں وعدہ کرتا ہوں) !! ۔ آئیے چلیں !!"

ان سب کے جانے کے بعد سرجن احسان ڈاکٹر کی طرف مڑے:" اب اس لڑکی کو لے آؤ ۔ جو بہت دیر سے میرے ریسٹ روم میں بیٹھی انھیں دیکھنے کی منتظر ہے!!"

ڈاکٹر کے ساتھ روبینہ نے وارڈ میں قدم رکھے۔ سوئے ہوئے خالد پر ایک گہری نگاہ ڈالی۔ اور پھر چپکے سے آگے بڑھکر اس کے پلنگ کے پاس گھٹنے ٹیک دیئے۔ اس کی پھیلی ہوئی ہتھیلی پر آنسوؤں بھری آنکھوں سے بوسہ دیا!!۔ اس کے بعد وہ جیسے آئی تھی ویسے ہی لوٹ گئی!!۔

پھر ڈاکٹر نے دروازہ بند کردیا اور سٹول پر جم گیا۔

رفتہ رفتہ وہ اس قابل ہو سکا۔ کہ اس سے بات چیت کی جا سکے۔ اسے تو ویسے ہی سب کی بے چینیوں کی خبر تھی!۔ ایک بدنصیب اور تھی۔ جو صبح و شام مرتی تھی۔ جیتی تھی۔ وہ تھی نا امید۔ اسے کسی نے اتنی اجازت ہی نہیں دی تھی کہ وہ اسے دیکھے اور بے ضبط ہو جائے۔ ڈاکٹر ہی کے ہمراہ آتی۔ اور اسے دیکھ کر ڈاکٹر ہی کے ساتھ چلی جاتی!۔

ہفتہ ڈیڑھ ہفتہ کی جانگسل تکلیف سہنے کے بعد اس کے زخم مندمل ہوئے!۔ زخموں کے ٹانکے ٹوٹے!۔ اور وہ خطرے سے باہر ہوا۔ لیکن نقل و حرکت سے اب بھی مجبور تھا!۔

سرجن احسان اور دوسرے معالج متعجب تھے۔ وہ عجیب و غریب مریض تھا جسے اپنی صحت کی کوئی خوشی نہیں تھی!۔ وہ مرجانا چاہتا تھا۔ اکثر اسے پرنم دیکھ کر سخت دل معالجوں کے دل بھی پسیج گئے تھے۔ جیسے جیسے وہ رو بہ صحت (صحت مند) ہوتا گیا۔ اس پر گہری خاموشی چھاتی گئی!۔ اور پھر ایسا ہی معلوم ہونے لگا جیسے اس کا نطق ہی سلب ہو گیا ہو!۔

ایک اور ہستی تھی۔ جو آہستہ آہستہ زندگی سے موت کی طرف بڑھ رہی تھی۔ جسے اس عرصہ میں اپنی نامرادی کا اچھی طرح یقین ہو چکا تھا!۔ محبت کی بیقراری ہی کچھ اور ہوتی ہے!۔ جو زخم خالد کے سینے پر تھے۔ ویسے ہی گھاؤ روبینہ درنامید

کے سینے پر بھی تھے لیکن ان زخموں سے گہرے اور کہیں زیادہ ہولناک۔ رستے ہوئے ناسور۔ ناہید عجیب سی کشمکش سے گزر رہی تھی اور تقریباً گزر چکی تھی۔ اس کے لیے زندہ رہنا مشکل تھا اور مرنا دشوار۔ نہ جسے جیتے جی پا سکے۔ نہ مر کر پا سکے!۔" اس کی محرومی نصیبی مسلم تھی!۔ اس مدت میں اس نے اپنے شوہر کی عفو طلب آنکھوں میں ندامت اور پشیمانی بھی دیکھی تھی جیسے اسے اپنی بے دردیوں کا خوب اچھی طرح احساس تھا!!۔

پھر ایک اور ہی بات ہو گئی۔ میجر اقبال قدرے صحت مند ہو کر اسپتال سے چلے گئے!۔ ان کی تو دنیا ہی برباد ہو گئی تھی۔ اکثر وقت سید صاحب اور سیفی تذکرہ کر رہے تھے۔ انھیں واقعی قلق تھا۔ الماس بھی!۔ جو بڑی بے کسی اور بے بسی سے ان سے ملے تھے!۔ اور اعتراف کیا تھا کہ قدرت نے انھیں کسی دل آزاری کی سزا دی تھی۔! اور پھر یہ بھی التجا کی تھی کہ روبینہ کا پیغام مسترد کر دیا جائے۔ وہ اتنے سنگدل بھی نہیں کہ اس حالت میں ایک لڑکی کی زندگی برباد کریں!۔

ان سے شادی کرنا تو ثواب کا کام ہے!۔" روبینہ نے الماس سے کہا: ایسے مجبوروں پر ترس کھانا چاہیئے!!۔

کون بے چارے سے شادی کرے گی۔۔۔۔" الماس نے کہا۔ لیکن اس نے جواب میں جو کچھ سنا تھا وہ اسے حیرت زدہ کرنے کو کافی تھا!۔

ایک بار میجر صاحب نے اپنا پیغام دیا تھا۔" روبینہ نے کہا: "ابا جان سے کہو۔ منظور کر لیں۔ وہ تو خود میجر صاحب نے واپس لے لیا۔ روبی!" الماس ہکا بکا رہ گئی۔"

ان سے کہو کہ میں راضی ہوں۔۔۔۔ میں ان کے لئے ایثار کروں گی۔ میری زندگی انہی کے کام آئے۔"

روبینہ۔ ایسا مذاق مت کرو۔ کہیں سچ نہ ہو جائے!۔

میں مذاق نہیں کرتی " روبینہ نے سرد لہجے میں کہا " تم نہیں کہو گی۔ میں خود میجر صاحب سے کہدوں گی!۔

پھر سید صاحب اور سیفی نے بھی سنا۔ اور بات پھیل گئی!۔

محبت جسم سے نہیں۔ روح سے کی جاتی ہے!" روبینہ نے ایک دن اپنا عندیہ ناہید پر بھی ظاہر کر دیا۔

کچھ تو اس کی تسکین ہوتی۔ اب ناہید کی راہ کا ایک کانٹا درمیان سے نکل رہا ہے!"

اور یوں روبینہ نے سوچا۔ اب مکمل طور پر خالد کو بھی اس سے نفرت ہو جائے گی خود بخود برگشتہ ہو کر ناہید کی طرف متوجہ ہو گا۔ یوں اس کے اپنے دل پر جو بھی گزرے گزر جائے!۔ وہ ناہید اور خالد کی زندگیوں سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے نکل جائے گی!

بالآخر اس نے اپنے لئے راہِ فرار ڈھونڈ ہی لی!!۔

الماس ہی کے ذریعہ کرنل صاحب کے گھر میں بھی تھوڑے بہت چرچے ہوئے! اور کرنل صاحب روبینہ کی محبت میں سید صاحب کے پاس دوڑے آئے! لیکن ایک انکار۔ ہزار انکار۔ روبینہ کوئی تاویل سننے کو تیار نہیں ہوئی!۔ کرنل صاحب کے گلے سے لگ گئی اور التجا کی۔ اسے اس کے حال پر چھوڑ دیا جائے!!۔

آج کل کی نسل ہی کچھ ضدی واقع ہوئی ہے۔ معاذ" کرنل صاحب نے کہا تھا" مجھے دیکھو۔ میں بھی تو ضد ہی کا خمیازہ بھگت رہا ہوں!۔

یہ ایک ایسا موڑ تھا جس نے تھوڑی دیر کے لئے ہی سہی۔ ناہید کو بھی زندگی کی طرف موڑ دیا! اس کی بجھتی ہوئی تمنائیں گل ہونے والے چراغ کی طرح یکبارگی بھڑک اٹھیں۔ روبینہ تو اپنی مرضی سے شادی کر رہی ہے!۔ پھر ناہید کی

زندگی میں بھی بہار آجائے گی!۔

پھر ناہید کو بری طرح مسرور دیکھ کر خالد بھی مسکرایا۔ اوپری دل ہی سے سہی!

میں آج بہت خوش ہوں!" اس نے خالد کے پاس بیٹھتے ہوئے کہا۔

اچھا۔!" اس نے کہا۔ اور خاموش ہوگیا۔

انجکشن پلیز۔!" ڈاکٹر نے دخل دیا اور ناہید کی بات رہ گئی!۔

اب آپ اٹھ کر ٹہل سکتے ہیں۔ خالد صاحب!" اس نے دھوپ کے رخ پر سرینج دیکھتے ہوئے کہا" اور آنے والے منڈے کو آپ یقیناً ڈسچارج کر دیئے جائیں گے۔!"

شکریہ!" پھر مختصر سا اظہار احساس اور خاموشی۔

ڈاکٹر نے اسے انجکشن دیتے ہوئے ہنس کر کہا" بیگم خالد کی خاموش دعاؤں نے آپ کو دوبارہ زندگی بخشی ہے!"

خاموش دعائیں!؟" خالد نے ہولے سے مسکرا کر ناہید کو دیکھا۔

ہاں! پھر اس کے سوا وہ اور کیا کرتیں؟!" ڈاکٹر نے کہا اور سر کے اشارے سے اسے سلام کرتا ہوا وارڈ سے نکل گیا!۔

پھر وہ کیا کرتیں۔؟!" گھپ اندھیرے میں یکایک بجلی سی تڑپ گئی۔!۔

پھر وہ کیا کرتیں۔؟!" بے چین ہوکر ناہید نے سوچا۔

پھر وہ کیا کرتیں۔ کوئی ناہید کے ذہن میں بیٹھا چلا رہا تھا۔ روبینہ پھر اور کیا کرتی۔ اور کون سی راہ تھی۔ ناہید کے دماغ میں بگولے اٹھ رہے تھے!۔ یہ آخری قربانی۔ جسم کی بھی اور روح کی بھی؟!۔ کیا وہ بالکل تباہ ہوجائے گی۔ اتنی پیاری لڑکی۔ کیا وہ صرف میجر کے لئے ہی بنی ہے؟!۔

اور یکبیک شمیم کی آواز خالد کے ذہن میں گونج اٹھی تھی!۔

"ہذیان میں یہی کہتی تھیں۔ بتائیے اس کے سوا میں کیا کرتی ؟!"

دونوں کسی گہری فکر میں ڈوب گئے تھے ؟!۔

ہم سب مجبور ہیں ؟۔ کوئی محبت کے لیئے۔ کوئی نفرت کے لیئے۔ کوئی زبردستی جینے کے لیئے۔ کوئی جیتے جی زہر پینے کے لیئے !!۔

واہ رے انسان۔ واہ ری زندگی۔ ایک بیک گھنٹے نے پانچ بجائے اور دونوں چونک پڑے۔

"ہاں۔ ناہید !۔ تم نے کہا نہیں" خالد نے ٹھنڈی سانس لے کر پوچھا "تم خوش کیوں ہو ؟" آنسوؤں کے ہجوم میں ڈوب کر اسے مسکرانا پڑا "آپ اچھے ہو گئے۔ کیا یہ خوشی کی بات نہیں ہے !"

باعث شرم وننگ ہے !" خالد نے اپنے تکلیف دہ خیالات سے مغلوب ہو کر کہا "کاش میں مر جاتا۔ مر سکتا !۔ یہ بے مقصد زندگی جس میں دل آزاریوں دکھوں، پریشانیوں کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ ختم ہو جاتی !۔ خدا مجھے موت کیوں نہیں دیتا !؟۔"

ناہید نے کانپتے ہاتھوں سے اس کا منھ بند کر دیا۔ خالد کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے "میں نے کسی کو کچھ نہیں دیا" اس نے ناہید کا ہاتھ تھام کر اپنی آنکھوں سے لگا لیا "اپنے ماں باپ کو ستایا دکھ دیا۔ بہنوں کے آنسوؤں کا سبب بنا" تمھیں جلایا تنگ کیا۔ وہ سب کچھ کہا۔ جو مجھے کبھی اور کسی حال میں نہیں کہنا چاہیئے تھا !۔ اس کا بدلہ مجھے کیوں نہیں ملا۔ میں مر کیوں نہ گیا !"

خدا کے لئے یوں نہ رو دیئے" ناہید الگ بے چین ہو گئی "نہ رو دیئے۔ یا اللہ۔ میں کیا کروں ؟!"

بڑی دیر بعد وہ سنبھل سکا۔ اور ناہید نے باتوں کا رخ موڑ دیا۔

"جب آپ اچھے ہو کر گھر جایئے گا تو میں آپ کو ایک بہت اچھا سا تحفہ دوں گی ۔!"

اچھا ؟" وہ مسکرایا : میں بھی تمھیں ایک تحفہ دوں گا ۔ ۔ ۔ لیکن وہ تمھارے تحفے کی طرح حسین تو نہیں ہو گا ۔

کیا دیجئے گا !"

خالد کے چہرے پر ہلکی سی سرخی چھا گئی ۔ اس نے ناہید کا ہاتھ اپنے ہونٹوں سے لگاتے ہوئے کہا ۔

"اپنے آپ کو !"

ناہید کا چہرہ پھیکا پڑ گیا ۔ اس کی پلکیں جھک گئیں ! ۔ دل ڈوبنے لگا !

"تم تو شرما گئیں ۔ نمی !" اس نے پہلی بار اسے پیار سے مخاطب کیا تھا ۔

اتنی محبت نہ دیجئے ۔ جو سہار نہ سکوں !" ناہید نے اس کے ہاتھوں سے اپنا ہاتھ چھڑا لیا ۔ اور اٹھ کر چلی گئی ۔ ٹھیک اسی وقت ڈاکٹر لائٹ ہیٹ (ہلکی گرمی) پہونچانے آ گیا ۔

بہنیں بہت دردمند ہوتی ہیں" اس نے تذکرۃً کہا : اب تو آپ ٹھیک ہیں خالد صاحب ! پھر آپ کی بہن رو کیوں رہی تھیں ؟ !

بہن ؟ !" خالد نے حیرت سے کہا : آج تو میری کوئی بہن نہیں آئی !

یہ جو ابھی گئی ہیں ۔ آپ کی بہن نہیں ہیں ؟ ! ۔

نہیں ۔ ڈاکٹر ۔ وہ میری بیوی ہے ۔ ناہید ! ۔

"بیوی ۔ ؟" ڈاکٹر کسی سوچ میں گم ہو گیا : اور وہ ۔ جو ناغہ روز آتی ہیں آپ کے لئے پھل اور پھول لئے ہوئے ۔ جن کی ہدایت ہے ۔ کہ جب آپ سوتے ہو اکریں تبھی انھیں آپ کو دکھایا جائے ۔ اس مقصد کے لئے انھیں گھنٹوں

سرجن کے ریسٹ روم میں انتظار کرنا پڑتا ہے۔ پھر جب آپ سو جاتے ہیں۔ وہ دروازے ہی سے آپ کو دیکھ کر چلی جاتی ہیں۔ وہ آپ کی کون ہیں ؟؟!۔"

میری سب کچھ۔ جذبات کی حدت سے اس کا چہرہ سنولا گیا۔

ڈاکٹر۔ کیا وہ بہت حسین ہیں ؟!"

ہاں۔ خالد صاحب.... " ڈاکٹر نے قدرے جھینپ کر دائر وغیرہ سمیٹتے ہوئے کہا" کم از کم اپنی عمر میں تو میں نے ایسی حسین شکل کہیں نہیں دیکھی !"

روبینہ ۔ ؟۔ کہیں پھر نا معلوم سے ساز گونج اٹھے۔ خوابوں خیالوں کا ایک ہرا بھرا چمنستان تھا۔ جہاں وہ ماضی کے خوش رنگ پھول چننے پہونچ گیا۔؟!۔

اپنے آپ سے بے خبر سا۔ روبینہ ؟۔ کیا اس کی بناوٹی نفرت۔ پھر محبت سے بدل گئی۔ کیا اسے موت کے دروازے پر دیکھ کر اس کے دل سے پیار کا چشمہ پھوٹ نکلا؟!

رات کے بارہ بجے سرجن احسان آخری راؤنڈ کے لئے آئے۔ اور بڑی شفقت سے ہنس کر اس کے رخسار پر تھپکی دی۔ !" اب آپ خود کو کیسا محسوس کر رہے ہیں ؟!"

اس نے بڑی لجاجت سے کہا" سرجن !۔ کیا ایسا نہیں ہو سکتا !۔ میں چند روز اور اچھا نہ ہوں۔ ابھی میں گھر جانا نہیں چاہتا !۔

" نانسنس۔ ربش !" سرجن احسان نے ہونٹ سکوڑ لئے" واٹ اے فولش ڈیزایر !"

" آئی وش گڈ لک ٹو یو۔ پرنس چارمنگ !!"

اور پھر اس کی شب و روز کی نیندیں ہی اڑ گئیں !۔

لیکن دوبارہ روبینہ نہیں آئی !!۔

○

وہ تو جشنِ سیمیں تھا۔ جو کرنل صاحب نے منایا۔ روپیہ پانی کی طرح بہہ رہا تھا۔ خوشیوں بھرے شادیانے تھے۔ جنھیں اپنی دعاؤں کی قبولیت میں شبہہ تھا۔ وہ یوں سر بسجود تھے۔ جیسے انھیں سب کچھ مل چکا ہو!!۔

کرنل صاحب کی شاندار کوٹھی میں چراغاں کیا گیا تھا!۔ جدھر نظر اٹھتی۔ رنگ برنگی روشنیوں سے خیرہ ہو جاتی!۔ ان گنت مہمان آچکے تھے!۔ اور ان گنت چلے آرہے تھے!۔

اندر بھی قہقہوں چہچہوں کا ہجوم تھا!!۔

آج تو ہم خالد بھائی سے ایک حسین نغمہ ضرور سنیں گے!" کلا بولی۔

لیکن وہ تو ان کے لئے ممنوع کر دیا گیا۔!" الماس نے کہا۔

تو پھر ساز و نغمہ کی آواز بند ہے!؟" کسی اور نے پوچھا۔

ان کی ساری آوازیں ناہید آپی کے لئے وقف ہو گئیں!" کوئی اور بولی۔

ساز اور آواز ـــ صرف بے جان آلات کی۔ وہ مضراب کہاں جس سے سازِ دل گونج اٹھتا ہے!۔ ناہید نے سوچا۔

خالد بھائی کو بلاؤ نا۔ ہم بھی ملیں گے!" ناز نے فرمائش کی۔ وہ باہر اپنے مہمانوں میں گھرا ان کی تقدیم کر رہا تھا!۔ کسی نامعلوم احساس نے اس خوشی کے موقعہ پر بھی اسے افسردہ اور خاموش کر رکھا تھا۔ لیکن اخلاقاً اور مروتاً اسے ہنسنا پڑ رہا تھا!۔ آس پاس اس کے دوست بھی تھے!۔ سب کے سب قہقہہ

برلب!"

لیکن جب اسے اندر طلب کیا گیا۔ وہ چپ چاپ چلا گیا۔ باہر کے شور سے دل بھی گھبرا گیا تھا!۔

خالد بھائی۔ مبارک!" ناز بولی۔

شکریہ!" اس نے کہا۔ اور لڑکیوں کے ہجوم میں گھرا کھڑا رہ گیا۔

خالد بھائی" سیمیں بولی" کچھ تو کہیئے کہ لوگ کہتے ہیں؛ آج خالد غزل سرا نہ ہوا۔ نغمہ و ساز کا گلا گھونٹ دیا گیا۔ بہن!" اس نے کہا" ورنہ میں نے آج تک کسی کی فرمائش کبھی نہیں ٹالی۔ اور۔ یوں بھی تم نے سنا نہیں ؎

"WE LOOK BEFORE OUR AFTER.

AUR PAIN FOR WHAT.

OUR SWEETEST SONGS ARE THOSE

THAT TELL OF OUR SADDEST THOUGHTS!"

خیر۔ لیجئے صحت کی خوشی میں میرے ہاتھ سے کھا لیجئے۔!" سیمیں نے ہنستے ہوئے کہا۔ اور اس کے لبوں میں مٹھائی کی ننھی سی ڈلی رکھ دی۔!

اتنی عظیم خوشی کے موقعہ پر روبینہ نہیں آئی۔ افسوس۔ کتنی بے مروّت نکلی۔!" دفعتہً شبنم نے کہا۔

ارے! وہ تو پاگل ہو گئی ہے" الماس نے متاسفانہ لہجے میں کہا" بے وجہ ہنستی ہے۔ بے مقصد روتی ہے!۔ میں تو حیران ہوں شبنم!۔ اچھے اچھوں کو چھوڑ کر اس نے میجر صاحب کو پسند کر لیا۔

ہاں جب تندرست تھے تو ٹھکرا دیئے گئے" سیمیں نے کہا" لنگڑے ہوئے تو

پسند آگئے۔ پسند اپنی اپنی!" وہ ہنس کر رہ گئی۔!

"کیوپڈ اور سائیکی کی داستان۔!" ناز نے ہلکا سا قہقہہ لگایا۔

"تف ہے۔ اس کی پسند پہ" سیمیں نے چمک کر کہا: "ارے! میں نے کتنا سمجھایا مگر وہی مرغ کی ایک ٹانگ۔ بے چارہ محروم و مایوس ہے!۔ اس کے لئے ایثار کرے گی!؟

پھر وہ سب ہنستی ہوئی منتشر ہونے لگیں!۔

"کیا اس کی بھی نوبت آگئی؟" خالد کا سر چکرا گیا۔

"کیا روبینہ اتنی بڑی قربانی کرے گی؟۔ اف فوہ۔ یہ میں نے کیا سن لیا۔ کیا میں یہی سننے کے لئے یہاں آیا تھا؟"

ناہید اور الماس کچھ کہہ رہی تھیں۔ ان کے ہونٹ ہل رہے تھے! لیکن اس کے کانوں میں ہواؤں کا شور گونج رہا تھا۔ اس کے دل کی رگیں کھنچنے لگیں!۔ آنکھوں کے گرد تاریکی کے مرغولے ناچنے لگے! کمرہ ڈولنے لگا۔ لڑکیاں دور ہٹنے لگیں ناہید اور الماس قلا بازیاں سی کھاتی نظر آرہی تھیں۔ اور خود خالد کبھی چھت پر پہونچ جاتا۔ کبھی فرش پر آرہتا!۔

"آخر۔ میں چاہتا کیا ہوں!۔ میں اسے کیونکر بچا سکوں گا؟" وہ سوچنے لگا لیکن سوچ نہ سکا۔ لڑکھڑایا۔ اور دیوار سے ٹک گیا۔ اگر اس نے کارنس کا سہارا نہ لیا ہوتا تو گر ہی پڑتا!۔

"کیا ہو رہا ہے آپ کو۔!" ناہید جھپٹ کر قریب آئی۔

"مجھے میرے کمرے میں پہونچا دو۔ الماس۔ ناہید۔ جلدی کرو۔ مجھے کچھ ہو رہا ہے!"

اس نے دونوں کے ہاتھ جکڑ لئے!۔"

دونوں نے اسے وہیں لٹا دیا۔ جلدی جلدی مرصع شیروانی اتاری۔ اور قمیض کے بٹن کھول دیئے!۔ الماس نے برقی پنکھا چلا دیا۔ اور آواز دے کر بڑوں کو بھی بلا لیا۔

بیٹا۔ ابھی تم ٹھیک سے صحت مند نہیں ہوتے۔ مکمل آرام کرو۔!" کرنل صاحب اور بیگم صاحبہ ازسرِ نو دہل گئے تھے!۔

آرام۔ کاش! عمر بھر کا آرام نصیب ہو جاتا!" اس نے کہنی آنکھوں پر ڈھک لی!"

پھر سب ایک ایک کر کے کمرے سے نکل گئے! اور ناہید اس کے پاس آ بیٹھی وہ تقریباً سب ہی سمجھ چکی تھی!۔ اسے اپنے قریب دیکھ کر پھر خالد کو کچھ یاد آگیا اور یکایک اس کی پیشانی پر پسینے کی ننھی ننھی بوندیں پھوٹ پڑیں!۔

کسی سے کوئی وعدہ کرنا اور اسے ایفا کرنا کتنا کٹھن ہے!۔

اس نے نظر بھر کر ناہید کو دیکھا بھی نہ گیا۔ جو اس موقعہ پر عروسی لباس میں ملبوس اور ہیرے موتیوں میں غرق تھی!!۔

اس کے سہارے وہ اپنے کمرے میں آگیا۔ اور ناہید پھر واپس پلٹی۔

ناہید" اس نے بھرائی ہوئی آواز میں پکارا" میرے پاس آؤ۔ اس کے قدم من من بھر کے ہو گئے۔ نہ بھاگا گیا نہ ٹھہرا گیا۔ جہاں کی تہاں رک گئی۔

"سنو۔ ناہید۔ . . . ! قریب تو آؤ!۔ کہاں جا رہی ہو؟!

وہ جب بھی نہ پلٹی تو وہ خود اٹھ کر اس کے پاس چلا آیا۔!!۔ اور جیسے ہی اس کی باہنہ پکڑی۔ ناہید کا ہمد موم کی طرح پگھلنے لگا۔ نہیں نہیں!۔ وہ اتنی کمزور تو نہیں ہے۔ شاید موسم کی دلکشی نے خالد کو بے صبر بنا دیا تھا!۔ کمرے کے سامنے چھت پر روپہلی چاندنی چھٹکی ہوئی تھی۔ کھلے آسمان پر چودھویں

کا چاند جگ مگ کر رہا تھا!۔ ہوائیں سرسرا رہی تھیں۔ اور نازک سے ستون پر گلِ چاندنی کھلے تھے!!

مجھے جانے دیجئے!" خالد کی گرفت تنگ ہو گئی اور اسی وقت ناہید اس کے بازو پر سر رکھ کر رونے لگی!۔

اچھا۔ ناہید۔ جیسی تمہاری مرضی۔ جاؤ! اگر دوست!" اس نے ہولے سے اس کے معطّر بالوں پر بوسہ دیا اور اسے چھوڑ کر مڑ گیا!۔

اور رات کے تقریباً دس بجے ناہید کو اپنے ہاں دیکھ کر روبینہ دنگ رہ گئی۔ "اتنی غیر تو نہیں ہو بیٹا۔ کہ آج کے جشن میں آ بھی نہ سکیں۔!" ناہید نے کہا: روبینہ گم صم ہو گئی۔ یہ کتنی پاگل ہے؟۔ جان لیوا بھولپن۔

اتنی نفرت تو نہیں ہو گی خالد صاحب سے" ناہید مسکرائی" آج تو دوست دشمن سبھی امنڈ پڑے تھے۔ ایک نہیں آئیں تو تم ہی نہیں آئیں۔ شادی میں بھی یوں ہی بھاگ گئی تھیں۔ آخر بات کیا ہے؟!۔

کوئی بات نہیں ہے۔ نمی! سر میں درد تھا!"

جب ڈیرہ دون گئی ہو۔ تب بھی سر میں درد تھا؟!" ناہید ہنسنے لگی!۔

نہیں۔ نہیں۔ نمی۔ ... جب دل میں درد تھا!" روبینہ کے منہ سے نکل گیا:

اچھا بھئی۔ آج تو نہیں معاف کر دیا۔ لیکن کل تو آؤ گی نا؟۔

کل۔ کل کیا ہے؟۔

ایک خاص جشن ہے! جس میں خالد صاحب ہوں گے۔ میں اور تم۔ بس۔!"

روبینہ بے اعتباری سے ہنسنے لگی!۔ ..."

خالد صاحب سے پردہ تو نہیں کرتیں۔ وہ تو تمھارے استاد رہ چکے ہیں!"
ناہید کھلکھلا کر ہنس دی۔ !۔ روبینہ ایسے سناٹے میں رہ گئی کہ اسے جواب بھی دینا نہ آیا۔!: پھر ناہید نے باتوں کا رخ موڑ دیا۔

بینا۔ میں نے سنا ہے۔ تم اقبال صاحب سے شادی پر راضی ہو گئی ہو۔
ہاں۔ ناہید!" روبینہ کے رُخسار تمتمانے لگے!" وہ مجبور ہو گئے ہیں۔ ذہنی اور جسمانی طور پر مایوس۔ مجھے خوشی ہو گی اگر میں ان کی خدمت کر سکی!۔

کیا یہ دل کا سودا ہے بینا۔

سب سودے دل کے نہیں ہوتے۔ نمی!"

پاگل نہ بنو۔ روبی۔ اچھا فرض کرو۔ تمھارا محبوب تمھیں مل جائے تو۔!"

چپ رہو۔ چپ رہو" روبینہ نے اس کی بات کاٹ دی" تم نہیں جانتیں نمی!۔ جس کے سہاگ کے لئے میں نے اپنی آرزوؤں کا لہو نچوڑا۔ جس کی مانگ میں نے اپنے خون سے سجائی۔ جس کے شبستاں میں میرے آنسوؤں کے چراغ جلتے ہیں! کیا میں یہ سب کچھ خود ہی برباد کر دوں گی۔

تمھیں کیا پتہ۔ تمھارا محبوب اپنی زندگی سے مطمئن ہے!" ناہید نے پوچھا"۔

مطمئن ہو جائے گا۔ جب اسے پتہ چلے گا۔ اس کی راہ کا پتھر دوسرے کی چوکھٹ سے جا لگا" روبینہ نے کہا۔ اس کے چہرے پر عزم تھا!۔

تم جو قربانی کر سکتی ہو۔ کیا میں نہیں کر سکتی! ناہید نے سوچا پھر اس سے آنے کا وعدہ لیتی ہوئی چلی گئی۔!!

O

میجر اقبال نے جو کچھ سوچا تھا۔ وہ پورا نہیں ہوا۔ اور ان کی اور نوید کی بچھائی ہوئی بساط ہی درہم برہم ہو چکی تھی!۔ اور اپنی زندگی کے اتنے زبردست حادثے نے انھیں یک بیک بدل کر رکھ دیا تھا!..... ان کی پچھلی زندگی بھی کچھ اتنی زیادہ پاک وصاف نہیں تھی!۔ انھوں نے سوچا تھا۔ جہاں زندگی میں دوسری رنگینیاں اور رعنائیاں تھیں۔ وہاں ایک یہ بھی سہی! لیکن اب تو ان کی قلب ماہیت ہو گئی تھی!۔ انھوں نے نوید سے ملنا جلنا چھوڑ دیا۔ بلکہ اپنا دیا ہوا پیغام تک واپس لے لیا!۔ اور مزید افسوس تو انھیں اس وقت ہوا جب سید صاحب کے ہاں سے پیغام کی منظوری کا خط انھیں ملا۔!!

انھوں نے اپنے فیصلے میں کوئی نظر ثانی نہیں کی!۔ بلکہ نہایت خندہ پیشانی سے انکار کر دیا۔ کہ وہ ہرگز روبینہ کے قابل نہیں تھے!!۔ سید صاحب اور سیفی یہ سن کر خوش ہو گئے لیکن روبینہ اتنی مایوس ہوئی کہ دیکھنے والے متحیر رہ گئے!! معاملہ بالکل الٹ گیا تھا!.... پہلے کے بالکل برعکس!! سیفی بیٹھا اسی سلسلے میں خالد سے مشورہ لے رہا تھا!۔ اتنے میں ناہید بھی پہونچ گئی!۔ اسے دیکھ کر سیفی اٹھنے لگا!۔

اچھا۔ میں پھر کبھی آؤں گا!۔

بیٹھیے: ناہید نے کہا: میں چائے لے آؤں!۔

نہیں۔ بھابی۔ آج تو میں نے بہت کچھ کھا پی لیا ہے۔ بیری چائے آپ پر

ادھار رہی!" وہ خالد سے ہاتھ ملا کر چلا گیا۔ یکایک اسے ناہید نے ٹھہرنے کے لئے کہا اور لپک کر اس کے پاس پہونچی! سیفی ٹھہر گیا۔ ناہید نے آواز دبا کر کہا۔

آپ بینا کے سلسلے میں پریشان تھے!۔

جی۔ وہ تو:"

میں نے اسے منع کر دیا۔ آپ ابا جان سے بھی یہی کہہ دیجئے۔ وہ خود بخود راضی ہو جائے گی!:"

نہیں!:" سیفی بے اعتباری سے ہنسا۔

آپ خود ہی دیکھ لیجئے گا!:" ناہید بھی ہنس دی تھی!:" پھر جب وہ واپس پلٹی تو خالد نے ہاتھ بڑھا کر تیز لائٹ گل کر دی اور خواب گوں روشنی کمرے میں پھیل گئی!۔

"اتنی رات گئے کہاں چلی گئیں تھیں۔؟!:" اس نے ناہید کی پیٹھ پر ہاتھ رکھ دیا اور اس کے جسم میں سنسناہٹ دوڑ گئی۔

تم نے کہا تھا۔ مجھے کوئی تحفہ دو گی؟۔ خالد نے اپنے بے پناہ احساسات سے گھبرا کر کہا:" کہاں ہے میرا تحفہ!۔

آپ کو تو مل ہی جائے گا۔ لیکن آپ نے بھی تو وعدہ کیا تھا؟!:" اسے بار بار ہنسی چلی آ رہی تھی۔

میرا وعدہ — !" اس کی آواز لڑکھڑا گئی۔

آپ نے نہ تو میرا چہرہ دیکھا تھا نہ رونمائی دی تھی۔ اب ہی دے دیجئے!:"

سب کچھ تمہارا ہے۔ ناہید؟!

اپنی یہ انگوٹھی مجھے دیجئے گا؟!:" ناہید نے اس کا ہاتھ تھام لیا جس میں

بڑے سے آبدار پتھر کی انگوٹھی جگمگا رہی تھی!۔

اور کچھ۔؟!۔" خالد مسکرایا۔

بس!!" ناہید نے خاص ادا سے سر خم کر دیا:" ان پتھروں کے سوا آپ کے پاس اور ہے ہی کیا۔" وہ تو یونہی کہہ گزری تھی لیکن اسکی بات نے خالد کو نادم اور سکتہ زدہ کر دیا!۔

ان پتھروں کے سوا میرے پاس اور کچھ بھی نہیں ہے۔ اور میں تو خود بھی پتھر ہوں!"

یہ آپ کیسی باتیں کرنے لگے" ناہید نے بڑے پیار سے اس کے شانے سے سر ٹیک دیا۔" میرے لئے آپ کے ستم کے سہارے ہی بہت ہیں!۔

اس نے بے ضبط ہو کر ناہید کو اپنے سینے سے لگالیا۔

نہیں۔ نہیں" وہ خوابناک لہجے میں ہنسی" ابھی آپ کے زخم ہرے ہیں!۔ تم انھیں مندمل بھی کر سکتی ہو!۔

میرے دیئے ہوئے کہاں ہیں؟!" وہ شریر لہجے میں بولی۔ رہ رہ کر وہ انگوٹھی کا دانتوں سے شغل کر رہی تھی۔ یکایک انگوٹھی اس کے چہرے پر گر پڑی!

یہ نہ کرو۔ ناہید!" خالد نے جلدی سے کہا" حلق میں چلی جائے گی۔ مجھے دے دو!"

قیمتی بہت ہے؟!" اس نے طنزاً کہا۔

ہنہہ۔ پتھر کی قیمت!۔" خالد نے حقارت سے کہا۔

سنئیے!۔" ناہید نے شرما کر کہا" آج میرا کچھ جی چاہ رہا ہے۔ میں اپنا عروسی لباس پہنوں اور آپ اپنے ہاتھوں مجھے سجائیے سنواریئے!۔ میرا دل چاہ رہا ہے۔ نہ آپ کو سونے دوں۔ اور نہ میں خود سو سکوں!۔ آپ میری اتنی سی خواہش

بھی پوری نہ کیجئے گا!۔

دلہن تو تم اب بھی لگ رہی ہو!۔" خالد نے ہنس کر کہا۔

آپ نے کہاں بنایا!۔

بنا دوں ؟!۔" اس نے شرارت سے گہرا کش لے کر دھواں اس کے چہرے پر بکھیر دیا۔

ہاں ۔!" اس نے شرما کر سر ہلایا۔

پھر خالد نے ہنستے ہنستے اسے اس کا سارا گہنا پہنایا!۔ جھومر سجایا۔ ٹیکہ لگایا! اور پیشانی تک گھونگھٹ کھینچ دیا!۔ پھر اسے کچھ یاد آیا۔ اس نے وہ انگوٹھی بھی نکالی جو اسے ناہید کو شب عروسی میں پہنانی تھی۔ وہ بھی پہنا دی!۔ پھر اس نے تکیئے کے پاس رکھے ہوئے پھول اٹھائے اور اس پر نچھاور کر دیئے!!۔"

ایک چیز باقی رہ گئی ہے" خالد نے اپنے ہیجان کو ضبط کرتے ہوئے اسکی طرف سے چہرہ پھیر لیا!" میری زندگی۔ اگر کسی قابل ہو۔ تو تحفہ سمجھکر قبول کر لو۔!"

محبت مانگتی ہوں۔ زندگی نہیں مانگتی!" ناہید نے شرارتاً دہرایا۔

وہ پتھر کا بت بن گیا تھا!۔ وہ تو دن بھر کی ہنگامہ آرائی سے تھک گیا تھا۔

۔۔ یہ ناہید کیا کر رہی تھی۔ نہ خود سو رہی تھی نہ اسے سونے دیتی تھی!!۔

یک بیک ناہید نے گھونگھٹ الٹ دیا۔ اور اس طرح بولی جیسے کوئی بات اچانک یاد آگئی ہو۔" سنئے تو۔ ہفتہ بھر بعد روبینہ کی شادی ہے!۔ اسے کیا دیجئے گا!۔"

روبینہ کی شادی ۔ ؟" اس کے دل پر ایک دھکا سا لگا۔"

ہاں ۔ میں امی کے پاس سے آرہی ہوں ۔"

تم روبینہ سے ملنے گئی تھیں ؟ !" وہ ہکا بکا اسے دیکھتا رہ گیا ۔

جی ہاں " ناہید نے کہا " شکایت کرنے گئی تھی کہ وہ ہمارے جشن میں کیوں نہیں آئی ۔ سچ ہی تو ہے ۔ ہم نے اسے اس کے دکھ میں یاد نہیں رکھا ۔ وہ ہمیں ہمارے سکھ میں کیوں یاد رکھتی ؟"

میں تمھارا مطلب بالکل نہیں سمجھا !۔

اب سمجھ کر کیا کیجئے گا ۔ ۔ ۔ اور تو اور ۔ روبینہ کی خادمہ تک آپ کی شاکی تھی کہ آپ ایکدم سے اسے بھول کے بیٹھ گئے ۔ یا تو آندھی یا نیوں نے آپ کا راستہ نہیں روکا تھا ۔ یا تو یہ حال ہوا کہ وہ بیمار ہوگئی ۔ اور آپنے اس کی عیادت تک نہیں کی !"

خالد نے اپنی بے چینی کا واحد حل سگریٹ سلگائی اور خالی الذہنی کے انداز میں کش لگانے لگا !۔

کیا سچ مچ آپ کبھی اسے ساز سکھاتے تھے !"

"ہاں !" اس سے جھوٹ نہ بولا گیا ۔

پھر آپ اسے بھول کیوں گئے ؟ !۔

تم سے شادی ہوگئی !" وہ بے ساختہ ہنس پڑا ۔

اور اگر مجھ سے نہ ہوتی ؟"

تو اللہ جانے کیا ہوتا ؟ !۔

بہت سنگدل ہیں آپ ۔ آپ کو تو چاہیئے کہ اب اسے شادی کے موقعہ پر ایسا گرانمایہ تحفہ دیں کہ یادگار رہ جائے !۔ اب تو وہ آپ سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے چھوٹ رہی ہے !"

وہ مجھ سے وابستہ کب تھی ؟!" خالد کے دل پر اس کے الفاظ انگارے بن کر گرے !۔

آپ چاہتے تو ہو جاتی !۔

یہ آج تم کیسی بے سر پیر کی باتیں کر رہی ہو ــ ؟! کیوں چاہتا میں یہ سب کچھ ؟!۔

تاکہ آج کے دن اسے بھلانے کے لئے آپ کو یہ ڈھونگ نہ رچانا پڑتا !۔"

ناہید ــ !" اس کا لہجہ ناگوار تھا !۔

"آپ اسے بھول نہیں سکتے۔ اپنی محبت پر جھوٹی اکن اور بناوٹی نفرت کا پردہ نہ ڈالئے۔ آپ خود کو بھی دھوکا دے رہے ہیں۔ روبینہ کو بھی۔ اور مجھے بھی۔ آپ میں اتنی بھی ہمت نہیں تھی ؟ ۔ آپ اپنے کو بھی بچا لیتے۔ روبینہ کو بھی اور مجھے بھی !۔ کیا ملا آپ کو۔ کیا پایا آپ نے ؟!۔

دفور حیرت سے اس کے ہاتھ سے سگریٹ چھوٹ گیا۔ اس نے بڑی بے بسی سے کہا ــ !"

"ناہید. . . . میری مجبوریوں کا مذاق نہ اڑاؤ۔ آج تک جس کا جی جیسا چاہا۔ مجھے سنا لیا۔ میں نے کسی کو جواب نہیں دیا۔ میں حرف سننے کے لئے بنا ہوں کہنے کے لئے نہیں۔ لیکن تمھیں تو یہ سزاوار نہیں ہے کہ تم اتنی بیدردی سے میرے منھ پر تھپڑ لگا دو !۔"

میری زندگی کے مالک !"۔ ناہید سسکیاں لیتی اس کے شانے سے لگ گئی !۔ کبھی محبت قیمتی ہوتی ہے۔ کبھی زندگی !۔ لیکن یہ کیسی زندگی ہے۔ مجبور اور بے دست دپا !۔ نہ آپ خوش ہیں اور نہ میں !۔ لیکن جو کچھ ہونا تھا وہ تو ہو چکا!

کب تک میں آپ کے لئے تڑپتی رہوں گی۔ کب تک آپ خود کو موہوم سی آس پر بہلائے رکھئے گا!۔ اب مجھ سے کچھ نہ چھپایئے!۔ مجھے سب کچھ معلوم ہو چکا ہے! آپ نے نہیں کہا۔ روبینہ نے نہیں کہا۔ لیکن میں تو سمجھ گئی تھی!۔ آپ نے اپنا رہین شدہ پیار مجھے نہیں دیا!۔ اور مجھے دوسروں کو سونپنے کے لئے تیار ہو گئے تھے!! کیا میں یہ بھی گوارا کر لیتی!۔"

ناہید۔ خاموش رہو۔ خدا کے لئے خاموش رہو۔ میں تمھارے ہاتھ جوڑتا ہوں۔!" خالد متحیر تھا۔ آخر یہ سب کچھ ناہید کو کس نے بتایا۔" میں تو تم سے معافی مانگ رہا ہوں۔ ! میں نادم ہوں۔ پشیمان ہوں!۔

آپ کی ندامت اور پشیمانی مجھے کیا دے گی؟!۔

آج تمھیں کیا ہو گیا ہے۔ کیوں پرانی باتیں یاد کر رہی ہو۔ یہ تو دبی ہوئی چنگاریاں ہیں۔ ہوا دوگی بھڑک اٹھیں گی!۔

ناہید کا چہرہ آنسوؤں سے بھیگا ہوا تھا۔" ایک بات پوچھوں۔ جواب دیجئے گا۔"

نہیں!۔ اب میں کوئی الٹا سیدھا وعدہ نہیں کروں گا۔

مجھے صرف اتنا ہی بتا دیجئے!۔ کیا آپ روبینہ کو بھول جائیں گے؟!

سچ کہنے کی ہمت نہیں اور جھوٹ بولنے کی عادت نہیں . . . . اس نے کوئی جواب نہیں دیا اور سگریٹ کے آہستہ آہستہ کش لینے لگا۔ !۔ اور پھر دفعتہً کہا۔ !"

"ناہید! میں نے تمھیں آج تک کوئی گیت نہیں سنایا۔ آؤ۔ بنی . . . ایک گیت سنو!۔"

جانے کتنی رات بیت گئی تھی۔ ناہید اپنے آپ سے بے خبر ہو گئی تھی۔ اور وہ

دھیرے دھیرے کوئی گیت گا رہا تھا۔! پھر گیت ختم ہوا۔ اور اس نے اس کے پہلو سے سر اٹھایا۔ اچانک اس کے بال خالد کی آستین کے کف سٹڈ میں الجھ گئے۔ پھر جیسے ہی اس کی نظریں بال سلجھاتے ہوئے ناہید کے ہاتھ پر رکیں۔ وہ بدحواس ہو کر اٹھ بیٹھا۔ انگوٹھی کا ہیرا غائب تھا!۔

ہیرا۔!" اس کی آنکھوں تلے اندھیرا چھا گیا اس نے پاگلوں کی طرح ناہید کو جھنجھوڑ ڈالا۔ بجلی جلائی۔ اور بستر کی ایک ایک شکن ٹٹولنے لگا!۔

کیا ڈھونڈ رہے ہیں آپ؟" ناہید بوجھل انداز میں اسے گری پڑ رہی تھی۔ اس کی آواز میں لکنت تھی۔ آنکھیں بند ہوئی جا رہی تھیں!۔

تم نے ہیرا کیا کیا۔ ہیرا کہاں ہے؟" وہ سچ مچ دیوانہ ہو رہا تھا۔

آپ کو تو۔ پتھر سے محبت نہیں تھی" وہ خوابیدہ مسکرائی" آپ کو اصلی ہیرا میں دوں گی۔ وہ تو۔ وہ تو پتھر تھا!"

خالد کے جسم میں سنسنی پھیل گئی۔ وہ سب کچھ سمجھ گیا تھا۔ وہ پاگل ہو رہا تھا۔ اور ناہید کی حالت غیر ہو رہی تھی!

"ناہید۔ ناہید" اس نے پھر اسے جھنجھوڑ دیا" یہ تم نے کیا کیا۔ بولو۔ ناہید۔ یہ تم نے کیا کیا"

مگر ناہید کو جواب دینے کا ہوش ہی کہاں تھا۔!!۔

○

سُرخ نخوتیں دھوپ اونچی اونچی دیواروں پر آہستہ آہستہ پھیل رہی تھی!۔

سارا گھر ایک بلیغ سناٹے میں گم تھا!۔

ناہید کے اطراف سبھی اکٹھا تھے! ۔چپکے چپکے آنسو بہاتے ہوئے۔

کچھ دیر پہلے دو تین ڈاکٹر قطعی ناامیدی کا پیغام سنا کر جا چکے تھے!۔

اس کے دائیں بائیں خالد اور روبینہ تھے۔ وہ تو ناہید کی مدعو کی ہوئی کسی خاص جشن میں شرکت کے لئے آئی تھی.... لیکن اب اس کی ساری زندگی اس کی آنکھوں میں سمٹ آئی تھی!۔

یہ کیا ہوا۔ بیٹی۔ یہ کیا کیا۔ ؟!" نواب صاحب کی آنکھوں سے سیلاب جاری تھا۔

"بابا" ناہید نے مسکرانے کی کوشش کی" میں انگوٹھی سے کھیل رہی تھی۔ اس کے حلقے سے ہیرا نکل گیا۔ میں سیدھی لیٹی تھی۔ وہ میرے حلق میں چلا گیا!" اس نے مرتے مرتے بھی خالد اور روبینہ کو بچالیا۔ پھر وہ رک رک کر ہنسی " بابا... آپ نے کہا تھا۔ سرخ لباس پہن کر جانا اور سفید لباس پہن کر نکلنا۔ ڈیڈی ... ایک بار۔ آپ مجھے دلھن بنا کر لائے تھے۔ آج پھر مجھے دلھن بنا کر لے جائیے"۔

وہ تو سچ مچ دلھن ہی لگ رہی تھی۔ رات کا عروسی لباس اب بھی اس کے جسم پر تھا۔ وہ گہنے بھی تھے جو اس نے فرمائش کر کے اپنے شوہر کے ہاتھوں پہنے تھے!

پھر اس کی بہکی بہکی نگاہیں خالد پر جم گئیں۔ اس کے اور ناہید کے بیچ پانی کی چادر آڑ تھی۔ وہ تو خود کو مجرم سمجھ رہا تھا۔ لیکن وہ یہ تو ہرگز نہیں چاہتا تھا۔ اس نے تو اپنے باپ کی ضد کا بدلہ لیا تھا۔ ناہید کی قربانی تو نہیں مانگ رہا تھا!۔

روبینہ ساکت وصامت ناہید کا سرد ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لئے بیٹھی تھی۔ اس کی سمجھ میں بھی سب کچھ آگیا تھا!۔ کل رات اس کا تجسس۔ سیفی کو اس

خوشخبری سنائی تھی۔ روبینہ میجر سے شادی نہیں کرے گی!۔ وہ سب کچھ پہلے ہی سوچ چکی تھی!۔... لیکن روبینہ بھی یہ نہیں چاہتی تھی!۔ اور اب تو کچھ کہنے سننے کا وقت ہی جا چکا تھا!۔

پھر دفعتہً سب کے دیکھتے ہی دیکھتے اس نے اپنے ہاتھوں خالد اور روبینہ کے ہاتھ ایک دوسرے کو تھما دیئے!!۔

"آپ دونوں۔ ایک ہو جائیے۔ یہ میری آخری آرزو ہے۔ میں نے آپ سے کچھ نہیں مانگا۔ اب مانگتی ہوں۔ میری بینا کو اپنی زندگی دیجئے۔"

پھر وہ مسکرائی: "آپ اپنا ہیرا ڈھونڈ رہے تھے۔ یہ وہی ہیرا ہے!۔ میں نے۔ آپ کو۔ ایک تحفہ دینے کا وعدہ۔ کیا تھا۔ یہی تو ہے!۔ آپ نے اپنا وعدہ پورا نہیں کیا۔ میں نے کر دیا!۔"

خالد نے جھک کر دم توڑتی ہوئی ناہید کو اٹھایا۔ اور اپنی پوری طاقت سے اپنے سینے سے بھینچ لیا۔ وہ اب بھی مسکرا رہی تھی۔ المناک۔ حسرت نصیب مسکراہٹ پھر خالد کی باہوں میں اس نے دم توڑ دیا۔!۔

"آپ قاتل ہیں۔ آپ قاتل ہیں!۔" اچانک روبینہ پاگلوں کی طرح چیخ اٹھی!۔ پھر وہ ناہید پر گر کر خود بھی بیہوش ہو گئی!۔

سیفی نے اپنی بہن کو ناہید پر سے اٹھایا۔ اور اسے سر سے پاؤں تک سرخ شال سے ڈھک دیا۔!!

○

اگر صرف سانس لینے کا نام زندگی ہے!۔ تو یقیناً روبینہ دوسروں کی نظروں میں زندہ تھی۔ ویسے وہ مرچکی تھی بہت پہلے ہی! ایک خاندان کی بربادی اور تباہی کی تنہا ذمہ دار وہ خود کو سمجھتی تھی!۔ اور یہ ایک ایسا قاتلانہ احساس تھا۔ جس نے اسے زندہ درگور کر رکھا تھا۔!

ناہید کی موت کے بعد اس کی شادی کے چرچے خود بخود ختم ہو گئے۔ ایک بار سیّد صاحب سے اجازت لے کر میجر صاحب خود روبینہ سے ملنے آئے۔! انھوں نے کبھی اسے دیکھا نہیں تھا۔ پھر دیکھا اور دم بخود رہ گئے!۔ بدحال اور پریشان حسن!۔ صرف ایک بے بس دل ہی نہیں اس تباہ کار حسن پر تو سلطنتیں تک مٹ سکتی ہیں!؟۔ وہ جو کچھ کہنے کے لئے آئے تھے بھول گئے!۔ روبینہ بے خبر اور خالی الذہن بیٹھی رہی نہ کچھ کہا نہ سنا!۔

پھر انھوں نے اسے ناہید کا پرسہ دیا۔ اور یہ کہتے ہوئے رخصت ہو گئے!

"بنیا بہن! خود کو سنبھالئے!۔"

انھیں اپنا پاؤں بنوانے کے لئے باہر جانا تھا۔ کچھ ہی دنوں بعد وہ چلے گئے۔ ۔ ۔ ۔ پھر کسی کی ہمت نہیں پڑی۔ وہ ایسے اندوہناک موقعہ پر شادی بیاہ کی بات بھی زبان پر لاتا!!۔ لیکن میجر صاحب کے سلوک کا ایک لازوال اثر تھا۔ جو مدتوں سب کے دلوں پر طاری رہا تھا!۔

سید صاحب بھی گم صُم ہو چکے تھے!۔ وہ بھی تو سب کچھ دیکھ رہے تھے!۔

سب کچھ سمجھ رہے تھے! لیکن اپنے مفہوم کو ادا کرنے کے لئے نہ ان کے پاس الفاظ تھے اور نہ ہمّت!!۔

روبینہ ایک طویل مرگ آسا علالت سے اٹھی تھی۔ پھر اس نے باپ سے درخواست کی۔ اسے اس کی دیہاتی کوٹھی میں بھجوا دیا جائے!!۔

سیفی کا ٹرانسفر مستقر سے دور ہوگیا تھا۔ انہی دنوں پہلی بار الماس ماں بنی تھی۔ اس نے اسے میکے پہونچا دیا۔ روبینہ کو دیہاتی کوٹھی پر چھوڑا۔ اور خود اپنی سروس پر چلا گیا۔

فیروز اور ناصیہ بھی اپنے گھر جا چکے تھے!۔

کرنل صاحب اور بیگم صاحبہ دم بخود رہتے تھے!۔ کرنل صاحب کا وہ جوش و خروش۔ وہ آن بان سب کچھ کھنڈر ہو چکا تھا۔ انھیں اپنی غلطی کا انجام بہت دنوں بعد معلوم ہوا۔ وہ تو بچوں کی طرح اپنی ناہید کے لئے روتے تھے اب یہاں ان کے لئے کیا رکھا تھا۔ دونوں جلد ہی حج کرنے کے لئے جانے والے تھے۔ "ان کے گھر میں ایسی تباہی مچی تھی۔ ایسی بربادی پھیلی تھی! شاید اب مدت العمر تک اس کا نعم البدل نہ ہو سکتا!۔

خالد پر خاموشی کے طویل دورے پڑتے۔ ہفتوں وہ خاموش رہتا۔ کسی سے اسے کوئی سروکار ہی نہیں رہ گیا تھا۔ ناہید کی موت کے بعد اسے اس کی بے پایاں محبت کا پتہ چلا۔ اس نے اسے جی بھر کے ستایا تھا۔ دکھ دیئے تھے۔ صدمے پہونچائے تھے! لیکن اتنی شوہر پرستی ؟۔ ایک حرف شکایت کا اس کے لبوں پر نہیں آیا۔ وہ جتنی معصوم اور بھولی بھالی تھی۔ اتنی ہی پاگل بھی نکلی۔!۔

اپنی اکلوتی نازدں کی پالی بیٹی کی جوانمرگی نے نواب صاحب کی ایسی کمر

توڑ دی اور ایسا گہرا صدمہ پہونچایا کہ پاگلوں کی طرح روتے پیٹتے وہ دو ہی تین ہفتوں بعد بیٹی کے پہلو میں جاکر آباد ہو گئے۔!۔

اب خالد کو اس ویرانے سے پیار تھا۔ جہاں ناہید ابدی نیند سو رہی تھی! پہروں اس کی ننھی سی قبر کا سہارا لئے بیٹھا رہتا۔ کسی تلافی۔ کسی مدارک کے لئے!۔ وہ تمام باتیں جو شادی سے لے کر موت تک پیش آچکی تھیں۔ کسی گئے ہوئے قافلے کی یاد کی مانند۔ اس کے ذہن میں سرسراتیں!۔ اور اپنی بے رحمی۔ بے دردی پر وہ پہروں بیٹھا سوچتا رہ جاتا ہے۔ وہ طبعاً نیک نفس نیک دل اور پر محبت تھا۔ لیکن ساتھ ہی حد سے زیادہ ضدی۔ خوددار اور سرکش!! وہ چاہتا تھا۔ وہ کسی کو سمجھے کوئی اسے سمجھے۔ لیکن اپنے باپ کی بے جا ضد۔ زرینہ کی بے پناہ محبت۔ اور اپنی بے انتہا سرکشی نے اسے یہ دن دکھایا تھا جس کے لئے وہ ہرگز ہرگز تیار نہیں تھا!!۔

لیکن کوئی تلافی کوئی مداوا اس کے پاس نہ تھا!!۔

وہ تو خود بھی پاگل ہو چکا تھا۔ کلب کے پروگرام خواب رفتہ بن چکے تھے کھویا کھویا سا اپنی ملازمت پر جاتا۔ اور وہاں بیٹھا سوچتا رہتا۔ پھر اس نے طویل سفر کا پروگرام بنالیا۔ سروس سے ہاتھ دھویا۔!۔ اور رخت سفر باندھ لیا!۔

اس نے اپنے تمام ساز توڑ ڈالے تھے۔ اور آواز پر تو مدتوں پہلے پہرہ لگ چکا تھا۔

سب اسے سمجھا بجھا کر ہار گئے۔!! ماں باپ۔ دوست احباب۔ بھائی بہن سب۔!

بیٹا۔ اپنے ارادے سے باز آؤ۔!" کرنل صاحب کو تو کچھ کہتے سنتے

ڈر لگتا۔

"نہیں۔ ڈیڈی۔ مجھے جانے دیجئے!" اصرار اور التجا بھرا لہجہ۔!"
بٹیا۔ تمہارے بغیر میں کیسے زندہ رہوں گی!۔۔" ممی روتی تھیں۔
"نہیں۔ ممّی۔ مجھے جانے دیجئے!" پھر وہی ضد اور خوشامد۔!
اور زیادہ کہنے پر وہ اپنی عمر و مرتبہ بھول کر رونے لگتا!۔
اور پھر اسے اس کے حال پر چھوڑ دیا گیا!۔
دن پر دن گزرتے چلے گئے!۔ بھری برساتیں۔۔۔ برف برساتے جاڑے۔ اور آگ اُگلتی گرمیاں۔ وقت کے دوش پر سب کچھ اڑتے چلے گئے۔"

وقت۔؟! زخمی دلوں کا مرہم۔ وقت دردمند دلوں کا غمگسار۔
لیکن یہ بیدرد وقت اپنے ہر گزرتے قدم کے ساتھ ساتھ اس کے دل پر ایک اور ٹھوکر لگا جاتا!۔
زخم پر زخم!۔
محبت و نفرت کی سوغاتیں لئے۔
آنسو اور تبسم کی یادیں لئے۔
اپنوں اور بیگانوں کی جگر خراش طعنے زنی سمیٹے۔
سب کچھ اپنے سینے سے لگائے اس نے تہیّہ کر لیا۔ اب وہ مشرق کی سرزمین میں کبھی قدم نہیں رکھے گا جس نے اسے کچھ بھی نہیں دیا تھا۔!!
اور یہ تمام خبریں کچھ کم کچھ زیادہ روبینہ کو بھی ملتی تھیں۔ اسے خالد کی اتنی ہٹ دھرمی اور ضد پر بہت افسوس تھا۔! وہ یوں بھی خود کو تباہی کی ذمہ دار سمجھتی تھی۔ اس نے ان سب کو بچانے کے لئے خود کو میجر اقبال کے حوالے کر دینے

کی ٹھان لی تھی!۔ لیکن بات ایسی الٹی کہ میجر صاحب نے خواہ مخواہ اسے بہن بنا ڈالا۔ اور اس شہر ہی سے چلے گئے!!۔

وہ تو شمع کشتہ تھی!۔ دھیرے دھیرے جس میں سے دھواں اٹھے۔ نہ جلے نہ بجھے!۔ اور اب تو وہ بالکل اکیلی تھی۔ اپنے غم کی آپ ساجھی!!۔

اور اب تو سب کچھ جہاں کا تہاں ہو چکا تھا!۔

وہ بہت بدل چکی تھی۔ لیکن وہ بے مثال و لاجواب حسن جس نے اتنی تباہی مچائی تھی۔ اب بھی جوں کا توں تھا۔ بلکہ اداسی اور خاموشی میں گھل مل کر اور بھی بے پناہ ہو گیا تھا۔ بکھرے ہوئے بال۔ خشک لب۔ ہزاروں لاکھوں فسانے سناتی ہوئی سیاہ اور سحر انگیز آنکھیں۔ جنھوں نے کسی کا سکون لوٹ لیا تھا!!۔

برسات کا بھیگا بھیگا موسم تھا۔ آسمان بادلوں سے ڈھکا ہوا تھا۔ ہواؤں کے دل بھی رکے ہوئے تھے۔ کھیتوں اور باغوں میں نئی زندگی کروٹیں لے رہی تھی جہاں جہاں نگاہیں جاتیں۔ سر سبز برگ و بار میں الجھ کر رہ جاتیں۔!

گھٹا تلی کھڑی تھی!۔ پھر پھوار پڑنے لگی۔ زمین و آسمان میں دھند چھا گئی۔ رہ رہ کر افق کی تاریکی میں بجلی تڑپتی اور بادل کی غراہٹ دھرتی کا دل ہلا دیتی!۔ روبینہ دیر سے کھڑکی میں کھڑی سوچ رہی تھی!۔ وقت و ماحول کی ستم کاریوں کو بھی کبھی کسی نے روکا ہے؟!

دفعتہً گھنیرے سناٹے میں یوں ہولے سے کال بل بج اٹھی۔ جیسے اچانک کسی بیمار کا ڈوبتا ہوا دل دھڑک کر تھم جائے!!۔

وہی نغمگی وہی مانوس آواز۔ جسے روبینہ کے کان پہچانتے تھے۔ اس کا دل پہچانتا تھا۔ ہوا کے جھونکے کی طرح وہ پلٹی۔ رکی۔ پھر مڑی اور یکبارگی

دروازہ کھول دیا!!۔

اور چھن سے اس پر بجلی گر پڑی!!۔

زینے کے سب سے اوپری سرے پر ریلنگ کا سہارا لئے خالد کھڑا تھا۔ شکستہ حال۔ اداس اور پژمردہ۔ چوڑے چکلے شانے اپنی شان کھو بیٹھے تھے۔ بھاری بھرکم جسم۔ اور دراز قد۔ یوں جھک گیا تھا۔ جیسے کوئی ناقابل بیان بوجھ اس پر لدا ہوا۔ گہری اور سنجیدہ آنکھوں کے گرد سیاہی مائل حلقے پڑ گئے تھے!۔ ہونٹ خشک اور تبسّم ناآشنا!۔

لباس میں بھی وہ رعنائی نہ تھی۔ بھیگا بھیگا سا لباس۔ جو جگہ جگہ پانی کی وجہ سے جسم سے چپک گیا تھا!!۔ وہ مخصوص خوشبو جو اس کے جسم و لباس کا ایک ناگزیر حصّہ تھی اب وہ بھی اڑ چکی تھی!۔

لیکن اب بھی وہ حسن کا تاجدار لگ رہا تھا!!

ایک سرسری نظر اس نے کمرے میں ڈالی۔ جہاں بہت پہلے وہ آیا تھا۔ ٹھہرا تھا۔ اور ایک رات گزاری تھی۔ ایک ٹیس اس کے دل میں اٹھی!۔ یہاں اب شائستگی نہ تھی۔ ہر طرف ویرانی تھی اور سنّاٹا۔ وہ زیادہ دیر تک کھڑا بھی نہ رہ سکا!۔ وہ خود سوچنے لگا۔ اب وہ یہاں کیوں آیا ہے؟!

مایوس اور ناکام سادہ پلنگ کی پائینتی ٹک گیا!۔

روبینہ جلدی سے اس کے وہ کپڑے لے آئی۔ جن سے کسی طوفانی موسم کی پرانی ملاقات کی یاد وابستہ تھی!۔ اس نے پریس کئے ہوئے لباس اس کی طرف بڑھا دیئے!!۔ اور چپ چاپ مڑ گئی!۔

پھر اسے احساس ہوا وہ بہت کچھ بھیگ چکا تھا!.... جب تک وہ لباس بدل کر آتا۔ روبینہ نے چائے لاکر تپائی پر رکھ دی۔ لیکن وہ اب بھی

خاموش تھی !!۔ کسی قسم کا کوئی احساس اس میں باقی نہ رہ گیا تھا۔ !!
یک بیک پر شور ہوائیں چلیں۔ بجلیاں چمکیں۔ اور بارش شروع ہو گئی!!
یہی وقت تھا یہی موسم۔ جب ان میں محبت جاگی تھی !۔
یہی وقت ہے۔ یہی موسم۔ جب وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے روبینہ سے رخصت ہونے کے لئے آیا ہے !!۔
روبینہ نے چائے بنائی اور پیالی اس کے سامنے سرکا دی !۔ دفعتہً اس کی نگاہیں روبینہ کی نگاہوں سے مل گئیں !۔ دو مجرم۔ دو شکست خوردہ انسان !۔ جنھیں بغیر کہے سنے ایک دوسرے کے احساسات و جذبات کا اچھی طرح پتہ تھا !۔ پھر بھی کوئی ایسا نا "ابل بیان سحر کا اثر تھا... خالد اپنی نظریں نہ ہٹا سکا۔ البتہ روبینہ کی پلکیں جھکتی چلی گئیں !۔
کسی احساس سے گھبرا کر اس نے چائے کی پیالی کچھ اور قریب سرکا دی لیکن اس کے ہاتھ کانپ رہے تھے۔ !۔
"اس تکلیف کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ روبینہ !۔" بڑی مشکل سے خالد نے اپنی ڈوبتی ابھرتی آواز سنبھالی "! میں تو۔ آج۔ آخری بار تم سے ملنے آگیا تھا۔ !"
"اب تو آپ جا ہی رہے ہیں۔ دوبارہ پینے کہاں آئیے گا۔ !"
پھر خالد کی نگاہیں دور بہت دور پہاڑوں کی دھند پر جم گئیں۔ اونچے اونچے درخت، رِل کی چمنی اور مسجد کے کلس سب کچھ دھند اور کہر میں چھپ گئے تھے۔ آفتاب کی تیز روشنی بادلوں میں کھو گئی تھی۔ یا شاید شام قریب تھی !!۔
اس نے پیالی رکھ دی اور دریچے میں جا کھڑا ہوا۔

اس کی آواز روبینہ کو بہت دور سے آتی معلوم ہو رہی تھی ے

دل ایسی چیز کو ٹھکرا دیا نخوت پرستوں نے

بہت مجبور ہو کر ہم نے آئینِ وفا بدلا!

پھر ایک ہلکی سی سانس لے کر وہ اس کی طرف مڑا۔

"تم سوچتی ہو گی۔ یہ کیسا ظالم کمینہ اور سنگدل انسان ہے۔ جو ایک زندگی کی بھینٹ لے کر بھی سرسبز نہیں ہوا۔ یہ سچ ہے۔ روبی!۔ میں اب بھی برباد ہوں تباہ حال۔ مجھے کہیں سکون نہیں ملتا۔ اپنے چاروں طرف مجھے ایک تاریک خلا نظر آتا ہے۔ یہاں کہیں جی نہیں لگتا۔ بینا۔ کہیں جی نہیں لگتا!!۔

اس کی آواز رُندھ گئی۔

روبینہ بھی یہی سوچ رہی تھی!۔ یہ اپنے ہاتھ کی کارستانیاں نہیں دل کی تباہ کاریاں تھیں!۔۔۔ کوئی جان بوجھ کر برباد نہیں ہوتا۔۔۔! ایک شاندار اور مشہور و معروف فنکار۔ ایک بڑا عہدہ دار۔ لیکن اب ایک کھنڈر۔ برباد شدہ مجبور۔ اور بے دست و پا!"

"اپنی حماقتوں کی سزائیں میں نے بہت بھگتیں۔ ذہنی۔ جسمانی اور روحانی سزائیں جنھیں سہنے کی اب تاب نہیں ہے!۔ روبی۔ میں نے تو صرف ایک آرزو کی تھی۔ اپنا حق مانگا تھا۔ نہ کوئی جرم کیا تھا نہ کوئی گناہ کیا تھا!۔ پھر یہ سب کچھ کیا ہے؟!"

"میں دل آزار ہوں۔ غاصب ہوں۔ قاتل ہوں!۔ روبینہ! پھر میں مر کیوں نہیں جاتا۔ مجھے موت کیوں نہیں آتی؟۔ یہ کیسی سزا ہے۔ جس کا جینے کا جی چاہے۔ وہ مر جائے۔ جو رو رو کر موت کو آوازیں دے۔ اور جینے پر مجبور

روبینہ اب بھی خاموش تھی!۔ اس کے پاس کہنے کے لئے کیا رہ گیا تھا؟!
تھوڑی دیر خاموش رہ کر اس نے پھر کہا۔
"آج میں تمھارا شہر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے چھوڑ جاؤں گا۔ کچھ دیر بعد میرا پلین یہاں سے پرواز کر جائے گا۔ اللہ جانے کہاں جائے گا۔ کہاں لے جائے گا! صرف ایک بار آخری بار میرے غم کی ساتھی بن جاؤ۔ پھر تو تنہائی ہوگی اور تم ہوگی۔ کوئی سنگدل اور بے رحم قاتل تمھاری پرسکون زندگی میں ہلچل مچانے نہیں آئے گا!"

پھر وہ لاکھ نہ چاہنے پر بھی سِسک سِسک کر رونے لگا۔
جیسے اسے اپنے دل پر بالکل قابو نہ رہ گیا ہو۔!
وہ احساس جانگسل اور اذیت ناک جو کسی کو سب کچھ دے دیتا ہے۔ کسی سے سب کچھ لے لیتا ہے۔ وہ تو چاہتی تھی۔ ان قیمتی اور پشیمان آنسوؤں پر اپنی جان تک دے ڈالے۔ شاید اسی کے سامنے وہ جی بھر کر رو رہا تھا جن آنسوؤں کا مفہوم وہ جانتی تھی!۔ لیکن نہ تو اس کی زبان ہی کھلی اور نہ ہاتھ ہی بڑھے۔ چپ چاپ دیکھتی رہی۔! رومال اپنی آنکھوں پر رکھے وہ مسلسل آنسو بہائے جا رہا تھا۔!۔

وہ تو کچھ اور ہی سوچ رہی تھی۔ ابھی ابھی وہ چلا جائے گا۔ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے۔ خدا جانے کہاں جائے گا! پھر وہ اسے کہاں دیکھ سکے گی۔ کہاں پائے گی۔ اسے خود کیونکر قرار آئے گا۔ اور یہ سوچ کر وہ عجیب سے درد و کرب میں ڈوب گئی۔!"

پھر یکبارگی رومال سے اپنی سرخ آنکھیں رگڑتا ہوا وہ کھڑا ہو گیا۔
"اچھا۔ روبی۔ میں اب جاتا ہوں۔ تمھارا بہت سا وقت بیکار گنوایا۔۔

تم مجھ سے اتنی ناراض ہو کہ تم نے ایک بات کا بھی جواب دینا مناسب نہیں سمجھا۔ روبی۔ میں قاتل ہوں اور قاتل کسی رحم و کرم کے مستحق نہیں سمجھے جاتے! میں نہیں چاہتا تھا کہ یہاں آؤں۔ لیکن۔ تم سے صرف ایک بات پوچھنے کے لئے آگیا تھا!۔"

وہ چپ ہو گیا۔ جیسے مناسب الفاظ ڈھونڈ رہا ہو۔" روبینہ! میں اپنی مجبوریوں کا کوئی اعادہ نہیں کروں گا۔ جو کچھ ہونا تھا وہ تو ہو چکا۔ مجھے صرف اتنا ہی بتا دو۔ کیا تمھیں مجھ سے اتنی ہی نفرت ہے؟ جس کا اظہار تم نے بار بار کیا تھا۔ روبی۔ میری سمجھ میں نہیں آتا۔ لبوں سے نفرت کا پیغام نکلے اور دل کسی اور بات پر مجبور کرے!۔ جب میں مر رہا تھا۔ تو تم بار بار اسپتال کیوں آتی تھیں؟۔ جب میری شادی ہوئی۔ تم کہاں چلی گئی تھیں!۔ بتاؤ۔ بینا۔ یہ سب کیا ہے!۔ اگر مجھے اس بات کا جواب نہ ملا۔ تو مجھے کہیں چین نہیں ملے گا۔ جہاں رہوں گا۔ بے قرار رہوں گا۔ یہ خلش مجھے جینے نہ دے گی! میں نے چلتے چلتے روبینہ سے پوچھ کیوں نہ لیا۔ ہو سکتا ہے۔ جیسا مجبور میں کر دیا گیا تھا۔ ویسی ہی میری بینا بھی مجبور کر دی گئی ہو!۔"

"میری بینا۔!؟؟" روبینہ کی آنکھوں میں بادل امڈ آئے۔

اللہ۔ اللہ۔ اس محبت کی کہیں تہہ بھی ہے؟!"

پھر وہی التجائیہ لہجہ" بس! صرف یہی ایک جواب . . . پھر میں کچھ نہیں پوچھوں گا۔ مجھے قرار آجائے۔ میں نے تمھاری نیکنامی کا خیال رکھا ہے۔ اب بھی کر رہا ہوں اور ہمیشہ کروں گا۔!"

"مجھے اپنی ناہید سے بہت محبت تھی۔ پھر میں اور کیا کرتی؟!" روبینہ نے دھڑکتے دل سے کہہ ہی دیا۔" لیکن آپ نے ہم سب پر ستم ہی ستم ڈھائے

اسے مرنے پر مجبور کیا۔ مجھے جینے پر۔!"

"مجھے پتہ نہ تھا۔ روبی۔ ناہید ایسا ہولناک قدم اٹھائے گی۔ اور اب تم بھی یہی کہہ رہی ہو۔"

"آپ ہی بتائیے۔ میں کیا کروں؟!"

"میرے سوال کا جواب دے دو۔ مجھے قرار عطا کرو۔ روبی!۔ میں یہاں سے تمھاری نفرت کی سوغات لے کر نہ سدھاروں!۔ میرا سب کچھ چھن چکا۔ روبی میرے ساز ٹوٹ گئے۔ میری آواز کھو گئی! جب میں یہاں آیا تھا میرا سینہ آرزوؤں سے لبالب جام تھا۔ اور میں جا رہا ہوں۔ کچھ زخم کچھ آنسو لیے ہوئے!"

"یوں نہ سوچیے۔ خدا کے لیے" روبینہ کو صبر دوبھر ہو گیا" میں نے تو سب کی خیر خواہی چاہی تھی۔ وہ بدخواہی ہو گئی۔!!"

"شکریہ۔۔۔۔ روبی۔۔۔۔ اللہ کرے دنیا بھر کی خوشیاں تمھیں مل جائیں۔ اللہ کرے۔ وہ تمام خلشیں مٹ جائیں۔ جو میری وجہ سے تمھیں ملی ہیں!!۔۔۔ میں تم سے معافی مانگتا ہوں۔۔۔ میری غلط فہمی تم نے دور کر دی۔۔۔ اب مجھے اجازت دو۔ کبھی فرصت ملے۔ تو اس خانماں برباد کو یاد کر لینا۔ جو ایسے ہی طوفانی موسم میں راستہ بھول کر ادھر آنکلا تھا۔ اور ایسے ہی موسم میں راہ بھول کر چلا گیا۔۔۔ خدا حافظ!"

خدا حافظ کا گھونسہ اس کے دل پر ایسا پڑا کہ وہ کراہ اٹھی۔ برسوں پہلے کا جگمگاتا شوخ و شریر حسین چہرہ۔۔۔ اور محبت میں ڈوبی ہوئی آواز۔۔۔ بڑی دور سے اسے آتی سنائی دی۔

"خدا حافظ بھی نہ کہیے گا؟"

"نہیں کہوں گی۔ نہیں کہوں گی!"۔ دفعتہً اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنا چہرہ چھپا لیا اور پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی!۔

"آپ کسی کی مجبوری کو بھی نہیں پہچانتے۔ جب آپ بے بس کر دیئے گئے تھے تو میں کیوں نہ کر دی جاتی! آپ سے میں نے اپنی نیکنامی کی التجا کی تھی۔ کیا بدنام ہو جاتی۔!"

خالد یکبارگی خاموش ہو گیا۔ تو جو کچھ۔ وہ سوچ رہا تھا۔ کیا وہ درحقیقت اسی کی غلط فہمی تھی۔

"کاش! دل چیر کر دیکھا جا سکتا۔ کاش! آپ سوچتے۔ انسان کو کبھی جانتے بوجھتے زہر پینا پڑتا ہے۔ وہ زہر۔ جو پیا میں نے۔ اور جس کا اثر آپ پر ہوا۔ بتایئے۔ اس کے سوا میں اور کیا کرتی؟ بولئے۔ پھر میں کیسے آپ کو سب میں واپس کھینچتی؟!"

لیکن اس طرح۔۔۔۔۔!" خالد سناٹے میں رہ گیا۔۔۔ وہ صرف یہی کہہ سکا اور بس!!۔

وہ بے ضبط ہو کر دوڑی اور اسکے کھلے ہاتھوں پر جھک پڑی۔

"آپ سے میں نے کہا تھا۔ میں ہندوستانی لڑکی ہوں۔ جسے خیالوں میں اپنا مان لیا۔ تن من سے اسی کی ہو گئی۔ آپ کی زندگی سے سب کچھ نکل گیا۔ مگر میرے پاس کیا رہا ہے؟ آپ تو سب کچھ اپنے ساتھ لئے جا رہے ہیں۔ وہ یادیں۔ وہ خلشیں۔ جو کبھی میری تھیں۔ اب تو آپ جا رہے ہیں! پھر نہ جانے آپ کب آیئے گا؟!"

یہ روبینہ ہی بول رہی تھی؟۔ با ضبط و بے قراری۔ شرمیلی گھبرائی اور مجبوری روبینہ اس نے اپنے ہاتھوں کے ہالے میں اس کا آنسوؤں سے بھیگا ہوا چہرہ تھام لیا! اس کی چھلکتی آنکھوں نے خالد کو دفعتہً بے تاب کر دیا!۔

اس نے جھک کر اپنی کلائی پر نظر ڈالی۔ اور ایک آسودہ سی مسکراہٹ اس کے لبوں پر پھیل گئی۔ اس کا طیارہ تو کب کا پرواز کر چکا ہو گا۔!

روبینہ اپنی اس بے ضبطی پر پشیمان سی اس کے پاس سے ہٹنے لگی۔۔۔۔ "آپ کے کپڑے لے آؤں۔ اور آپ کا بستر۔ جو میرے پاس رہ گیا تھا۔!" اس سے کوئی بہانہ بھی نہیں بن سکا! دفعتہً خالد نے اسے اپنے پاس کھینچ لیا۔ اور اتنی شدت سے اسے اپنے سینے سے بھینچ لیا کہ اگر دنیا کی بڑی بڑی طاقتیں بھی چاہتیں تو اسے جدا نہ کر سکتیں!!۔

"بینا۔ میرا ساز۔ میری آواز ـــ!" اس نے آسودگی و طمانیت کی گہری سانس لے کر اس کے بالوں پر اپنی پیشانی رکھ دی!"۔ اب میں کہیں نہیں جاؤں گا۔ کہیں نہیں!

باہر طوفان اب بھی اپنے شباب پر تھا۔!

اور ہواؤں میں جلترنگ سا گونج اٹھا تھا!!

(ختم شد)